بحث لنيل شهادة الدكتوراة

في العلوم الاسلامية

مسئلہ زر کا تحقیقی مطالعہ۔ عصر حاضر کے خصوصی حوالہ سے

تحقیق

عصمت اللہ

نگرانی

ریٹائرڈ جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

شعبہ القرآن والسنۃ

کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی

Certificate

Certified that Mr.Ismatullah s/o Hamdullah has carried out research on the topic :

مسئلہ زر کا تحقیقی مطالعہ۔ عصر حاضر کے خصوصی حوالہ سے

under my supervision and that he is worthy of presentation to the University of Karachi(Jamia Karachi) for the award the degree of Ph.D in Islamic Studies.

Muhammad Taqi Usmani

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اظہارِ تشکر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد: اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے، جس نے بندہ کو "زر" کے موضوع پر مقالہ لکھنے اور کام کرنے کی توفیق عنایت فرمائی، ساتھ ساتھ صدرِ جامعہ دار العلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کا بندہ ممنون ہے جنہوں نے بندہ کو اس کام کی بار بار ترغیب دیکر حوصلہ دیا، اور خاص طور پر بندہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نائب صدر جامعہ کا نہایت ہی ممنون ہے، جنہوں نے اپنی بے شمار مصروفیات کے باوجود اس مقالہ کی نگرانی منظور فرمائی، اور وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرمایا، اور جن کی قیمتی کتابوں سے بندہ فیضیاب ہوا، بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ اس کام کے لئے ان کی عربی، انگریزی اور اردو تصنیفات ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئیں۔ فجزاہ اللہ خیرا فی الدنیا والآخرۃ۔

آخر میں بندہ ڈاکٹر عبد الرشید صاحب سابق ڈین اور ڈاکٹر فضل احمد صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے، جنہوں نے ابتدائی مراحل میں بندہ کے ساتھ معاونت فرمائی۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کام کو میرے اور میرے اساتذہ کے لئے سرمایہ آخرت بنائے، اور دین کی خدمت کی اخلاص کے ساتھ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عصمت اللہ

اکتوبر ۲۰۰۶ء

رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

مسئلہ زر کا تحقیقی مطالعہ - عصر حاضر کے خصوصی حوالے سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ

موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت

اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دستور حیات ہے، یہ وہ دین ہے جو ہر زمانہ کے حالات اور تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے، اور جملہ شعبہائے زندگی کے احکام کو جامع ہے، اور ہر شعبہ زندگی سے متعلق اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔

انسانی معاشرہ میں باہمی لین دین (Dealing) کے لئے ''زر'' (Money) کی حیثیت ریڑھ کی ھڈی کی سی ہے، بلکہ باہمی معاملات کا مدار اصلی زر ہی ہے۔ ''زر'' کے استعمال کا سلسلہ مختلف شکلوں میں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے، اسلام سے قبل بھی، اور اسلام کے بعد بھی مختلف ادوار میں زر کی شکلیں بدلتی رہیں، اور اس کی قدر و قیمت (Value) میں تغیرات اور اتار چڑھاؤ ہوتا رہا، جس کی وجہ سے زر کی بہت ساری صورتیں اور قسمیں وجود پذیر ہوئیں، جسکے نتیجہ میں بہت سے نت نئے مسائل نے جنم لیا، اور جنم لے رہے ہیں۔

کچھ عرصہ سے پورے عالم اور خاص طور پر پاکستان میں ''اقتصاد'' کو اسلامی سانچے میں، اور اس کو سود جیسی لعنت سے پاک کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اور اس سلسلہ میں پاکستان کی عدالت عالیہ فیصلہ بھی دے چکی ہے۔ جس پر عنقریب عمل درآمد متوقع ہے، اس سے اس موضوع کی اہمیت ونزاکت اور بڑھ گئی ہے۔

اس موضوع پر اردو یا انگریزی زبان میں جو کام ہوا ہے، وہ مختصر اور عدم جامعیت کی بناء پر نہ ہونے کے برابر ہے، علماء عرب نے زر پر اگرچہ خاصا تحقیقی کام کیا ہے، اور اس کے مختلف احکام اور اقسام کو ذکر کیا ہے، لیکن بہت سارے احکام میں ان کی آراء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے حتمی نتائج تک پہنچنا بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ زر کی مختلف صورتوں کے احکام منتشر طریقے سے کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعض صورتیں ایسی ہیں جو ہنوز تحقیق طلب ہیں، مثلاً: زر کی حقیقت (Nature)، بونڈز کی مختلف اقسام کے شرعی احکام، مختلف تمسکات کا شرعی جائزہ، بنک چیک کی شرعی حیثیت، اور اس پر قبضہ کی شرعی حیثیت

،اس زمانہ میں افراط زر سے پیدا شدہ مسائل کے بارے میں غور اور ان کا شرعی حل، خاص طور جہاں افراط زر تقریباً کساد کی حد تک پہنچا ہو، جیسا کہ افغانستان وغیرہ میں یہ مسئلہ در پیش ہے، اور ان جیسے متعدد مسائل، جیسا کہ آگے تفصیل سے ان شاء اللہ تعالی اندازہ ہو جائے گا، اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع پر ایک ایسا تحقیقی مقالہ لکھا جائے جو قومی زبان میں ہو، اور عام فہم و جامع ہو نیز جن مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، قرآن وسنت اور اس سے مستفاد اصول کی روشنی میں ان کی ترجیح تلاش کی جائے۔

اس اہمیت کے پیش نظر اس موضوع کو ایم فل۔ پی ایچ ڈی کے لئے منتخب کیا گیا ہے، تاکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس موضوع کا تفصیلی تجزیاتی تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور متعلقہ مسائل کو ایسے انداز میں مرتب کیا جائے کہ مزید تحقیق کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

یہ مقالہ مقدمہ آٹھ ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔

باب اول

زر۔تعارف وحقیقت

زر(Money) کی تعریف فقہاء کرام کے نزدیک:

عربی زبان میں ''زر'' کو''نقد'' کہتے ہیں،جس کی جمع ''نقوذ'' ہے۔

قدیم فقہی عبارات اورنصوص پرغور کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے،وہ یہ ہے کہ ان کی رو سے زر (نقد) کا اطلاق اس درجہ عموم کے ساتھ نہیں ہے،جس درجہ عموم کے ساتھ ماہرین اقتصاد(Economists) کے ہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے،چنانچہ فقہاء کرام کی عبارات پرغور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ''زر'' کے اطلاق میں تین نظریات ہیں:

پہلا نظریہ: زر سے مراد مطلقاً سونا چاندی ہے،یعنی خواہ ڈھلے ہوئے سکے کی شکل میں ہو،جیسا کہ درھم ودینار یا ڈلی وغیرہ کی شکل میں ہو۔(۱)

دوسرا نظریہ: زر سے مراد صرف ڈھلا ہوا سکہ مراد ہے،یعنی درھم ودینار،لھذا سونے یا چاندی کے برتن یا ڈلی یا کسی اور شئی کو جو سونے یا چاندی سے بنی ہوئی ہو،اس کو زر نہیں کہا جائے گا۔(۲)

---

(۱)تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق الزیلعی(الامام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی) ، بیروت دارالکتب العلمیة ، طبع اول ۲۰۰۰ء:"یعنی اذا وجد معدن ذهب او فضة وهو المراد بالنقد او حدید الخ"(۲/۹۳)

——— فتح القدیر شرح الهدایة، ابن الهمام ،(الامام محمد بن عبد الواحد بن الهمام) کوئٹه مکتبه رشیدیه ، فی باب الربا: "کما فی انا ء ین من جنس واحد حدید او ذهب او فضة احدهما اکثر وزنا من الآخر ، ففی الانا ء ین من غیر النقدین یجوز بیع احدهما بالآخر الخ "(۶/۱۵۸) ،

اس مسئله میں سونے یا چاندی کے برتن پر بھی "نقد" کا اطلاق کیا گیا ، اوراس جگه یهی ثابت کرنا مقصود هے.

——— تحفة المحتاج الهیتمی ،(العلامة ابن الحجر الهیتمی الشافعی) : والنقد ای الذهب والفضة ولو غیر مضروبین ، وتخصیصه بالمضروب مهجور فی عرف الفقهاء الخ"(۴/۲۷۹)

(۲) تحریر الفاظ التنبیه النووی ،(محی الدین یحی بن شرف النووی) دمشق، دارالقلم ، طبع اول ۱۴۰۸هج ...

(بقیه حاشیه اگلے صفحه پر)

ان دو نظریوں کی رو سے زر کا اطلاق فلوس (Pices) یا دوسری اشیاء پر نہیں ہوگا۔

تیسرا نظریہ: اصل زر اگرچہ سونا، چاندی ہے، لیکن اس کا اطلاق سونے چاندی کے علاوہ دیگر اشیاء پر بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ اس نظریہ کے مطابق "زر" کا اطلاق "فلوس" (Pices) پر بھی ہوسکتا ہے، (ا)

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) ، "النقد" الدراھم والدنانیر" (ص ۱۱۴)

ـــــــ القاموس الفقهی لغة واصطلاحا ،سعدی ابو حبیب ، :"العملة من الذهب والفضة ویقال لهما النقدان (ج) نقود"

فتح القدیر، ابن الهمام ،فی باب الصرف : "وانما قال : من جنس الاثمان ولم یقتصر علی قوله : "بیع ثمن بثمن" لیدخل بیع المصوغ بالمصوغ او النقد الخ"(۲۵۹/۶) ،اس عبارت میں "مصوغ" کو "نقد" سے الگ کردیا ھے، جس کا صاف مطلب یهی ھے که نقد کا اطلاق صرف درهم ودینار پر هوتا ھے.

ـــــــ حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر ،الدسوقی ،(محمد عرفه الدسوقی) ، بیروت دارالفکر :" وحرم ـــ ای الربا ـــ فی نقد ذهب وفضة ولو قال: "فی عین" کان اولی لان النقد خاص بالمسکوک الخ"(۲۸/۳)

ـــــــ احکام الاوراق النقدیةالجعید،(ستر بن ثواب الجعید ،) الطائف ،مکتبة الصدیق ، ،طبع اول ، ۱۴۱۳ هج :"وقد اعترض الاسنوی علی احد تراجم المنهاج ـــ باب زکوة النقد ـــ بما یفهم منه موافقته لهذا الفریق اذیقول : اعلم ان النقد هو المضروب من الذهب والفضة خاصة فلو عبر المصنف بهما کم عبر الخ" (ص ۳۲)

(ا) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع الکاسانی(العلامة علاء الدین ابوبکر الکاسانی) ، کراچی، ایچ ایم سعید ، ، طبع اول ۱۳۲۸ هج : "وجه قوله: (ای الاما م محمد بعدم جواز بیع الفلوس بجنسها متفاضلا ...عصمت) ان الفلوس اثمان ، فلا یجوز بیعها بجنسها متفاضلا کا لدراهم والدنانیر ."(۱۸۵/۵) ،

ـــــــ المغنی والشرح الکبیر، ابن القدامة،(عبدا لله بن قدامة) السعودیة ، مکتبة الریا ض ، ۱۴۰۳هج : "فان احمد قال: لا اری السلم فی الفلوس لانه یشبه الصرف وهذا قول محمد بن الحسن وابی ثور ، لانها ثمن فجازت الشرکة بها کالدراهم والدنانیر". (۱۲۵/۵)

ـــــــ احکام الاوراق النقدیة الجعید،(ستر بن ثواب الجعید) "ابن وهب عن اللیث بن سعد عن یحی بن سعید وربیعه انهما کرها الفلوس بالفلوس بینهما فضل او نظرة، وقالا: انها صارت سکة مثل سکة الدنانیر والدراهم".(ص ۴۳) ،

ـــــــ مجموع الفتاوی ابن تیمیه،(شیخ الاسلام احمد بن تیمیه) ،السعودیه، مطابع الریا ض ،طبع اول ، ۱۳۸۳ هج "والاظهر المنع من ذلک فان الفلوس النافقة یغلب علیها وتجعل معیارا لاموال الناس ".(۴۶۸/۲۹)

اور جب فلوس پر اس کا اطلاق درست ہے، تو دوسری اشیاء پر پر بھی اس کا اطلاق ممنوع نہیں ہوگا، بشرطیکہ ان میں وہ شرائط پائی جائیں، جو ''زر'' کے اطلاق کے لئے ضروری ہے۔

غرضیکہ فقہاء کرام کے نزدیک زر کا اطلاق تین طریقوں سے ہوتا ہے، صرف درھم و دینار پر اسکا اطلاق، زر کا یہ اطلاق بہت ہی محدود اور سب سے اخص ہے، سونے چاندی پر اس کا اطلاق، خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل (shape) میں ہو، اس میں پہلے کی نسبت عموم پایا جاتا ہے، اور تیسرا اطلاق سب سے عام ہے، کیونکہ اس کی رو سے زر کا اطلاق فلوس پر بھی ہو سکتا ہے۔

یاد رہے کہ فلوس سونے یا چاندی کے نہیں ہوتے، بلکہ تانبے وغیرہ کے ہوتے ہیں، تفصیل باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں!

زر کا تیسرا اطلاق ماہرین اقتصاد (Economists) کے موقف کے زیادہ قریب ہے، ذیل میں تفصیل دی گئی ہے۔

زر کی تعریف ماہرین اقتصاد کے نزدیک: جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ''زر'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جو چیز عرفاً آلہء مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہو، اور وہ قدر زر کا پیمانہ ہو، اور اس کے ذریعہ مالیت کو محفوظ کیا جاتا ہو، اسے ''زر'' کہتے ہیں۔''(۱)

پروفیسر کراؤتھر (Prof.Crowther) زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''زر سے مراد وہ شئی ہے، جو آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو، اور جو ساتھ ہی ساتھ معیارِ قدر اور ذخیرہ قدر کا فرض بھی سرانجام دے۔''(۲)

ڈاکٹر عدنان خالد ترکمانی اپنی کتاب میں زر کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

''النقد عبارة عن كل شئي يلقى قبولا عاما كوسيط للتبادل ومقياس للقيمة مهما كا ن ذلك الشئي وعلى اى حال يكون''

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴ طبع اول ۱۴۱۹ ھج

(۲) تعارف زر وبنکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکالر اوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع اول ۱۹۹۱ء

''زر'' ہر اس شئی کو کہتے ہیں، جو آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو، اور معیارِ قیمت ہو، وہ شئی کچھ بھی ہو، اور کسی بھی حالت میں ہو۔'' (۱)

کیول کرشن اپنی کتاب میں زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"Money may be defined as the means of valuation and of payments : as both the unit of account and the generally accepted medium of exchange"(2)

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباوہی ہے، جو مذکورہ بالا تعریفات میں ذکر ہوا۔

تعریفِ زر کے اجزا یا خصوصیات(Features):

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ زر کے چار اہم اجزا یا خصوصیات ہیں:

۱/ زر کا آلہ مبادلہ ہونا

۲/ مقبول عام ہونا

۳/ پیمانہءقدر ہونا

۴/ مالیت محفوظ کرنے کا ذریعہ ہونا

ہر جزء کی مختصر تشریح ذیل میں ملاحظہ ہو:

۱......زر آلہ مبادلہ ہے: ہر انسان کو زندگی میں مختلف اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ہر چیز ہر ایک کے پاس ہونا ضروری نہیں، ایک چیز ایک شخص کے پاس ہے، تو دوسرے کے پاس نہیں، اور دوسرے کے جو چیز

---

(۱) السیاسیة النقدیة والمصرفیة فی الاسلام الترکمانی(الدکتور عدنان خالد الترکمانی) بیروت ، مؤسسة الرسالة ،طبع اول ۱۴۰۹ھج

(۲) Modren Economic Theory. Dewett. .Kewal Krishan India Delhi ,Eighteen revised edition , 1983 P:409

ہے، وہ اس کے پاس نہیں، اس وقت ایک دوسرے سے تبادلہ کی کیا صورت ہوگی؟ سامان کو ذریعہ تبادلہ بنانا مشکل ہے، کیونکہ ہر آدمی کو ہر سامان کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی، اور نہ ہر ایک کا ہر سامان پر راضی ہونا ضروری ہے، اس کے لئے اللہ تعالی نے سونے چاندی کو ذریعہ تبادلہ (Medium of exchange) کے طور پر پیدا فرمایا، اور ہر انسان کے دل میں ان دونوں کی محبت وعظمت اسطرح ڈالی کہ ہر آدمی اس کو قبول کرنے پر طبعی طور پر بھی مجبور ہے، چنانچہ شروع سے لیکر آج تک یہ قابل قدر ہے، اور معنوی حیثیت سے اب تک یہی ذریعہ تبادلہ ہے، گو صورۃً اس میں تعمیم کی گئی، اور زر کا مفہوم وسیع تر ہوتا گیا۔

۲......زر مقبول عام ہو: زر بننے والی شئی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں قبولیت عامہ کا وصف موجود ہو، یعنی ہر شخص اسے کسی حیل وحجت کے بغیر قبول کر کے اس کے عوض مطلوبہ شئی دینے کے لئے تیار ہو۔

۳......زر پیمانہ قدر ہو: سامان کی قیمتوں کا معیار کیا ہو؟ اگر اس کے لئے کوئی معیار اور پیمانہ مقرر نہ ہو، تو ہر آدمی اپنے اندازے اور مفاد کے مطابق قیمتوں کا تقرر کریگا، جس سے نزاع کی صورت پیدا ہوگی، مثلاً اگر زر نہ ہوتا، تو ایک اونٹ کی قیمت سامان اور دیگر اشیاء سے کیا ہو؟ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہوتا، زر نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا، اب زر پیمانہ اور معیار (Measure of value) قرار دیا گیا، اونٹ کی قیمت اب زر سے لگنی چاہیئے، نہ کہ سامان سے، اور اس میں اب کوئی نزاع یا مشکل درپیش نہیں ہوگی۔

۴......مالیت محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہو: اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی جنس رکھی ہوئی ہو، تو اس کی قیمت کم وبیش ہوتی رہتی ہے، نیز ضروری نہیں کہ ہر وقت اس کا کوئی خریدار مل جائے، اس لئے اس کی مالیت مکمل طور پر محفوظ نہیں، اس کے بجائے اگر زر رکھ لیا جائے، تو عام حالات میں اس سے مالیت محفوظ رہتی ہے یعنی غیر معمولی حالات سے قطع نظر، اس کی ذاتی قیمت یکساں رہتی ہے، نیز اس سے کوئی بھی چیز جب چاہیں خرید جا سکتی ہے۔(۱)

---

(۱) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة فی الفقه الاسلامی

تعارف زر و بنکاری

____ اسلام اور جدید معیشت وتجارت۔

____ مقدمة فی النقود والبنوک، الدکتور محمد زکی شافعی، بیروت، دار النهضة العربیة، طبع هفتم.

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خلاصہ بحث یہ کہ

(۱) ''زر'' کا اطلاق سونے اور چاندی پر متفق علیہ ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، نہ فقہاء کرام کا اور اقتصادیین کا۔

(۲) ایک موقف یہ ہے کہ سونے یا چاندی جب درھم یا دینار کی شکل میں ہو، تو زر ہے، ورنہ نہیں۔

(۳) ایک موقف یہ ہے کہ اس سلسلہ میں عموم پایا جاتا ہے کہ سونا چاندی کسی بھی شکل میں ہوں، وہ زر کے حکم میں داخل ہیں۔

(۴) ایک موقف کے مطابق اس میں کچھ زیادہ عموم اور توسع پایا جاتا ہے، جن میں زر کا اطلاق فلوس پر بھی کیا گیا ہے۔

(۵) اقتصادیین (Economists) کے ہاں ''زر'' کا مفہوم اور بھی وسیع ہو گیا، اور ان کے ہاں زر ہر اس شئی سے عبارت ہے، جس میں مذکورہ خصوصیات پائی جائیں۔

(٦) بعد کے بیشتر علماء اسلام بھی زر کے مذکورہ مفہوم عام پر متفق ہو گئے، اور احکام شرعیہ میں اس عموم کا اعتبار کیا، جیسا کہ آگے تفصیلات سے ان شاءاللہ تعالی واضح ہو جائے گا۔

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ) جدید فقہی مباحث، قاسمی (مولانا مجاہد الاسلام قاسمی)، کراچی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، جلد دوم،

The Theory of Money and Credit.Mises, ,Ludwig Von Mises

ـــــــ السياسية النقدية والمصرفية فى الاسلام ،التركمانى (الدكتور عدنان خالد التركمانى)، بيروت مؤسسة الرسالة ، ١٤٠٩هج

ـــــــ تطور النقود فى ضوء الشريعة الاسلامية ، الحسنى (الدكتور احمد حسن احمد الحسنى)، جده ،، دارالمدنى ، طبع اول ، ١٤١٠هج

زر کی حقیقت(The Nature of Money)

زر کی حقیقت سے مراد اس کی ''طبیعت''(Nature) ہے، یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے، کیونکہ سود کو جائز قرار دینے کے لئے جو حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ ''زر'' کے ساتھ ''شئی''(Commodity) جیسا معاملہ کیا جائے، لھذا جس طرح کسی شئی مثلاً کتاب یا دکان یا مکان کو بیچا جاتا ہے، اور اس کی قیمت باہمی رضامندی سے کچھ بھی مقرر کی جاسکتی ہے، اسی طرح زر کا معاملہ بھی ہے، کہ اس کی قیمت خواہ کچھ بھی لگائی جائے، خواہ قیمت اسمیہ(Face value) سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، جائز ہے، اور یہ کوئی سود نہیں ہے، اسی طرح جب ایک مکان یا دکان کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، اور اس پر کرایہ وصول کیا جاسکتا ہے، یہی حال زر کا بھی ہونا چاہئے کیونکہ زر بھی تو ایک شئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ زر ان حضرات کے نزدیک منجملہ اشیاء(Commodities) میں سے ہے، جو حکم معاملات(Transactions) میں دیگر اشیاء کا ہے، وہی حکم زر کا بھی ہوگا، اور جو سلوک دیگر اشیاء کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہی سلوک زر کے ساتھ بھی ہوگا۔

یہ حضرات اشیاء کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱......شئی صرفی(Consumption Goods)

۲......شئی پیداوار(Production Goods)

شئی صرف کا مطلب یہ ہے کہ اس کو صرف کر کے اس سے براہ راست انسانی حاجت پوری ہو، مثلاً اس کو کھایا جائے، یا پیا جائے، یا اس کو پہنا جائے، وغیرہ۔

شئی پیداوار کا مطلب یہ ہے کہ وہ محل تجارت(Tradable) ہو، اس کی خرید وفروخت ہو، اس کو اجارہ(Leasing) اور کرایہ پر دیا جائے، اور اس سے منافع(Profit) حاصل ہو۔

جو لوگ زر کو ''شئی'' مانتے ہیں، ان کے نزدیک زر دوسری قسم میں داخل ہے، یعنی ان کے نزدیک زر شئی پیداوار(Production Goods) ہے۔

لھذا دیگر اشیاء پیداوار کی طرح زر میں کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہوگی، نیز اس کو قرض دیکر اس پر سود لینا(Interest) درست ہوگا، گویا کہ زر ان کے ہاں محل تجارت ہوا اور اس میں اخلاقی یا

شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہوگی۔(۱)

(۱)

The Historic Judgment on Interest,Usmani, (,Justice Muhammed Taqi Usmani,)Karachi, Idaratul_Ma,araf ,1st edition,2000 A.D ,P:93

"The commodities are classified into the commodities of first order which are normally termed as 'consuption goods' and the commodities of the higher order wich are called 'production goods'. Since money , having no intrinsic utility, could not be included in 'consupion goods' most fo the economists had no; option but to put it under the categery of production goods."

The Theory of Money and Credit, Ludwig Von Mises, ,Liberty Clissics Indianapolis , 9180, P: 95,Ch:5Part:one

"It is usual to divede economic goods into the two classes of those wich satisfy human needs directly and those which only satisfy them indirectly:that is'consuption goods , or goods of the first order, and production goods ,or goods of the higher order ."

Introducion to Economic Principles, Dr.A.N Agarawala,,Katab Mahal 1983.

"Robertson defines money as a commodity which is used to denote any thing which is widely accepted in payment for goods or in discharge of other kinds of business obligation."

ــــــــــالرباخطره وسيل الخلاص منه ــ الحماد ،(الدكتور حمد بن عبد العزيز الحماد) مصر ، مطبعة المدنى ، طبع اول ۱۴۰۴هج (ص۲۸)

ــــــــــ،جهاد فى رفع بلو الربا الشيخ(محمد خاطر محمد الشيخ) ، مصر، مطابع الاهرام التجارية ، القاهرة ،(ص۲۲)

"زر" کی حقیقت اور طبیعت (Nature) سے متعلق مذکورہ موقف یا نظریہ (Theory) اس قدر کمزور اور بے بنیاد ہے، کہ اسکو نہ صرف علماءِ اسلام نے رد کیا ہے، بلکہ خود بیشتر ماہرین معاشیات بھی اس کی نفی کرتے ہیں۔

ہم اس مقالہ میں میں پہلے ماہرین معاشیات کیطرف سے اس نظریہ کا ابطال (Negation) پیش کریں گے، اور اس کے بعد علماء اسلام کی متعلقہ آراء بیان کریں گے۔

مذکورہ موقف اہل اقتصاد کی نظر میں:

Kewal Krishan Dewett, اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: (۱)

"How money differs from goods? Goods are mainly of two types: the consumer goods, and producer or capital goods. It cannot be consumed as such.There was a time when some commodities served as money and there are exceptional circoumstances in modern time too, e.g,in Germany in 1945 when htere was hyper inflation ,cigarattes served as money .But normally is not an ordinary consumer good...

Money cannot also be regarded as a capital good.Capital goods like machines and raw materials help in the manufacture of goods by their physical transformation....It performs entirely a different function. Money is an exchange good, and useful only in an exchange economy."

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اشیاء دو قسم کی ہیں: اشیاء صرفی اور اشیاء سرمایہ یا پیداوار، "زر" پہلی قسم میں عام حالات میں داخل نہیں ہوسکتا، کیونکہ زر اسطرح خرچ نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے براہ راست کوئی انسانی ضرورت پوری ہو، اسی طرح زر اشیاء سرمایہ میں سے بھی نہیں ہوسکتا، اشیاء سرمایہ مثلاً مشینری یا خام مال ذاتی

(۱) Modren Economic Theory,P:409

طور پر دوسرے مال بنانے میں مدد دیتا ہے، لیکن زر یہ میں یہ خاصیت موجود نہیں، اسکا وظیفہ بالکل مختلف ہے، زر صرف شئی مبادلہ ہے، اور مبادلہ کا ذریعہ ہے۔

پروفیسر محمد منظور علی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: (۱)

''زر یعنی نوٹ اور اس کے سکے براہ راست صرفی شئی (Consumer good) نہیں ہے، یعنی زر کسی انسانی حاجت کو براہ راست پورا نہیں کرتا، کیونکہ یہ کھانے یا پہنے یا رہنے کے کام نہیں آتا، مثلاً آپ سونے کے سکے یا کاغذ کے نوٹ یا بنک چیک کو نہ کھا سکتے ہیں، نہ بدن پر پہن سکتے ہیں، ۔۔۔کوئی صرفی شئی صرف دو حالتوں میں زر بن سکتی ہے، یا تو قدیم طرز کی پس ماندہ سوسائٹی میں یا پھر غیر معمولی حالات میں، جنگ عظیم کے بعد جب جرمنی کو شکست ہوئی، تو وہاں سگریٹ نے زر کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا، ۔۔۔۔

''زر'' اشیاء سرمایہ سے بھی مختلف ہے، کیونکہ زر کے فرائض اشیاء سرمایہ کے فرائض سے بالکل مختلف ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ زر صرف اسلئے کار آمد ہے کہ اسے آلہ مبادلہ کی حیثیت حاصل ہے۔''

Ludwig Von Mises نے اپنی کتاب (۲) میں اس نظریہ کی تردید میں باقاعدہ ایک باب (Chapter) باندھا ہے، جو ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس باب کا عنوان ہی یہی ہے، عنوان ملاحظہ ہو:

Money an economic good

"Money neither a production good nor a consuption good"

''یعنی زر نہ شئی سرمایہ ہے، اور نہ ہی شئی صرفی ہے۔''

اس باب میں صاحبِ کتاب نے مفصل بحث کی ہے، اور دلائل بیان کئے ہیں، لیکن آخر میں جو نتیجہ نکالا ہے، اور اس کو انصاف پر مبنی قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ اشیاء کی تقسیم ثنائی نہیں، بلکہ ثلاثی ہے، یعنی اشیاء کو بجائے دو میں تقسیم کرنے کے تین قسموں میں تقسیم کرنا چاہیے:

۱..........وسائل پیداوار

(۱) کتاب معاشیات ص (۱۱۶)، پروفیسر محمد منظور علی طبع ۱۹۸۲ء علی کتاب خانہ

(۲) The Theory of Money and Credit ,P:95

۲..........اشیاءِ صرف

۳..........ذریعہ مبادلہ

اور یہ کہ اگر اس نظریہ کو اپنایا جائے (یعنی یہ کہ زر شئی پیدوار میں داخل ہے)، اور اس کے ساتھ اشیاء کا معاملہ کیا جائے، تو یہ آدم سمتھ (Adam Smith) کے بقول ''مردہ ذخیرہ'' (Dead Stock) ہوگا، جو کسی کام کا نہیں۔(۱)

اس کے علاوہ معیشت پر لکھی ہوئی بیشتر کتابوں میں ''زر'' کی جو تعریف اور زر کے جو وظائف (Functions) بیان کئے گئے ہیں، ان میں اس بات کا ذکر نہیں کہ زر شئی پیداوار بھی ہے، بلکہ ان سب نے زر کو آلہ مبادلہ (Media of Exchange) کہا ہے۔

---

(1)

The theory of Money and Credit:

"This is the compete justification the suggfestion put farword by Knies that economic goods should be divided into means of production, objects of consuption,and media of exchange".P:502

"Regarded from this point of view , these goods what Adam Smith called them "dead stock,which produces nothing." P:102

مذکورہ موقف اہل اسلام کی نظر میں:

مذکورہ نظریہ کو جس طرح اہل اقتصاد نے باطل اور بے بنیاد قرار دیا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل ذکر ہوئی، اسی طرح اس نظریہ کا ابطال اہل اسلام کی عبارات سے بھی ہوتا ہے، علماء اسلام میں سے کسی نے اس نظریہ کی تائید نہیں کی ہے، ان علماء وفقہاء کی عبارات میں اگر چہ صراحۃً اس نظریہ کی تردید نہیں کی گئی ہے، لیکن انہوں نے زر کی جو حقیقت (Nature) بیان فرمائی ہے، اس سے خود بخود مذکورہ موقف کی تردید ہو جاتی ہے، گو بعض نے صراحت بھی ہے۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سود سے متعلق سپریم کورٹ آف پاکستان کے لئے جو مشہور فیصلہ لکھا ہے، اور جس نے ایک تاریخی حیثیت حاصل کی ہے، یعنی "The Historic Judgment on Interest" اس میں انہوں نے اس نظریہ کی اسلامی اور اقتصادی نقطہ نظر سے تفصیل سے تردید فرمائی ہے۔(۱)

انہوں نے اسلامی نقطہ نظر سے "زر" (Money) اور "شئ" (Commodity) میں تین بنیادی فروق بیان فرمائے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱..........زر براہ راست انسانی ضرورت وحاجت کو پورا نہیں کرسکتا، زر اشیاء (Commodities) اور خدمات (Services) کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ شئ براہ راست انسانی ضرورت کو پورا کرسکتی ہے۔

۲..........اشیاء کے مختلف معیار ہوتے ہیں، (کوئی شئ مہنگی ہوتی ہے، اور کوئی شئ سستی ہوتی ہے۔) جبکہ زر کی سوائے اس کیفیت کی اور کوئی کیفیت نہیں کہ وہ پیمانہ قدر اور آلہ مبادلہ ہے، اس لئے ایک قیمت کے زر کی تمام اکائیاں (Units) آپس میں سو فیصد مساوی ہوتی ہیں، ایک ہزار کا پرانا نوٹ اور نیا نوٹ معیار میں برابر ہیں۔

۳..........اشیاء میں خرید وفروخت کے معاملات (Transactions) انہی خاص اشیاء کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، جن پر یہ معاملات واقع ہوئے ہوں، ایک خاص کار کی طرف اشارہ کر کے اگر "الف" اسکو "ب" کے ہاتھ فروخت کرے، اور "ب" اس پر راضی ہو کر اس کو خریدے، تو خریدار ب اسی خاص کار کی

(1) P:90

وصولی کا حقدار ہوگا، خریدار کو دوسری کار لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، جبکہ زر کسی معاملہ میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، اگر الف ب کو کوئی خاص نوٹ دکھا کر اس سے کوئی چیز خرید ے، تو الف ب کو اس خاص نوٹ کی بجائے دوسرا نوٹ بھی دے سکتا ہے، اور ب اس کو لینے پر مجبور ہوگا، بشرطیکہ وہ نوٹ اسی قیمت کا ہو۔

لھذا ان بنیادی فروق کے ہوتے ہوئے زر کے ساتھ اشیاء والا معاملہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ زر کو اپنی طبعی صفت کے پیش نظر صرف آلہ مبادلہ تک محدود رکھا جائے گا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے کئی صدیاں قبل زر کی طبیعت یوں بیان فرمائی ہے:(۱)

"والدراهم والدنانير لاتقصد لنفسها ، بل هي وسيلة الى التعامل بها ، ولهذا كانت اثماناً ، بخلاف سائر الاموال فان المقصود الانتفاع بها نفسها."

"دراھم اور دنانیر مقصود بالذات نہیں، بلکہ یہ باہمی معاملات کا ایک ذریعہ ہیں، اسی وجہ سے یہ "اثمان" شمار ہوگئے، بخلاف دیگر اشیاء کے کہ یہ خود مقصود بالذات ہیں۔"

علامہ ابن تیمیہؒ نے زر اور دیگر اشیاء میں بالکل واضح فرق بیان فرمایا، کہ زر محض ذریعہ مبادلہ ہے، دیگر اشیاء کی طرح مقصود بالذات نہیں، کیونکہ زر براہ راست انسانی حاجت کو پورا نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن قیم نے نہایت واضح انداز میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے:(۲)

"الاثمان لاتقصد لاعيانها ، بل يقصد بها التوصل الى السلع ، فاذا صارت من نفسها سلعة تقصد لاعيانها فسد امر الناس."

---

(۱) مجموعة الفتاوی ابن تیمیه(شیخ الاسلام احمد بن تیمیه) ،السعودية ، مطابع الرياض ، طبع اول ۱۳۸۲ هج (۱۹/ ۲۵۱)

(۲) اعلام الموقعين عن رب العالمين ،ابن الجوزيه(علامه شمس الدين ابو عبدالله محمد بن ابی بکر المعروف بابن الجوزيه المتوفی ۷۵۱هج)مصر، ادارة الطباعة المنيرية ، (۲/ ۱۵۷)

''زر مقصود بالذات نہیں، بلکہ سامان کے حصول کا ذریعہ ہے، اگر زر سامان میں شمار ہو جائے، تو لوگوں کے معاملات فاسد ہو جائیں گے۔''

حضرت امام غزالیؒ نے ''زر'' کی حقیقت پر بہت مفصل بحث فرمائی ہے، جس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

''اللہ تعالی کی منجملہ نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت دراھم ودنانیر کی تخلیق بھی ہے، انہی سے دنیا کا نظام قائم ہے، یہ دونوں محض پتھر ہیں، ان سے براہ راست کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا،، لیکن لوگ ان کے بہت زیادہ محتاج ہیں، کیونکہ ہر انسان کو کھانے، پینے، لباس اور دوسری حاجات میں بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، اور انسان کبھی حاجت کی ایک چیز سے مستغنی ہوتا ہے، اور کبھی حاجت کی چیز کو اس کو ضرورت ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص کے پاس زعفران ہے، اور اس کو ضرورت اونٹ کی ہے، اور دوسرے شخص کے پاس اونٹ ہے، اور اس کو ضرورت زعفران کی ہے، (اب یہ دونوں تبادلہ کرنا چاہتا ہے۔) تو ان کے درمیان معاوضہ بھی ضروری ہے، اور عوض کی مقدار بھی متعین کرنا ضروری ہے، کیونکہ اونٹ والا اپنا پورا اونٹ زعفران کے بدلہ میں نہیں دے گا، اور اونٹ اور زعفران میں کوئی مناسبت بھی نہیں، کہ یہ کہا جائے کہ اونٹ کے برابر زعفران کے بدلہ اونٹ حوالہ کردے، یہی حال دیگر اشیاء کا بھی ہوگا، ۔۔۔لھذا یہ اشیاء جن میں (صورتا یا وزنا کوئی مناسبت نہیں) کسی ایسے ثالث کی محتاج ہو گئیں جو ان میں فیصلہ کرے، اور صحیح قیمت کو متعین کرے تو اللہ تعالی نے اس مقصد کے لئے سونا چاندی کو پیدا فرمایا، تاکہ یہ دونوں اشیاء کے درمیان ''حَکَم'' کا کردار ادا کر سکیں، اور ان کی بنیاد پر اموال کا کا اندازہ ہو سکے، اور اشیاء کے درمیان ان کا پیمانہ قدر ہونا اسی پر مبنی ہے کہ ان سے خود براہ راست کوئی غرض وابستہ نہیں، اگر ان سے خود کوئی غرض وابستہ ہوتا تو یہ جس کے مطلب کے ہوتے، اسی کے حق میں ان کو ترجیح ہوتی، اور دوسرا

ان کو نہ لیتے ، اور اسی طرح سارا نظام درھم برھم ہو جاتا۔

لھذا اللہ تعالی نے ان کو اسلئے پیدا فرمایا تا کہ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جائیں، اور اموال غیر متناسبہ میں مساوات پیدا کریں، اور ان میں یہ حکمت بھی رکھی کہ ان سے دیگر اشیاء حاصل ہو سکیں، اور جس نے بھی دراھم ودنانیر میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمت خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا، تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹایا، جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی :

"اذطلب النقد لغیر ما وضع له ظلم"

کیونکہ زر کو ایسی چیز کے لئے لینا جس کیلئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے ظلم ہے۔"(۱)

گویا کہ زر کے ساتھ عام اشیاء سا سلوک کرنا، اور اس کو محل تجارت (Tradable) بنا دینا ظلم ہے، زر کے معاملہ میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اسکی تخلیق ہوئی ہے، اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

ایک اہم اشکال اور اس کا جواب: امام غزالی کی مذکورہ عبارت کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ درھم یا دینار محض ایک وسیلہ ہے، اور اشیاء غیر متناسبہ کے درمیان مساوات پیدا کرنے کا ایک معیار اور ثالث ہے، نہ یہ مقصود بالذات ہے، اور نہ ہی محل تجارت، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"فاذا اتجر فی عینهما فقد اتخذهما مقصودا علی خلاف وضع الحکمة"(۲)

---

(۱) احیاء علوم الدین ،الغزالی (الامام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی م۵۰۵ھج)،بیروت لبنان ، دارالمعرفة ، (۹۱/۴)

(۲) حوالہ بالاص۹۲

''جب کوئی شخص ان دونوں کی ذات میں تجارت کریگا، تو ان کو اس حکمت کے خلاف استعمال کرے گا، جس کے لئے ان دونوں کی تخلیق ہوئی ہے۔''

اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ پھر تو زر کو زر کے مقابلہ میں فروخت کرنا بالکل ناجائز ہو، حالانکہ درھم کی بیع دینار یا دینار کی بیع درھم کے ساتھ شرعاً جائز ہے، اور اس میں کمی بیشی بھی درست ہے، اسی طرح درھم کو درھم کے مقابلہ میں فروخت کرنا یا دینار کو دینار کے مقابلہ میں فروخت کرنا درست ہے، جبکہ دونوں جانب برابر سرابر ہوں، اور ان معاملات کے جواز میں شرعی اعتبار سے کوئی شبہ نہیں۔

اس کا جواب خود امام غزالیؒ نے دیا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

''درھم و دینار کی تخلیق سے اصل مقصد تو ان کے ذریعہ مختلف اشیاء کا حصول ہی ہے، لیکن اس مقصد میں ایک قسم کا زر دوسری قسم سے مختلف ہوسکتا ہے، باین طور کہ ایک قسم سے دوسری قسم کے مقابلہ میں اشیاء کے حصول تک رسائی آسان ہو، مثلاً اگر دینار کے درھم بنائے جائیں، تو درھم دینار کے مقابلہ میں زیادہ ہوں گے، اور ان کو تھوڑا تھوڑا کر کے سب ضروریات پوری ہوسکیں گے، پس اگر اس کے مبادلہ سے منع کیا جائے، تو مقصود خاص (مبادلہ) میں خلل ہوگا،۔۔۔

اسی طرح ایک درھم کو اسکے ہم مثل درھم کے ساتھ بیع کو ہم نے جائز قرار دیا کیوں کہ اسطرح کرنا ایک لغو اور فضول کام ہے، اور اس میں کوئی عاقل دلچسپی نہیں لیتا، تو ایسے بے رغبت کام کو کیوں منع کریں؟ (یعنی جب اس میں کوئی فائدہ نہیں تو کوئی عقلمند اس کو اختیار بھی نہیں کرے گا، تو اس کو ممنوع قرار دینے کا کوئی فائدہ بھی نہیں، اس لئے مختلف الاجناس زر کو ایک دوسرے کے ساتھ مبادلہ اور ایک درھم کو درھم کے مقابلہ میں یا دینار کو دینار کے مقابلہ میں خرید و فروخت کے معاملہ کو جائز قرار دیا۔''(۱)

امام غزالیؒ کے اس جواب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ یہ صورت بھی گویا اصل قاعدہ اور ضابطہ سے مستثنیٰ

---

(۱) احیاء علوم الدین (۹۲/۴)

نہیں، بلکہ اس میں بھی پیش نظر زر کے ''ذریعہ'' بننے میں سہولت پیدا کرنی ہے۔

مفتی مصر محمد خاطر اپنے مقالہ (۱) میں زر اور دیگر اشیاء میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زر کو زمین وغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں، اور نہ ہی یہ قیاس احکام شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے مطابق ہے، کیونکہ زر ''اثمان'' ہے، اور اثمان کو کرایہ پر دینا اور ان کا کرایہ لینا درست نہیں، اس لئے کہ اجارہ عقدِ منفعت کا نام ہے، جسمیں منفعت حاصل کرنے کے بعد عین کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، (جبکہ زر میں یہ بات ممکن نہیں۔) چنانچہ علامہ کاسانیؒ اپنی کتاب ''البدائع'' میں فرماتے ہیں:

''ولایجوز اجارة الدراهم والدنانير ولاتبرهما لانه لایمكن الانتفاع بها الابعد استهلاک اعیانها، والداخل تحت الاجارة هى المنفعة لاالعين''.

''دراھم ودنانیر اور انکے ٹکڑوں کا اجارہ درست نہیں، کیونکہ ان سے اس وقت تک منفعت حاصل نہیں ہوتی، جب تک ان کی ذات خرچ نہ ہو، حالانکہ اجارہ کے تحت منفعت داخل ہوتی ہے، نہ کہ عین''۔

ڈاکٹر حمد مصری اپنی کتاب میں (۲) اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں بیان فرماتے ہیں:

''زمین کو کرایہ پر دینے اور زر کو کرایہ پر دینے میں فرق واضح ہے، (اور دونوں میں دو قسم کا فرق ہے) زمین کو کرایہ پر دینے میں عین باقی رہتا ہے، اور مستاجر صرف منفعت حاصل کرتا ہے، اور شرعاً اجارہ کی حقیقت یہی ہے، (جبکہ زر میں یہ بات ممکن ہی نہیں) نیز اجارہ میں شئی کا ضمان موجر (Lessor) پر ہوتا ہے، نہ کہ مستاجر (Lessee) پر، جبکہ زر میں شرعاً ضمان مقروض پر ہوتا ہے، نہ کہ مقرض پر۔''

(۱) جهاد فى رفع بلوى الربا،الشيخ (محمد خاطر محمد الشيخ)مصر ،مطابع الاهرام التجارية (۱/۲۴).

(۲) الربا خطره وسبيل الخلاص منه الحماد(الدكتور حمد بن حماد عبد العزيز الحماد ، مصر، مطبعة المدنى طبع اول ۱۴۰۴ هج (ص۲۸)

خلاصہء بحث:

زر(Money)اور شئ(Commodity)میں فرق ہے،اور یہ فرق بیشتر ماہرین معاشیات کو بھی تسلیم ہے،اور اہل اسلام تو اس پر متفق ہیں،اس لئے زر کی طبیعت(Nature) دیگر اشیاء سے مختلف ہوگی،اور دونوں کے ساتھ الگ الگ معاملہ ہوگا،اور دونوں کے احکام الگ الگ ہوں گے،اور ہر ایک کو اس کا صحیح مقام دیا جائے گا،لھذا زر صرف آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوگا،اور یہ محلِ تجارت نہیں ہوگا،محل تجارت صرف اشیاء ہوں گی،زر کو محلِ تجارت قرار دینا زر کے ساتھ ظلم ہے،اور نظام کو درھم برھم کرنے کے مترادف ہے۔

زر کی قسمیں:

زر کی مختلف حیثیتوں سے مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں، زر کی قسموں کا چونکہ زر کے ارتقاء اور مختلف نظامہائے زر سے گہرا تعلق ہے، اس لئے زر کی اقسام پر تفصیلی روشنی عنوان ''زر کا ارتقاء اور مختلف نظامہائے زر'' کے تحت ان شاءاللہ تعالیٰ ڈالی جائے گی۔

یہاں اتنی بات سمجھنی ضروری ہے کہ فقہی احکام کے لحاظ سے زر کی دو اہم قسمیں ہیں:(۱)

۱............ثمن خلقی

۲............ثمن عرفی یا اصطلاحی

ثمن خلقی وہ ثمن یا زر ہے، جس کا ثمن یا زر ہونا عرف یا تعامل پر موقوف نہ ہو، اور نہ ہی اس کی ثمنیت یا زر ہونا عرف اور اصطلاح کی وجہ سے ہو، بلکہ اس کا ثمن ہونا طبعی اور خلقی طور پر ہو، گویا اسکی تخلیق (Creation) ہی ثمن ہونے کے لئے ہوئی ہے۔ جیسا کہ سونا چاندی، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں۔

ثمن خلقی صرف سونا یا چاندی ہے، سونے اور چاندی کے علاوہ اور کوئی چیز ثمن خلقی

---

(۱) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، میمن اسلامک پبلشرز طبع اول ۱۹۹۳ء

_____ تطور النقود فی ضوء الاسلامیة، الحسنی (احمد حسن احمد الحسنی) جده، دار المدنی، طبع اول، ص ۵۳

اسی کتاب میں شاہ ولی اللہؒ کی معروف کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے حوالہ سے مذکور ہے:

''وکان الالیق من بینھا ___ ای المعادن ___ الذھب والفضة لصغر حجمھما وتماثل افرادھما وعظم نفعھما فی بدن الانسان ولتأتی التجمل بھما فکانا نقدین بالطبع وکان غیرھما نقدا بالاصطلاح.'' (ص ۵۳)

_____ مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھج:

''حتی ان کثیرا من الفقهاء یقولون: ان الذھب والفضة ھما اثمان بحکم الخلقة ای ان الله تعالی خلقھما لیکونا اثمانا.'' (۱۷۰۱)

_____ جدید فقهی مباحث، قاسمی (مولانا مجاهد الاسلام قاسمی) کراچی، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، (۲/۱۱۷، ۱۶۹)

نہیں، سونے اور چاندی کے علاوہ جو بھی چیز زر کے طور پر استعمال ہوتی ہے، یا کسی زمانہ میں استعمال ہوئی ہے، وہ ثمن عرفی یا ثمن اصطلاحی ہی ہے، لھذا:

ثمن عرفی یا اصطلاحی وہ زر یا ثمن ہے، جس میں ثمنیت لوگوں کی باہمی تعامل اور عرف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، اگر عرف یا رواج نہ ہوتا، تو وہ شئی ثمن نہ ہوتی، جیسا کہ آج کل کی کاغذی نوٹ یا کرنسی وغیرہ۔

ایک اہم فائدہ:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سونا چاندی معدنیات میں سے ہیں، اسی وجہ سے ان دونوں کو ''حجرین'' یعنی پتھر کہا جاتا ہے، تو معدنیات تو اور بھی ہیں، اور بعض ان میں سے نہایت قیمتی بھی ہیں، تو معدنیات میں سے صرف سونے اور چاندی کو کیوں ثمن خلقی کہا گیا، یا ثمن خلقی کے طور پر استعمال کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں اللہ تعالی نے کچھ ایسی صفات اور خاصیات رکھی ہیں، جو بیک وقت دوسرے دھاتوں یا معادن میں موجود نہیں، بلکہ دوسرے معادن ان سے محروم ہیں، خواہ کتنے ہی قیمتی معادن ہی کیوں نہ ہوں، اور ان میں سے بعض صفات اور خاصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ دونوں پتھر آسانی سے پگھلتے ہیں، اور آسانی سے ان کو کوٹا جاسکتا ہے۔

۲۔ سونا چاندی بآسانی الگ الگ کی جاسکتی ہے، اور دوبارہ بآسانی ملایا جاسکتی ہے۔

۳۔ سونے یا چاندی سے کوئی بھی شکل آسانی سے بن سکتی ہے۔

۴۔ سونا یا چاندی میں کبھی بدبو پیدا نہیں ہوتی، اور نہ اس کے ذائقہ میں فرق آتا ہے۔

۵۔ جتنے عرصہ تک بھی یہ دونوں پتھر زمین میں مدفون رہیں، تو اس سے ان میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۶۔ سونے یا چاندی کو اللہ تعالی نے ایسی ھیئت اور علامات سے نوازا ہے کہ ان میں کھوٹ وغیرہ کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔

۷۔ ان دونوں کا حجم چھوٹا ہوتا ہے۔

۸۔ یہ دونوں انسان کو وہ زینت وجمال بخشتا ہے، جو دوسرا پتھر نہیں بخش سکتا ہے۔

۹۔ دوسرے معادن کی نسبت سونے اور چاندی کی پیداوار بہت کم ہے۔

۱۰۔ ان کے افراد میں مماثلت پائی جاتی ہے۔(۱)

یہ وہ صفات ہیں جو بیک وقت کسی اور دھات میں موجود نہیں، اس لئے ثمن خلقی ہونے کا شرف ان دو پتھروں ہی کو حاصل ہوا۔

زر اور مال میں فرق:

زر"Money"اور مال"Wealth"میں فرق کے سلسلہ میں آسان تعبیر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ''زر'' مال کی ایک قسم ہے، یعنی مال عام ہے، اور زر خاص ہے، جس کی حیثیت مال کے مقابلہ میں محض ایک قسم کی ہے، کیوں کہ مال کی تعریف علامہ ابن نجیم نے یہ فرمائی ہے:

''المال کل مایتملکه الناس من نقد وعروض وحیوان وغیر ذلک الخ''

''مال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے لوگ مالک ہوں، خواہ وہ زر ہو، یا سامان ہو، یا جانور ہو، یا کوئی اور چیز ہو۔''(۲)

اور ابن منظور نے ''مال'' کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''المال ماملکته من جمیع الاشیاء''

''مال ان تمام اشیاء کا نام ہے، جن کا تو مالک ہے۔''(۳)

---

(۱) مقدمة فی النقود والبنوک، الشافعی (الدکتور محمد زکی الشافعی) بیروت، ، دارالنهضة العربیة ، طبع هفتم (ص ۳۴)

______ تطور النقود ص۵۳

(۲) البحر الرائق شرح کنز الدقائق ،ابن نجیم (علامه زین الدین بن ابراهیم بن محمد المعروف بابن نجیم الموفی ۹۷۰ هج) ، بیروت ، دارالکتب العلمیة ، طبع اول ۱۴۱۸هج

(۳) لسان العرب ،ابن منظور (علامه ابن منظورالمتوفی ۷۱۱هج) بیروت، داراحیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۰۸هج (۲۲۳/۱۳)

______ ردالمحتار الشامی (محمد امین بن عابدین الشامی م ۱۲۵۲هج) مطبع مذکوره ، طبع اول ۱۴۱۹هج ، (۲۰۶/۳)

______ اقتصادیات النقود، متولی ،(الدکتور ابوبکر الصدیق عمر متولی)، قاهره، مکتبه وهبه ، طبع اول ۱۴۰۳هج (ص ۱۳)

زر اور کرنسی میں فرق:

زر کی تعریف گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے، کہ جو ذریعہ مبادلہ ہو، قدر کا پیمانہ ہو، اور مالیت کے تحفظ کا وسیلہ ہو، مگر یہ ضروری نہیں کہ قانونی طور پر بھی اسکو جبری آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو، مثلاً چیک یا انعامی بانڈز پر مذکورہ تعریف صادق آتی ہے، لھذا یہ زر تو ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنے کسی دین یا قرضہ میں چیک قبول کرنے یا بانڈ قبول کرنے سے انکار کرے، تو اس کو اس پر قانوناً مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اور کرنسی وہ زر ہے کہ جس کو کسی خاص ملک میں قانونی طور پر آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو، جسے روپیہ، اگر کوئی شخص روپیہ میں ادائیگی کرے، تو قانوناً اسے لینے پر مجبور کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ زر عام ہے، اور کرنسی خاص ہے، مال اور زر کے مقابلہ میں زر خاص اور مال عام تھا، اوز رراور کرنسی کے مقابلہ میں زر عام اور کرنسی خاص ہے۔

کرنسی کی دو قسمیں: کرنسی کی دو قسمیں ہیں: ایک ایسی کرنسی جس میں ایک خاص حد تک قانوناً ادیئگی کی جاسکتی ہے، اس سے زائد مقدار دی جائے گی تو قانوناً اسے لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، جسے چونی، اس کو ''محدود زر قانونی''(Limited Legal Tender) کہتے ہیں، دوسری قسم جس میں قانوناً ادائیگی کی کوئی حد مقرر نہ ہو، اس کو ''غیر محدود زر قانونی''(Unlimited Legal Tender) کہتے ہیں، جیسے دھات کا روپیہ وغیرہ(۱)

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت وتجارت (مفتی محمد تقی عثمانی)، کراچی۴، ادارۃ المعارف، طبع اول ۱۴۱۵ھ (ص ۹۵)

مراجع اضافیہ:

Introduction to Economic Principles by Dr.A.N, Agarawa ، , P315

معاشیات، حبیب الرحمٰن مکتبہ فریدی اردو کالج اسپتال روڈ طبع اول ۱۹۵۳ء۔۔۔

معاشیات،، پروفیسر محمد منظور علی لاہور، علمی کتب خانہ ، حصہ دوم ص ۱۲۷۔۔۔

معاشیات کے ابتدائی اصول، لاہور قومی کتب خانہ، طبع سوم ۱۹۵۴، ص ۲۶۴

زر اور بنکداری، شیخ عطاء اللہ، لاہور ، کشمیر بازار طبع اول ۱۹۵۴ ص ۴۴

تطور النقود فی ضوء الشريعة الاسلامية ص ٦٦ ، الدكتور احمد حسن احمد الحسنی

زر کا ارتقاء (Evolution) اور مختلف نظامہائے زر:

۱............زمانہ قدیم میں لوگ اشیاء کا تبادلہ اشیاء (Barter) کے ذریعہ کرتے تھے، یعنی ایک چیز دے کر اس کے بدلہ میں دوسری چیز لیتے تھے، لیکن اس طرح کے تبادلہ میں بہت سے نقائص اور مشکلات تھیں، اور ہر جگہ ہر وقت اس طریقہ پر عمل کرنا دشوار ہوتا تھا، اس لئے آہستہ آہستہ لوگوں نے یہ طریقہ ترک کر دیا۔

۲............اس کے بعد ایک اور نظام رائج ہوا، جس کو "زر بضاعتی کا نظام" (Commodity Money System) کہا جاتا ہے، اس نظام میں لوگوں نے مخصوص اشیاء کو بطور ثمن کے تبادلے کا ذریعہ بنایا، اور عام طور پر ایسی اشیاء کو تبادلہ کا ذریعہ بناتے، جو کثیر الاستعمال ہوتی تھیں، مثلاً کبھی اناج اور گندم کو ذریعہ تبادلہ بنایا، اور کبھی نمک اور چمڑے کو اور کبھی لوہے وغیرہ کو تبادلہ کو ذریعہ بنایا۔

۳............مگر ان اشیاء کو تبادلہ میں استعمال کرنے میں نقل وحمل کی بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں، اس لئے آہستہ آہستہ لوگ اس طریقہ سے اکتا گئے، اور جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی، اور لوگوں کی ضروریات میں اضافہ ہونے لگا، اور تبادلہ بھی پہلے کے مقابلہ میں زیادہ ہونے لگا، تو لوگوں نے سوچا کہ تبادلہ کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے، اس میں بہت سی مشکلات ہیں، لھذا تبادلہ کا کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہیئے جس میں نقل وحمل کم سے کم ہو اور اس پر لوگوں کا اعتماد بھی زیادہ ہو، چنانچہ اس مرحلہ پر لوگوں نے سونے اور چاندی کو ذریعہ تبادلہ بنایا، حتی کہ ان دونوں دھاتوں نے اشیاء کی قیمتوں کے لئے ایک پیمانہ کی حیثیت اختیار کر لی، اور تمام ممالک اور شہروں میں لوگ ان دھاتوں پر اعتماد کرنے لگے، اس نظام کو "نظام زر معدنی" (Metalic Money System) کہا جاتا ہے۔

اس تیسرے نظام پر بہت سے تغیرات اور انقلابات گزرے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

﴿۱﴾ ابتدا میں لوگ ایسے سونے چاندی کو بطور کرنسی کے استعمال کرتے جو سائز، ضخامت، وزن اور صفائی کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا، کوئی سونا ٹکڑے کی شکل میں ہوتا تھا، کوئی ڈھلے ہونے برتن اور زیور کی شکل میں ہوتا تھا، لیکن تبادلہ کے وقت صرف وزن کا اعتبار کیا جاتا تھا۔

﴿۲﴾ اس کے بعد ڈھلے ہوئے سکوں کا رواج شروع ہوگیا، بعض شہروں میں سونے کے ڈھلے ہوئے سکے، اور بعض شہروں میں چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے رواج پاتے گئے، جو ضخامت، وزن اور خالص

سونے کے اعتبار سے مساوی ہوتے تھے، اور جن پر دونوں طرف مہر ثبت ہوتی تھی، جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ سکے درست اور تبادلہ کے قابل ہیں، اور اس سکے کی ظاہری قیمت (Face value) جو اس پر لکھی ہوئی ہوتی تھی، وہ اس سونے اور چاندی کی حقیقی قیمت (Gold or Silver Contents) کے برابر ہوتی تھی، گویا کہ سکے کی شکل میں ڈھلے ہوئے سونے کی قیمت اس ڈلی کے برابر ہوتی تھی، جو سکے کے ہم وزن ہو، اس نظام کو "معیاری قاعدہ زر" (Gold Specie Standard) کہا جاتا ہے، اس نظام کو سب سے پہلے چینیوں نے ساتویں عیسوی قبل مسیح رائج کیا تھا۔

اس نظام کے اندر لوگوں کو یہ آزادی تھی، وہ چاہیں آپس میں لین دین کے لئے سکے استعمال کریں، یا سونے کے ٹکڑے یا سونے کے ڈھلے ہوئے زیورات وغیرہ استعمال کریں، اور ملک سے باہر برآمد ودرآمد کی بھی عام اجازت تھی۔

اور حکومت کی طرف سے یہ عام اجازت تھی کہ جو شخص بھی جس مقدار میں سکے ڈھلوانا چاہے، وہ ڈھال کردے گی، چنانچہ لوگ حکومت کے پاس سونے کے ٹکڑے اور سونے کی ڈھلی ہوئی دوسری اشیاء لاتے، اور حکومت ان کو سکے بنا کر واپس کردیتی، اور اسی طرح اگر کوئی شخص سکے لا کر اس کو پگھلانے کے لئے کہتا تو حکومت ان سکوں کو پگھلا کر ٹکڑے کی شکل میں اس شخص کو واپس کردیتی۔

﴿۳﴾ بعض ممالک نے بجائے ایک دھات کے دو دھات یعنی سونے چاندی دونوں کے سکوں کو بطور کرنسی کے رائج کیا، اور ان دونوں کے آپس کے تبادلہ کے لئے ایک خاص قیمت مقرر کردی، اور سونے کو بڑی کرنسی کے طور پر اور چاندی کو چھوٹی کرنسی کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، اس نظام کو "دو دھاتی نظام" (Bi_Metallism) کہا جاتا ہے۔

لیکن اس نظام میں دوسری مشکلات پیدا ہوگئیں، وہ یہ کہ سونے اور چاندی کے سکوں میں آپس میں تبادلہ کے لئے جو قیمت مقرر کی گئی تھی وہ مختلف شہروں میں مختلف ہوجاتی تھی جس کی بناء پر لوگ کرنسی کی تجارت میں دلچسپی لینے لگے، مثلاً امریکہ میں ایک سونے کے سکے کی قیمت پندرہ چاندی کے سکے ہوتی، لیکن بالکل اس وقت میں یورپ میں ایک سونے کے سکے کی قیمت چاندی کے ساڑھے پندرہ سکے کے برابر ہوتی، اس صورت حال میں تاجر امریکہ سے سونے کے سکے جمع کر کے یورپ میں فروخت کردیتے تاکہ وہاں سے ان کو زیادہ چاندی حاصل ہوجائے اور پھر وہ چاندی کے سکے امریکہ لا کر ان کو سونے کے سکوں میں تبدیل کر

دیتے اور پھر یہ سونے کے سکے دوبارہ جاکر یورپ میں فروخت کردیتے اور اس کے بدلے چاندی لے آتے، لیکن اس تجارت کے نتیجے میں امریکہ کا سونا مسلسل یورپ منتقل ہوتا رہا، گویا کہ چاندی کے سکوں نے سونے کے سکوں کو امریکہ سے باہر نکال دیا، پھر جب ۱۸۳۴ء میں امریکہ نے سونے اور چاندی کے سکوں کے درمیان اس تناسب کو بدل دیا اور سونے کے ایک سکے کو چاندی کے سولہ سکوں کے مساوی قرار دے دیۓ، تو معاملہ پہلی صورت کے برعکس ہوگیا، اب سونے کے سکے امریکہ میں منتقل ہونے شروع ہوگئے اور چاندی کے سکے یورپ منتقل ہونے لگے، گویا کہ سونے کے سکوں نے چاندی کے سکوں کو امریکہ سے نکال دیا۔

﴿۴﴾ سکے چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے اگرچہ سامان اور اسباب کے مقابلے میں ان کی نقل وحمل آسان ہے، لیکن دوسری طرف ان کو چوری کرنا بھی آسان ہے، اسلیئے مالداروں کے لئے ان سکوں کی بہت بڑی مقدرا کو ذخیرہ کر کے گھر میں رکھنا مشکل ہوگیا، چنانچہ وہ لوگ ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو سناروں اور صرافوں (Money Changers) کے پاس بطور امانت کے رکھوانے لگے، اور وہ سنار اور صراف ان سکوں کو اپنے پاس رکھتے وقت ان امانت رکھنے والوں کو بطور وثیقہ کے ایک کاغذ یا رسید (Receipt) جاری کردیتے، آہستہ آہستہ جب لوگوں کو ان سناروں پر اعتماد زیادہ ہوگیا تو یہی رسیدیں، جو ان سناروں نے امانت قبول کرتے وقت بطور دستاویز جاری کی تھیں، بیع وشراء میں بطور ثمن کے استعمال ہونے لگیں، لھذا ایک خریدار دکاندار کو خریداری کے وقت بجائے نقد سکے ادا کرنے کے انہی رسیدوں میں سے ایک رسید اس کو دے دیتا اور دوکاندار ان سناروں پر اعتماد کی بنیاد پر اس رسید کو قبول کرلیتا۔

اس مرحلہ سے کاغذی نوٹ کی ابتدا ہوتی ہے، لیکن ابتدا میں نہ اس کی کوئی خاص شکل وصورت تھی اور نہ ان کی کوئی ایسی قانونی حیثیت تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے، بلکہ اس کے قبول اور رد کرنے کا دارومدار اس بات پر تھا کہ اسے قبول کرنے والا اس کے جاری کرنے والے سنار پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے۔

﴿۵﴾ جب ۱۷۰۰ء کے اوائل میں بازاروں میں ان رسیدوں کا رواج زیادہ ہوگیا، تو ان رسیدوں نے ترقی کر کے ایک باضابطہ صورت اختیار کرلی، جسے بنک نوٹ کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے سویڈن کے اسٹاک ہوم بینک نے اسے بطور کاغذی نوٹ کے جاری کیا۔

اس وقت جاری کرنے والے بنک کے پاس ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا

سونا موجود ہوتا تھا، اور بنک یہ التزام کرتا تھا کہ وہ صرف اتنی مقدار میں نوٹ جاری کرے، جتنی مقدار میں اس کے پاس سونا موجود ہے اور اس کاغذی نوٹ کے حامل کو اختیار تھا کہ وہ جس وقت چاہے بنک جا کر اس کے بدلے میں سونے کی سلاخ حاصل کر لے، اسی وجہ سے اس نظام کو ''سونے کی سلاخوں کا معیار'' (Gold Bullion Standard) کہا جاتا ہے۔

﴿۶﴾ ۱۸۳۳ء میں جب ''بنک نوٹ'' کا رواج بہت زیادہ ہونے لگا، تو حکومت نے اس کو ''زر قانونی'' (Legal Tender) قرار دے دیا، اور ہر قرض لینے والے پر یہ لازم کر دیا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے میں اس نوٹ کو بھی اسی طرح ضرور قبول کریگا، جس طرح اس کے لئے سونے چاندی کے سکے قبول کرنا لازم ہے، اس کے بعد پھر تجارتی بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے روک دیا گیا، اور صرف حکومت کے ماتحت چلنے والے مرکزی بنک کو اس کے جاری کرنے کی اجازت دی گئی۔

﴿۷﴾ پھر حکومتوں کو زمانہ جنگ اور امن کے دوران آمدنی کی کمی کی وجہ سے ترقیاتی منصوبوں کی

مال	:	زر	::	زر	:	کرنسی
عام	:	خاص	::	عام	:	خاص

تکمیل میں بہت سی مشکلات پیش آنے لگیں، چنانچہ حکومت مجبور ہوئی کہ وہ کاغذی نوٹوں کی بہت بڑی مقدار جاری کر دے، جو سونے کی موجودہ مقدار کے تناسب سے زیادہ ہو، تاکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اسے استعمال کرے، اس کے نتیجے میں سونے کی وہ مقدار جو ان جاری شدہ کاغذی نوٹوں کی پشت پر تھی وہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگی، حتی کہ ابتداء میں ان نوٹوں اور سونے کے درمیان جو سو فیصد تناسب تھا، وہ گھٹتے گھٹتے معمولی تناسب رہ گیا، اس لئے کہ ان نوٹوں کو جاری کرنے والے مرکزی بنک کو اس بات کا یقین تھا، کہ ان تمام جاری شدہ نوٹوں کو ایک ہی وقت میں سونے سے تبدیل کرنے کا مطالبہ ہم سے نہیں کیا جائے گا، اس لئے سونے کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کرنے میں کوئی حرج نہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ مقدار میں نوٹ جاری کرنے کے نتیجے میں بازار میں ایسے نوٹ رائج ہو گئے، جن کو سونے کی پشت پناہی حاصل نہیں تھی، لیکن تجار ایسے نوٹوں کو اس بھروسہ پر قبول کرتے تھے کہ ان نوٹوں کے جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ وہ تبدیلی کے مطالبہ کو پورا کر دے گا، اگرچہ اس کے پاس موجود سونے کی مقدار اس کے جاری کردہ نوٹوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، ایسے کرنسی نوٹوں کو ''زر اعتباری''

(Fiduciary Money) کہا جاتا ہے۔

دوسری طرف آمدنی کی مذکورہ بالا کمی اور زیادہ روپے کی ضرورت ہی کی بنیاد پر حکومتیں جواب تک معدنی سکوں کے ساتھ معاملات کرتی آئی تھیں، اس بات پر مجبور ہوئیں، کہ وہ یا تو سکوں میں دھات کی جتنی مقدار استعمال ہو رہی ہے اس کو کم کردے یا ہر سکے میں اصلی دھات کے بجائے ناقص دھات استعمال کریں، چنانچہ اس عمل کے نتیجے میں سکے کی ظاہری قیمت (Face Value) جو اس پر درج تھی، اس سکے کی اصلی قیمت (Intinsic Value) سے کئی گنا زیادہ ہوئی، ایسے سکوں کو ''علامتی زر'' (Token Money) کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس سکے کی معدنی اصلیت اس کی اس ظاہری قیمت کی محض علامت ہوتی ہے جو کبھی اس کی ذاتی قیمت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی کیا کرتی تھی۔

﴿۸﴾ رفتہ رفتہ زر اعتباری کا رواج بڑھتے بڑھتے اتنا زیادہ ہوگیا کہ ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد میں موجود سونے کی مقدار کے مقابلے میں کئے گناہ زیادہ ہوگئی، یہاں تک کہ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہوگیا کہ سونے کی موجودہ مقدار کے ذریعہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ بعض شہروں میں حقیقۃ یہ واقعہ پیش آیا کہ مرکزی بینک نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہ کرسکا۔

اس وقت بہت سے ملکوں نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے والوں پر بہت سے کڑی شرطیں لگادیں، انگلینڈ نے تو ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد اس تبدیلی کو بالکل بند کردیا، البتہ ۱۹۲۵ء میں دوبارہ تبدیلی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ایک ہزار سات سو پونڈ سے کم کی مقدار کو کوئی شخص تبدیل کرانے کا مطالبہ نہیں کرسکتا، چنانچہ اس شرط کے نتیجے میں عام لوگ تو اپنے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرنے سے محروم ہوئے، اس لئے کہ اس زمانے میں یہ مقدار اتنی زیادہ تھی کہ بہت کم لوگ اتنی مقدار کے مالک ہوتے تھے، لیکن اس قانون کی انہوں نے اس لئے کوئی خاص پرواہ نہیں کی کہ یہ کاغذی نوٹ زر قانونی رہ گئے اور ملکی معاملات میں بالکل اسی طرح قبول کئے جاتے تھے جس طرح اصلی کرنسی قبول کی جاتی تھی اور اس کے ذریعہ اندرون ملک تجارت کرکے اس طرح نفع حاصل کیا جاسکتا تھا جس طرح دھاتی کرنسی کے ذریعہ تجارت کرکے نفع حاصل کیا جاتا تھا۔

﴿۹﴾ پھر ۱۹۳۱ء میں برطانوی حکومت نے ان نوٹوں کو سونے سے تبدیل کرانے کی بالکل ممانعت

کردی، حتی کہ اس شخص کے لئے بھی جو سترہ سو پونڈ کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کرے، اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ سونے کے بجائے صرف ان نوٹوں پر اکتفا کریں اور اپنے تمام کاروبار اور معاملات میں اسی کا لین دین کریں، لیکن حکومتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے حق کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے قانون کو برقرار رکھا، چنانچہ اندرون ملک اگرچہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی ممانعت تھی لیکن ہر حکومت نے یہ التزام کیا تھا کہ اگر اس کی کرنسی دوسرے ملک میں چلی گئی اور دوسری حکومت اس کرنسی کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کرے گی، تو یہ حکومت اپنے کرنسی نوٹوں کے بدلے میں اس کو سونا فراہم کرے گی، مثلاً اگر امریکہ کے پاس برطانیہ کے اسٹرلنگ پونڈ آئے اور وہ اب ان کے بدلے میں برطانیہ سے سونے کا مطالبہ کرے، تو برطانیہ پر لازم ہے کہ وہ ان کے بدلے میں امریکہ کو سونا فراہم کرے، اس کو ''سونے کی مبادلت کا معیار'' (Gold Exchange Standard) کہا جاتا ہے۔

﴿۱۰﴾ اسی اصول پر سالہا سال تک عمل ہوتا رہا حتی کہ جب ریاستہائے متحدہ امریکہ کو ڈالر کی قیمت میں کمی کے باعث سخت بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۹۷۱ء میں سونے کی بہت قلت ہوگئی تو امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ دوسری حکومتوں کے لئے بھی ڈالر کو سونے میں تبدیل کرنے کا قانون ختم کردے، چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء کو اس نے یہ قانون نافذ کردیا اور اس طرح کاغذی نوٹ کو سونے سے مستحکم رکھنے کی جو آخری شکل تھی وہ بھی اس قانون کے بعد ختم ہوئی، اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں بین الاقوامی مالی فنڈ (International Monetary Fund) سونے کے بدل کے طور پر ایک ''زرمبادلہ نکلوانے کے حق'' (Special Drawing Rights) کا نظریہ پیش کیا، اس نظریہ کا حاصل یہ تھا کہ بین الاقوامی مالی فنڈ کے ممبران کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لئے نکلوا سکتے ہیں اور مقدار کے تعین کے لئے ۰٫۸۸۸۶۷ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعہ خریدا جاسکتا ہو اتنی کرنسی ایک ملک نکلوا سکتا ہے، لھذا اب صورتحال یہ ہے کہ زرمبادلہ نکلوانے کا یہ حق جسے اختصار کے لئے (S.D.R) کہا جاتا ہے، سونے کی پشت پناہی کا مکمل بدل بن چکا ہے۔

اس طرح اب سونا کرنسی کے دائرہ سے بالکل خارج ہوچکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا اور نوٹوں اور زر علامتی نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے، اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی

کرتے ہیں، نہ چاندی کی، بلکہ ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن چونکہ کرنسی کے اس نظام میں ایک مستقل اور ابدی نظام کی طرح اب تک مضبوطی اور جماد پیدا نہیں ہوا، اسلئے کہ تقریبا تمام ممالک میں اس بات کی تحریک چل رہی ہے کہ پہلے کی طرح پھر سونے کو مالی نظام کی بنیاد مقرر کی جائے، یہاں تک کہ دوبارہ سونے کی سلاخوں کے نظام کی طرف لوٹنے کی آوازیں لگنے لگی ہیں، اسلئے دنیا کے تمام ممالک اب بھی اپنے آپ کو سونے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ ہر ملک اب بھی احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور انقلابات میں یہ سونا کام آئے، لیکن سونے کی بڑی سے بڑی مقدار کا یہ ذخیرہ صرف ایک احتیاطی تدبیر کے طور پر ہے، اس کا موجودہ دور میں رائج کرنسی سے کوئی قانونی تعلق نہیں ہے، خواہ وہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ہو یا دھاتی سکوں کی شکل میں۔(۱)

سہولت، اور آسانی کے پیش نظر زر کے ارتقاء کا خلاصہ پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیں!

(۱) احکام الاوراق النقدیة ، العثمانی (القاضی المتی محمد تقی العثمانی) ، کراتشی ،مکتبه دارالعلوم، طبع اول ۱۴۰۹ ھج ص ۳

ـــــــــایضا کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم ص۷

ـــــــــمقدمة فی النقود والبنوک ص۸، الدکتور محمد زکی شافعی

ـــــــــتطور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیه ص۱۹ ، الدکتور احمد حسن احمد الحسنی

ـــــــــتعارف زروبنکاری ، ص۱۵ ، شیخ مبارک علی

ـــــــــایضا کتاب معاشیات حصه دوم ص۱۱۳

ـــــــــ المعاملات المالیة المعاصرة فی الفقه الاسلامی، الدکتور محمد عثمان شبیر، اردن ، دارالنفائس ، طبع سوم ۱۴۱۹ ھج ،(ص۱۷٦)

ـــــــــاحکام الاوراق النقدیة فی الفقه الاسلامی ص۵۵ ، ستر بن ثواب الجعید

ـــــــــالسیاسیة النقدیة والمصرفیة فی الاسلام ص۶۰، عدنان خالد الترکمانی

Introduction to Economic Principles, by Dr.A.N. Agarawala p: 314

Modren Economic Theory, by K.K Dewett. P: 416

ارتقاءِ زر کے تدریجی مراحل ایک نظر میں:

پہلا مرحلہ : شئی کا تبادلہ شئی سے، اسکو "مقائضہ" (Barter) کہتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ : مخصوص اجناس کو بطور "ثمن" قرار دیا گیا ، اس کو "زر بضاعتی کا نظام" (Commmodity Money System) کہتے ہیں۔

تیسرا مرحلہ: اس مرحلہ میں سونے چاندی کو ثمن قرار دیا گیا، اسکو "نظامِ زر معدنی" (Matalic Money System) کہتے ہیں۔

تیسرے مرحلہ کے دس انقلابات:

۱۔ کوئی خاص سکہ نہیں تھا، سونے چاندی کی مختلف شکلوں میں تبادلہ کے وقت صرف وزن کا اعتبار ہوتا تھا۔

۲۔ مہر لگے ہوئے کہیں سونے اور کہیں چاندی کے سکے رائج ہو گئے، جن کی ظاہری قیمت (Face Value) حقیقی قیمت (Gold or Silver content) کے مساوی ہوتی تھی۔ اسکو "معیاری قاعدہ زر" (Gold specie standard) کہتے ہیں۔

۳۔ ایک ملک میں سونے چاندی دونوں کے سکے بطور کرنسی کے رائج ہو گئے، اور ان کے آپس میں تبادلہ کے لئے ایک خاص قیمت مقرر کی گئی۔ اس کو "دو دھاتی نظام" (Bi_ Metallism) کہتے ہیں۔

۴۔ حفاظت کے پیش نظر سونے چاندی کو سناروں کے پاس بطور امانت رکھوانے کا دستور شروع ہو گیا، جس کے نتیجے میں مالکان کو رسیدیں (Receipts) جاری ہونے لگیں۔ اور خریداری میں ان رسیدوں کو نمائندگی حاصل ہو گئی۔

۵۔ رسیدوں کے رواج میں تیزی آنے کے بعد "بنکنوٹ" کا رواج شروع ہو گیا۔ یہ کاغذی نوٹ ہے۔ اس میں جاری شدہ نوٹوں کے سو فیصد برابر سونا موجود ہوتا تھا، اور بوقت طلب حامل کو سونے کے سلاخ ملا کرتے تھے، اسلئے اس نظام کو "سونے کے سلاخوں کا معیار" (Gold Bullion Standard) کہتے ہیں۔

۶۔ ۱۸۳۳ء میں بنکنوٹ کو "زر قانونی" (Legal Tender) قرار دیا گیا۔ اس مرحلہ پر صرف حکومتی مرکزی بنک ہی یہ نوٹ جاری کر سکتے تھے۔

۷۔ حکومتی ضروریات کے پیش نظر جاری شدہ نوٹوں کے تناسب سے زیادہ نوٹ جاری ہو گئے۔ ان نوٹوں کو

''زراعتباری''(Fiduciary Money) کہتے ہیں۔اس مرحلہ پر سکوں میں دھات کی مقدار یا اس کی کوالٹی ناقص کی گئی ،جس سے ظاہری قیمت اصلی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوگئی، اور اب اسکو''علامتی زر''(Token Money) کا نام دیا گیا۔

۸۔ زراعتباری کا رواج بڑھنے کی وجہ سے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کو بالکل محدود کر دیا گیا۔

۹۔ ۱۹۳۱ء میں نوٹوں کو عوامی سطح پر سونے میں تبدیل کرنے کی بالکل ممانعت کی گئی ،صرف ممالک کے آپس میں اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔اس نظام کو''سونے کی مبادلت کا معیار''(Gold Exchange Standard) کہتے ہیں۔

۱۰۔ ۱۹۷۱ء میں ممالک کی سطح پر بھی اسکی ممانعت ہوگئی،اور یوں سونا کرنسی کے دائرہ سے بالکل خارج ہوگیا۔گویا کہ ۱۹۷۱ء سے کرنسی کی پشت پر کوئی سونا نہیں رہا۔گواب بھی ہر ملک احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے،لیکن ان ذخائر کا موجودہ کرنسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سکہ سازی کی تاریخ اور مختلف مراحل: زمانہ جاہلیت اور دورِاسلامی کی ابتدائی زمانہ تک زر، خالص ''سلع''(Goods) کی شکل میں تھا،یعنی سکہ نہیں تھا،چنانچہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہرقل کے دنانیر اور فارس کے دراہم بغلیہ اور حمیر یہ اہلِ مکہ کے پاس آتے تھے،لیکن یہ دنانیر اور دراہم ڈلی کی شکل میں ہوتے تھے،جیسا کہ علامہ بلازری نے اس کی تصریح کی ہے:

''كانت دنانير هرقل ترد على اهل مكة فى
الجاهلية وترد عليهم دراهم الفرس البغلية والحميرية
فكانوا لايتبايعون لاعلى انها تبر''

''یعنی جاہلیت کے زمانہ میں اہل مکہ کے پاس ہرقل کے دنانیر
اور فارس کے دراہم بغلیہ اور حمیر یہ آتے تھے،اور یہ لوگ آپس میں
معاملات ڈلی ہی سے کرتے تھے۔''(۱)

(۱) فتوح البلدان، البلاذری، احمد بن یحی البلاذری، القاہرۃ، مكتبة النهضة المصرية، القسم الثالث ص ۵۷۱)

زمانہ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے انہی کرنسیوں کو برقرار رکھا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ کے ساتھ چار سو اسی دراہم کسروی کے ساتھ کیا۔(۱)

اسی طرح زکوۃ، جزیہ اور سارے معاملات میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں انہی کرنسیوں کے مطابق انجام پاتے تھے، آپ نے ان میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل نہیں فرمایا، اور ڈلی کی شکل میں ان کے ساتھ تعامل جاری رکھا، جیسا کہ مشہور حدیث ہے:

"الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلابمثل و الفضة بالفضة وزنا بوزن مثلابمثل ، فمن زاد او استزاد فهوربا.(۲)

"سونا سونے کے مقابلہ برابر سرابر بیچو، اور چاندی چاندی کے مقابلہ میں برابر سرابر بیچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔"

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں رومی اور فارسی زر کے ساتھ ڈلی کی شکل میں معاملات لوگ کرتے تھے۔

یہی صورتحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی رہی، اور ان کرنسیوں میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں بھی یہی حال رہا، اور پہلے سے جاری شدہ کرنسیاں بحال رہیں، البتہ ۱۸ھ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے نقش کسروی کے مطابق دراہم بنائے، جن کو "دراہم بغلیہ" کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ خچر کے سر کی طرح ہوتے تھے، اور جن شہروں میں اس قسم کا کوئی سکہ ڈھلتا، اس شہر کا نام اس پر تحریر کیا جاتا تھا، مثلاً دمشق، بعلبک وغیرہ۔ اور یہ کہنا بظاہر درست ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ اسلامی تاریخ کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی سکہ رائج فرمایا،

(۱) کسروی کسریٰ کی طرف نسبت ہے، اور کسریٰ دو گزرے ہیں، کسریٰ اول، جسے کسریٰ اکبر بھی کہا جاتا ہے، یہ ساسانیالاصل تھا، اور فارس پر ۵۳۱ تا ۵۷۹ تک حکومت کی، دوسرے کسریٰ نے ۵۹۰ تا ۶۲۸ تک فارس پر حکومت کی، اسی کو ہرقل شاہِ روم نے شکست دی تھی، دراہم کسرویہ کسریٰ اول کی طرف منسوب ہیں۔

(۲) اخرجه مسلم ، كتاب المساقاة ، باب الربا.

اگر چہ مورخ بلیر کا موقف یہ ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے طبریہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے قبل سکہ ڈھالا تھا، یعنی ۱۵ھ میں۔

اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ بنے، تو انہوں نے ایسا سکہ بنایا، جس پر "اللہ اکبر" نقش تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں درھم اور فلوس اسلامیہ ڈھالے گئے تھے، اور جب کوفہ اور بصرہ میں زیاد کی ولایت بن گئی، تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے درہم کی طرح درہم بنایا۔

بعد میں یزید، معاویہ دوم، مروان بن حکم نے سکہ سازی میں کوئی دلچسپی نہیں لی، اگر چہ بعض خود مختار حکمرانوں مثلاً قطری بن فجاءۃ الخارجی، عبداللہ بن زبیرؓ اور مصعب بن زبیر نے ۷۰ھ میں سکہ بنایا تھا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے گول درہم بنایا، اور اس سے قبل گول درھم کا رواج نہیں تھا۔

عبدالملک بن مروان (٦٥ تا ٨٦ھ) نے نظام زر کی اصلاح شروع کی، اور ۷۹ھ میں خالص اسلامی سکہ جاری کیا، چنانچہ عبدالملک بن مروان نے یہ سکہ حجاج بن یوسف الثقفی کے پاس بھیجا، اور حجاج نے مختلف اطراف میں پھیلایا، تا کہ اس کے مطابق سکے ڈھالے جائیں۔

عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں باقاعدہ نگران بورڈ تھا جو "دارالضرب" (جہاں سکے بنائے جاتے ہیں) کی نگرانی کرتا تھا، لھذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبدالملک بن مروان تاریخ اسلام میں زر کے "مصلح اول" ہیں۔

عمر بن ھبیرہ والی عراق (یزید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں) خالد بن عبداللہ بجلی (ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں) اور یوسف بن عمر، ان لوگوں نے سکہ کا معیار بہت بڑھایا، اور اس میں بہت سختی کی، اور خالص چاندی کا استعمال شروع ہوا، چنانچہ بنی امیہ کے دور میں ھبیری، خالدی اور یوسفی زر سب سے عمدہ شمار ہوتا تھا، اور منصور تو خراج وغیرہ میں اس کے علاوہ کوئی اور زر قبول بھی نہیں کرتے تھے۔

اس زمانہ میں درہم کو کھوٹ سے سختی کے ساتھ بچایا گیا، اور بہت بڑا جرم قرار دیا گیا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جس نے شاہی سکہ کے خلاف سکہ بنایا تھا، تو انہوں نے اس کو سزا دی اور اس کو جیل میں ڈلوا دیا۔ عبدالملک بن مروان نے ایک آدمی کو اس طرح گرفتار کیا تھا، تو

اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو ویسی سزا دی۔

یہاں تک کہ دورِ عباسی آ گیا، اور یہ دور جب اضطراب اور انتشار کا شکار ہو گیا، اور چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں وجود میں آ گئیں، اس زمانہ میں ملاوٹ اور کھوٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس کی کئی قسمیں بن گئیں:

۱۔ وہ دراہم جن میں تانبے یا پیتل کی نسبت چاندی کا مادہ غالب رہتا تھا، یہ عباسی دور کا ابتدائی زمانہ تھا۔

۲۔ وہ دراہم جن میں چاندی اور کھوٹ دونوں برابر سرابر تھے۔

۳۔ وہ دراہم جن میں چاندی کی نسبت دوسرا مادہ غالب تھا، یہ دراہم ظاہر برقوق کے زمانہ میں وجود میں آئیں، اور ان کو ''حمی زر'' کہا جاتا تھا۔ چنانچہ کتبِ فقہ میں ''دراہم بہرجہ، دراہم ستوقہ'' کی اصطلاح اس قسم کے دراہم کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

چنانچہ ابن مماتی فرماتے ہیں کہ ۳۰۰ھ کے بعد چاندی کم ہوگئی، اور نایاب ہوگئی، اور مصر میں خالص دراہم کی تعداد بہت کم ہوگئی، چنانچہ ان کی جگہ کھوٹ نے لیا، چنانچہ شام میں ایسے دراہم وجود میں آئے کہ ان میں چاندی ایک تہائی (۱/۳) سے بھی کم تھی۔

کہا جاتا ہے کہ عضد الدولہ نے مخلوط دراہم بنائے جن میں تانبا اور سیسہ بھرا ہوا تھا، تو شروع میں تجار نے ان کو لینے سے انکار کیا، صلاح الدین کی حکومت جب وسیع ہوگئی، اور سونا اور چاندی ختم ہوگئی، یعنی ان کا وجود نایاب ہو گیا، تو انہوں نے ایسے دراہم بنائے جن میں چاندی دو تہائی رکھی، اور باقی دوسرا مادہ رکھا گیا۔ اور یہی دراہم مصر اور شام میں بنوایوب میں رائج رہے، اسی طرح پیرس میں ایسے دراہم وجود میں آئے جن میں ستر فیصد چاندی اور باقی دوسرا مادہ ہوتا تھا۔

فلوس کی تاریخ:

کہا جاتا ہے کہ فلوس سے قبل لوگ گندم وغیرہ بطور ثمن استعمال کرتے تھے، اس کے بعد تانبے وغیرہ کے فلوس رائج ہو گئے، اس کے بعد ٹکسال (دار الضراب) میں باقاعدہ گول فلوس بنائے جانے لگے، لیکن ان فلوس کی حیثیت بہت گئی گزری تھی، ان سے معمولی قسم کے معاملات انجام پایا کرتے تھے۔

مراجعتِ کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے عربی فلس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

۷۱ھ میں ''بزنطی'' طرز پر بنایا، یہ فلوس بلاد مصریہ میں پھیل گئے، ان فلوس پر عربی حروف میں ان کا نام بھی درج تھا۔

اس کے بعد ایسے فلوس بنائے گئے، جن پر ڈھالے جانے کی تاریخ اور مقام کا نام بھی درج ہوتا تھا، ان فلوس میں قدیم ترین فلوس ۹۰ھ کے ہیں۔

ابوالفضل حنفی نے خراسان میں فلوس کو خوب رواج دیا، چنانچہ وہ فلوس کے بارے میں کہتے تھے:

''هی فینا بمنزلة الفضة عندهم''

''یعنی فلوس ہمارے نزدیک فلوس کی حیثیت وہی ہے، جو ان کے ہاں چاندی کی ہے۔''

اس زمانہ میں اسی زر سے معاملات ہونے لگیں، اور یکے بعد دیگرے بادشاہ فلوس بناتے رہیں، لیکن ۶۵۰ھ میں لوگوں کے پاس فلوس بہت زیادہ ہوگئے۔

تقریباً ۷۲۰ھ کے لگ بھگ امیر محمود نے قاہرہ میں فلوس ڈھالنے لگے، اور دراہم کو ختم کر دیا، اور فلوس ہی سونے اور دوسرے معاملات کا معیار قرار دیا گیا، اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانہ میں فلوس ہی نے اصل زر کی حیثیت اختیار کی۔

فلوس نے جب اصل زر کی حیثیت اختیار کی، تو ان کے اوزان اور ان کی تحدید بھی کی گئی، چنانچہ ۸۲۸ھ میں بادشاہ نے اعلان کیا کہ فلوس میں ہر رطل بارہ درہم کا برابر ہوگا، اس کے بعد اس کی قیمت زیادہ ہوگئی، اور اعلان کیا گیا کہ ہر رطل ۱۸ درہم کا ہوگا۔(۱)

---

(۱) النقود الائتمانية، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بيروت، دارالعاصمة ۱۴۱۴ھج،
ص ۵۲ تا ۷۰

ـــــــ السياسية النقدية والمصرفية، التركمانى (الدكتور عدنان خالد التركمانى) بيروت،
مؤسسة الرسالة ۱۴۰۹ھج (ص ۶۳)

سکہ بنانے کا حق کس کو حاصل ہے؟

قانوناً تو یہ بات طے شدہ ہے کہ سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، عامۃ الناس سکہ نہیں بنا سکتے، اور اس طرح کرنا بہت بڑا قانونی جرم سمجھا جاتا ہے، اور اس پر تعزیری سزا جاری ہوتی ہے، لیکن شرعاً آیا سکہ بنانے کا اختیار کسی فرد کو حاصل ہے؟ اس سلسلہ میں جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شرعاً بھی سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، کسی فرد کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی ملک کا سکہ بنائے، خواہ وہ سکہ، سکہ سلطانی کے موافق ہو یا اس سے مختلف ہو، اور اگر کسی نے اس طرح حرکت کی، تو یہ فساد فی الارض کے قبیل میں ہوگا، اور ایسا شخص مستحقِ تعزیر ہوگا، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف اپنے طور پر سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کو سزا دی، اس کو جیل میں ڈلوادیا، اور اس کا سکہ جلا دیا۔

اسی طرح حضرت عبدالملک بن مروان نے ایک شخص کو گرفتار کروایا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو دوسری قسم کی سزا دی۔

ڈاکٹر عدنان ترکمانی کہتے ہیں:

وکره ذلک الامام مالک ، وقال: انه من الفساد ولو کان الضرب علی الوفا کما روی عن سعید بن المسیب ان من یضرب النقود من غیر رجال الدولة او السلطة الحاکم یعتبر من الفساد فی الارض .

اس کام کو حضرت امام مالکؒ نے مکروہ قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ یہ از قبیل فساد ہے، اگرچہ اس کے سکہ کی بناوٹ بادشاہ کے سکہ کے موافق ہو۔

اور حضرت سعید بن مسیّبؒ سے روایت ہے کہ حکومت کے علاوہ اگر کسی شخص نے سکہ بنایا، تو یہ فساد فی الارض شمار ہوگا۔

البتہ حضرات حنفیہ کے ہاں اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ سکہ سلطانی کے موافق ہو، اور اس سے اسلام

اور مسلمانوں کو نقصان لاحق نہ ہو۔

لیکن چونکہ اگر یہ اختیار ہر کسی کو حاصل ہو کہ وہ سکہ بنائے، تو اس زمانہ میں اس کا فساد ہونا، اور اس کے معاشی نقصانات بالکل واضح ہیں، اس لئے حنفیہ کا مذہب بھی جمہور کا موافق ہو جائے گا، اور اب یہ سمجھا جائے گا کہ سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، حکومت کے علاوہ کسی بھی فرد کو یہ اختیار حاصل نہیں، خواہ اس کا بنایا ہوا سکہ سکہ سلطانی کے موافق ہو، یا مخالف ہو۔(۱)

(۱) السیاسیة النقدیة والمصرفیة، الترکمانی (الدکتور عدنان خالد الترکمانی) بیروت، مؤسسة الرسالة ۱۴۰۹ھج (ص۶۷)

زر اور اس کے شرعی واقتصادی وظائف:

زر کے وظائف (Functions) سے مراد یہ ہے کہ زر انسانی معاشرہ میں کیا کردار ادا کرتا ہے، اور زر بنی نوع انسان کی کیا خدمات انجام دیتا ہے۔

زر کے وظائف کے سلسلہ میں ہم جب معاشیات کی کتابوں اور علماء وفقہاء کی عبارات کی مراجعت کرتے ہیں، تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ زر کے شرعی اور اقتصادی وظائف تقریباً ایک جیسے ہیں، اس لئے ہم کتب فقہ اور کتب معاشیات کی روشنی میں ان وظائف کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں، البتہ یہ بات یاد رہے کہ ماہرین معاشیات نے ان وظائف کو باقاعدہ عنوانات قائم کر کے ذکر کیا ہے، اور فقہاء کرام نے باقاعدہ عنوانات کی تصریح کے ساتھ ان کو ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ زکوۃ اور سود وغیرہ کے مسائل کے بیان کے ضمن میں ان کی جو عبارات مذکور ہیں، ان سے یہ وظائف بآسانی اخذ کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ آلہ مبادلہ(Medium of Exchange): زر کا اولین فرض یہ ہے کہ یہ آلہ مبادلہ کا کام دیتا ہے، یعنی اشیاء اور خدمات کے خریدنے اور بیچنے کے وقت استعمال ہوتا ہے، اگر زر موجود نہ ہو، تو ہر شخص کو ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی شئی دینی پڑے گی، یعنی اشیاء کا براہ راست اشیاء کے ساتھ تبادلہ کرنا پڑے گا، ایسے نظام کو مقایضہ (Barter) کہا جاتا ہے، اور اس میں کئی مشکلات پیش آتی ہیں، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر ہو چکا ہے، لیکن زر کی بدولت یہ دشواری ختم ہوگئی، اب ہر شخص اپنی چیزیں زر کے عوض فروخت کر دیتا ہے، اور زر کی مدد ہی سے اپنی ضرورت کی اشیاء یا خدمات خرید لیتا ہے، آلہ مبادلہ کی حیثیت سے زر انسانی معاشرہ کے لئے بہت ہی نافع اور مفید ہے، اور اس کے بہت فوائد ہیں، مثلاً صنعتکار خام مال اور مشینری خرید سکتے ہیں، مزدوروں کو اجرتیں ادا کر سکتے ہیں، زر کی مدد سے ہر چھوٹی موٹی چیز خریدی جاسکتی ہے۔

۲۔ معیارِ قدر (Standard of Value): زر "قدر" کی پیمائش کے معیار کا کام دیتا ہے، جسطرح گندم کے وزن کی پیمائش باٹوں سے کی جاتی ہے، کپڑے کے طول وعرض کی میٹر یا گز سے ناپا جاتا ہے، اسی طرح چیزوں کی قدر وقیمت کو زر کے معیار پر ماپا جاتا ہے، اس کی بدولت ہر شخص اپنی اشیاء کی قدر کا اندازہ کر سکتا ہے، مثلاً ریڈیو ایک ہزار روپے کا ہے، کپڑا تیس روپے گز ہے، کتاب سو روپے کی ہے، وغیرہ۔

۳۔ذخیرہ قدر(Store of Value): زرقدر کو جمع کرنے یا ذخیرہ کرنے کے کام آتا ہے، انسان کو دولت جمع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ وہ آئندہ ضرورت پڑنے پر کام آسکے، یہ کام زرانجام دیتا ہے، کیونکہ کوئی اور شئی مثلاً گندم یا بکریاں یہ کام انجام نہیں دے سکتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ چیزیں فنا پذیر ہیں، اور دوم ان کی قیمت گھٹتی ہے، جبکہ زر کی قیمت عام حالات میں عام چیزوں کی طرح بدلتی نہیں رہتی، اور اس کے ضائع ہونے کا احتمال بھی کم ہوتا ہے۔

۴۔آئندہ ادائیگیوں کا معیار(Standard of Deferred Payments):

انسانی معاشرہ میں بعض ایسے باہمی معاملات ہوتے ہیں، جنکی ادائیگی ادھار ہوتی ہے، مثلاً: قرض، ادھار خرید وفروخت یہ مقصد زر کی مدد سے پورا ہوجاتا ہے، کیوں کہ زر کی قدر میں بڑی حد تک استحکام پایا جاتا ہے۔

پروفیسر منظور علی کہتے ہیں:

> ''غرض اگر زر نہ ہو، تو انسان کو اشیاء پیدا کرنے اور تبادلہ کرنے کے لئے قدیم فرسودہ نظام کی جانب لوٹنا پڑے، اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ انسانی تہذیب وتمدن کی ترقی میں حصہ ڈالنے والی ایجادوں میں ''زر'' ایک بہت بڑی ایجاد ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے انسانی تہذیب نے ترقی کے مرحلے تیزی سے طے کئے ہیں۔''(۱)

(۱) کتاب معاشیات حصہ دوم ص ۱۲۰

ــــــــ احکام الاوراق النقدیة للجعید:

''وفیما یلی بین تلک الوظائف:

۱. النقود وسیط للتبادل...

۲. النقود مقیاس للقیمة...

۳. النقود مخزن للقیمة...

۴. النقود وسیلة للمدفوعات المؤجلة...''ص ۶۱۔۶۶

ــــــــ السیاسة النقدیة والمصرفیة فی الاسلام للترکمانی:

''ان للنقود وظیفتین اساسیتین ووظیفتین ثانویتین:

الوظائف الاساسیة للنقود: الوظیفة الاولی: النقود وسیط للتبادل ...الوظیفة الثانیة: النقود کمعیار

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو!)

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ علماء اسلام نے اس بارے میں کیا کہا ہے:

علامہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

''دراھم ودنانیر کو توڑنا عظیم گناہ ہے، کیونکہ یہ اشیاء کی قیمتوں کو اندازہ کرنے کا ذریعہ ہے، اور اموال کی مقدار کی پہچاننے کا راستہ ہے، اور مبادلات میں استعمال ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بعض علماء نے ان کو مقادیر کے اختلاف یا مقادیر کے مجہول ہونے کے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) للقيمة ..الوظائف الثانوية للنقود ، الوظيفة الاولى ثبوت النقود فى الذمة ، الوظيفة الثانية : النقود مستودع للقيمة"ص ٥٣

The Theory of Money and Credit by Ludwing Von Mises

P:41Ch:1

. Modren Econmic Theory by Dewet:

"Money performs five important functions:

1. It is serves as a medium of exchange.
2. It is used as a store of value.
3. It is standard for measuring values.
4. Money serves as a standard for deffered payments.
5. It transfers value."P:412

Introduction to Economic Principles:

" Money performs four main functions :

1/ common medium of exchang

2/ A common measure of value.....

3/ Store of value......

4/ A standard of deffered payments...."P315

وقت اموال کے درمیان ''قاضی'' کہا ہے، (یعنی جب اموال کی مقداریں مختلف

ہوں، یا مجھول ہوں، تو درھم یا دنانیر ہی اس اختلاف اور جہالت کا تصفیہ کرتا ہے

قاضی کی طرح۔''(۱)

اس عبارت میں ابن العربی نے زر کے بنیادی وظائف بیان فرمائے ہیں، کہ زر قیمت کا معیار اور آلہ مبادلہ ہے۔

علامہ ابن الھمامؒ نے بھی زر کو آلہ مبادلہ قرار دیا ہے کہ:

''ان دونوں کی تخلیق ہی اس مقصد کے لئے ہوئی ہے کہ ان کے ذریعہ دیگر

اشیاء حاصل کی جائیں۔۔۔''(۲)

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

''زر کے ذریعہ دیگر اشیاء کی قیمت معلوم کی جاتی ہے۔''(۳)

علامہ ابن القاسم فرماتے ہیں:

''سونا چاندی تمام اشیاء کی قیمتوں کا معیار ہے۔''(۴)

علامہ ابن تیمیہؒ ''فلوس'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''جو فلوس تعامل میں ہوں، ان میں اثمان کے معنی غالب کئے جائیں

گے، اور لوگوں کے اموال کا معیار سمجھیں جائیں گے۔''(۵)

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:

---

(۱) احکام القرآن , ابن العربی ،(ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی متوفی ۵۴۳)، بیروت, دارالمعرفة (۱۰۶۴/۳)

(۲) فتح القدیر (۱۵۵/۲)

(۳) المبسوط ،السرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت،دارالمعرفة ، ۱۴۱۴ھج (۱۹۳/۲)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:''انه تقوم الاموال بهما وانه لا مقصود فيهما سوى انهما قيم الاشياء ، وبهما تعرف خيرة الاموال ومقاديرها.(۲۰/۳)

(۴) بحواله احكام الاوراق النقدية والتجارية(ص ۷۰)

(۵) مجموع الفتاوی (۴۶۸/۲۹)

''دراھم ودنانیر فروخت شدہ اشیاء کے اثمان ہیں، اور ثمن وہ معیار ہے، جس سے اموال کی قیمتیں متعین کی جاتی ہیں۔''(۱)

یہ چند حوالہ جات صرف بطور نمونہ بیان کئے گئے، جن سے بخوبی یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ علماء اسلام کی عبارات میں زر کے وہی وظائف مذکور ہیں، جو ماہرین معیشت ذکر کرتے ہیں۔

نوٹ: وظائفِ زر کی اس تفصیل میں آپ نے کہیں یہ نہیں دیکھا کہ کسی ماہر اقتصاد یا فقیہ نے زر کا یہ وظیفہ بھی بیان کیا ہو کہ یہ محل تجارت بھی ہے، جس سے یہ بات بالکل صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ زر کا وظیفہ تجارت ہے ہی نہیں، لھذا زر (۱) کی تعریف، زر (۲) کی حقیقت اور زر (۳) کے وظائف ان تینوں مباحث سے یہ بات واضح طور پر سامنے آ گئی کہ زر صرف آلہ مبادلہ ہے، آلہ ءتجارت نہیں۔

(۱) اعلام الموقعین (۲/۱۳۷، ۱۳۸)

افراطِ زر اور تفریطِ زر (Inflation and Deflation)

اس بحث کا اصل محل اس مقالہ کا باب ششم ہے، جس کا عنوان ہی ''قدر زر'' (Value of Money) ہے، اس لئے اس کی اصل تفصیلات ان شاء اللہ تعالی اسی باب میں بیان کی جائیں گی، جن میں افراط وتفریطِ زر کے عوامل واسباب (Causes) اسکے اثرات (Effects) اور مختلف اقسام وانواع (Kinds) پر مفصل روشنی ڈالی جائے گی، یہاں ہم صرف افراط اور تفریطِ زر کے معنی وحقیقت بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے:

افراط اور تفریط ایک دوسرے کی ضد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، کیوں کہ لغوی معنی کے اعتبار سے ''افراط'' زیادت، مبالغہ اور کمال کو کہتے ہیں، جبکہ ''تفریط'' کمی اور تقصیر کو کہتے ہیں، لھذا افراطِ زر اور تفریط زر کے لغوی معنی زر کے بڑھنے اور گھٹنے کے ہوئے، اصل اصطلاحی معنی بھی لغوی معنی کے قریب ہیں، کیوں کہ:

جب زر کا پھیلاؤ زیادہ ہو جائے، تو اشیاء کی طلب (Demand) بڑھ جاتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اشیاء کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے زر کی قدر (Value) میں کمی آجاتی ہے، اس صورتحال کو ''افراطِ زر'' (Inflation) کہا جاتا ہے، اس کے برعکس جب زر کا پھیلاؤ کم ہو جائے، جس سے اشیاء کی قیمتوں میں کمی ہو جاتی ہے، اور زر کی قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے، تو اس صورتحال کو ''تفریطِ زر'' (Deflation) کہا جاتا ہے۔(۱)

خلاصہ یہ کہ زر کے زیادہ پھیلاؤ سے اشیاء کی قیمت میں اضافہ اور زر کی قدر میں کمی ہو جاتی ہے، اور کم پھیلاؤ کی صورت میں صورتحال معکوس ہو جاتی ہے، گویا کہ اشیاء کی قیمتیں اور زر کی قدر دونوں متضاد سمتوں (Directions) میں سفر کرتے ہیں۔

قیمتِ شئی ↑ قدرِ زر ↓ ←→ قیمتِ شئی ↓ قدرِ زر ↑

(۱) اسلام اور جدید معیشت وتجارت (ص ۱۰۸) جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی

مراجع اضافیہ:

زر اور بنکداری (ص۱۸۴) شیخ عطاء اللہ ایم اے

زر اور بنکاری (ص۸۳) شیخ مبارک علی

مقدمة في النقود والبنوك (ص ٦٨) الدكتور محمد زكي الشافعي

اس اصطلاح کی اصل حقیقت تو یہی ہے، لیکن بعد میں اس میں عموم ہوا، اور اس کو اشیاء کی قیمتوں میں ہر اضافہ کے لئے استعمال کیا گیا، خواہ وہ اضافہ زر کے پھیلاؤ کی وجہ سے ہو، یا دیگر عوامل کی وجہ سے، جس کی تفصیل باب ششم میں آئے گی۔

❖

باب دوم

ربا(سود، Interest)

باب دوم

ربوٰی (سود)

احکام زر میں سب سے اہم حکم چونکہ ''ربا'' (Interest) کا ہے، جیسا کہ اگلے ابواب سے ان شاء اللہ تعالی معلوم ہو جائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ ربا کی تعریف اور دیگر بعض متعلقہ باتوں کو اس باب میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

تعریفِ ربا:

''ربا'' لغوی معنی کے اعتبار سے زیادتی اور بڑھوتری کو کہتے ہیں، اور اصطلاحی معنی کے اعتبار سے اس کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے:

ربا النسیئہ اور ربا الفضل

''ربا النسیئہ'' کو ربا القرآن، ربا الجاہلیہ اور ربا القرض بھی کہتے ہیں، اور ''ربا الفضل'' کو ربا الحدیث اور ربا البیع بھی کہتے ہیں۔

ربا النسیئہ کو ربا القرآن اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی متعدد آیات نے اس کو براہ راست ممنوع قرار دیا ہے، جیسا کہ ''دلائل حرمت'' سے واضح ہو جائے گا، اور اس کو ربا الجاہلیہ اس لئے کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اس کا رواج تھا، اور اہل جاہلیت بھی اس کو ربا ہی کہتے تھے، اور اس کو ربا القرض اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق قرض سے ہے، کیوں کہ نسیئہ کے معنی ادھار کے ہیں۔

''ربا الفضل'' کو ربا الحدیث اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قسم صرف الفاظِ قرآن سے نہیں سمجھی گئی، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوئی، جیسا کہ ''دلائل حرمت'' سے واضح ہو جائے گا، اور اس کو ربا البیع اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق بیع سے ہے، کیوں کہ فضل کے معنی زیادت کے ہیں، چنانچہ ابن العربی احکام القرآن (۱) میں فرماتے ہیں:

''الربا فی اللغة الزيادة، والمراد فی الآية كل زيادة

---

(۱) احکام القرآن، ابن العربی (محمدبن عبدا للہ م ۵۴۳ھج) بیروت، دارالمعرفة، ، طبع سوم ۱۳۹۲ ھج (۱/۲۴۲)

لایقابلھا عوض

''ربا لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، اور آیت کریمہ میں اس سے مراد ہر وہ زیادتی ہے، جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو۔''

ابن العربیؒ کی یہ تعریف ربا النسیئہ اور ربا الفضل دونوں کو جامع ہے، کیونکہ ایسا اضافہ جو کسی عوض کے مقابلہ میں نہ ہو، یہ ربا النسیئہ میں بھی پایا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں اپنا قرض پورا پورا لیا جاتا ہے، اور اس پر سود (Interest) کے نام سے جو اضافہ ملتا ہے، وہ بے معاوضہ ہوتا ہے، اور ربا الفضل میں بھی پایا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں دو چیزوں کا مبادلہ ہوتا ہے، اور کسی ایک جانب میں ایسی زیادتی پائی جاتی ہے، جو کسی معاوضہ کے بدلے میں نہیں ہوتی، لھذا ابن العربیؒ کی تعریف اپنی جامعیت کی بناء پر عمدہ تعریفات میں شمار کی جاتی ہے۔

امام ابوبکر جصاصؒ احکام القرآن (۱) میں ربا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وھو القرض المشروط فیه الاجل وزیادة مال علی المستقرض''

''قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدتِ ادائیگی اور مقروض پر مال کی کوئی زیادتی متعین کر لی گئی ہو۔''

علامہ جصاص نے ''القرض'' کی قید لگا کر اس تعریف کو اس قسم کے ساتھ خاص کر دیا، یعنی ربا النسیئہ کے ساتھ۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب علامہ جصاص کی اس تعریف کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وان ھذا التعریف یشمل سائر انواع ربا النسیئة وکان ھذا الربا محرما فی سائر الادیان السماویة، وتوجد نصوص تحریمه حتی الآن فی مجموعة الکتاب المقدس، وراجع سفر الخروج ۲۲:۲۵ وسفر الاحبار ۲۵:۳۵ وسفر التثنیة ۲۳:۲۰ من اسفار التوراة، وزبور داؤد علیه السلام ۱۵:۵، وسفر امثال سلیمان علیه السلام ۲۸:۸

(۱) احکام القرآن، الجصاص (احمد بن علی الجصاص م ۳۷۰ھ) سھیل اکیڈمی (۱/۵۵۷)

وسفر نحمياه ٥:٧، وسفر حزقيل عليه السلام ١٨ :٨، ١٣، ١٧، ٢٢

١٢ "

''یہ تعریف ربا النسیہ کی تمام اقسام کو شامل ہے، اور ربا کی یہ قسم تمام آسمانی ادیان میں حرام رہی ہے، چنانچہ اس کی حرمت کی نصوص ابھی تک کتاب مقدس میں موجود ہیں، اس کے لئے ملاحظہ ہوں:

خروج:۲۲:۲۵، احبار:۲۵:۳۵، استثناء:۲۳:۲۰، زبور داؤدی:۱۵:۵، سفر امثال سلیمان علیہ السلام:۲۸:۸، سفر نحمیاہ:۵:۷، اور اسفار حضرت حزقیل علیہ السلام: ۱۸،۸،۱۳،۱۷،۲۲،۱۲۔''(۱)

''ربا النسیہ'' کی تعریف پر مشتمل ایک مشہور حدیث کی تشریح و تحقیق:

''كل قرض جر نفعا فهو ربا''

رواه الحارث بن ابی اسامة فی مسنده عن علی رفعه

''حارث بن ابی اسامہ نے اپنے ''مسند'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ جو قرض کچھ نفع کمائے، وہ ربا ہے۔''(۲)

اس حدیث شریف میں ''قرض'' کا لفظ موجود ہے، اس لئے اس کا تعلق ربا النسیئۃ سے ہی ہے۔

اس روایت پر سندی حیثیت سے اگر چہ جرح ہوئی ہے، لیکن چونکہ دوسری روایات وآثار سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، اور محدثین کرام کے نزدیک صالح للعمل ہے، بلکہ امت کی طرف سے اس کو ''تلقی بالقبول'' حاصل ہے، جیسا کہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ ''مسئلہ سود''(۳) میں اس حدیث سے متعلق فرماتے ہیں:

---

(۱) تكملة فتح الملهم شرح صحیح مسلم (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۰۵ھ طبع اول (۱/۵۶۷)

(۲) كشف الخفاء، الجراحی (اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ۱۱۶۲ھ) بیروت، مؤسسة الرسالة، طبع سوم ۱۴۰۳ھ (۲/۱۶۴)

(۳) مسئله سود (ص ۱۵)، ادارة المعارف کراچی طبع جدید، ۱۳۹۹ھ

''یہ حدیث علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کی ہے، اور فیض القدیر شرح جامع صغیر میں اگرچہ اس کی سند پر جرح کی ہے، اسناد کو ضعیف بتلایا ہے ،لیکن اسکی شرح سراج المنیر عزیزی نے اسکے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں : قال الشیخ: حدیث حسن لغیرہ ،یعنی یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، کیونکہ دوسری روایات وآثار سے اسکی تائید ہوتی ہے، بہرحال یہ روایت محدثین کے نزدیک صالح للعمل ہے۔''

امام الحرمین اور امام غزالی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱)

نیز یاد رکھنا چاہئے کہ جمہور فقہاء ومحدثین نے اس حدیث کو ایک اصول کے طور پر قبول کیا ہے، اور فقہاء ومحدثین کی یہ ''تلقی بالقبول'' اس بات کی بذات خود ایک مستقل دلیل ہے کہ یہ اصول قرآن وسنت کے عین مطابق ہے، لھذا بعض عربی مصنفین اور علماء(۲) کا اس حدیث کو دیگر احادیث کا معارض قرار دینا یا اس کی صحت سے بالکل انکار کرنا درست نہیں۔

مذکورہ حدیث میں ''منفعت'' سے مراد ہر وہ منفعت مراد ہے، جو مشروط یا معروف ہو، کیوں کہ معروف بھی بیشتر احکام شرعیہ میں مشروط کے حکم میں ہے، چنانچہ امام ابوبکر جصاص وغیرہ نے جو تعریف بیان فرمائی ہے، اس میں ''المشروط'' کی قید اس لئے لگائی ہے، نیز منفعت عام ہے، خواہ مال کی شکل میں ہو، یا کسی اور شکل میں ہو، لھذا اب مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ''قرض کی وجہ سے جو بھی مشروط یا معروف نفع خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، حاصل ہو، وہ سود ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔''

---

(۱) تلخیص الحبیر ،العسقلانی (علامہ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲)الریاض، مکتبہ نزار مصطفی الباز ، طبع اول ۱۴۱۷ھج (۹۹۷/۳)

''قال عمر بن بدر فی المغنی: لم یصح فیہ شئی ، واما امام الحرمین ، فقال:''انہ صحیح '' وتبعہ الغزالی.

ـــــــــ فتح القدیر (۳۵۶/۶)

(۲)ان میں سے ڈاکٹر رفیق یونس مصری(الجامع فی اصول الربا)، شیخ صالح بن فوزان الفوزان(الفرق بین البیع والربا) ،اور ڈاکٹر عبداللہ بن محمد بن حسن السعیدی(الربا فی المعاملات المصرفیۃ المعاصرۃ)۔

مذکورہ بالا تشریح و مطلب میں دو باتیں آ گئیں:

۱۔ حدیث میں نفع سے مراد مشروط یا معروف نفع ہے۔

۲۔ نفع عام ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو۔

پہلی بات کی دلیل وہ تمام احادیث و روایات ہی، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے کئی واقعات میں قرض لیکر ادیگی کے وقت کچھ زیادہ عطاء فرمایا۔(۱)

اور دوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ ائمہ اربعہؒ نے بہت سی ایسی صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے، جن میں مقرض کو اپنے دئے ہوئے قرض پر کچھ نفع حاصل ہو رہا ہے، حالانکہ وہ نفع ''مال'' کی شکل میں نہیں ہوتا، اور ممانعت کی بنیاد یہی حدیث شریف ہے، مثلاً:

۱۔ شئی مرھون سے مشروط یا معروف انتفاع حرام ہے۔(۲)

۲۔ قرض خواہ کے لئے مقروض کی سواری پر سوار ہونا یا قرض کی وجہ سے اس کے گھر میں کھانا کھانا جائز نہیں۔(۳)

۳۔ اگر کوئی کسی کو اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اس کو اپنا مکان فروخت کریگا، تو یہ ناجائز ہے۔(۴)

---

(۱) مجمع الزوائد، الھیتمی (الحافظ نورالدین علی بن ابی بکر الھیتمی م۸۰۷ھج) بیروت، لبنان ،دارالکتاب طبع دوم ۱۹۶۷ء، (۱۴۱/۴)

''استسلف النبی ﷺ من رجل من الانصار اربعین صاعا، فاحتاج الانصاری فاتاہ، فقال رسول ﷺ :ماجاء نا شئی، فقال الرجل واراد ان یتکلم، فقال رسول اللہ ﷺ : لاتقل الاخیرا، فانا خیرمن تسلف، فاعطاہ اربعین فضلاواربعین لسلفہ فاعطاہ بمائتین.''

''عن عطاء بن یعقوب قال: استسلف ابن عمر منی الف درھم فقضانی اجودمنھا، فقلت لہ: ان دراھمک اجود من دراھمی، قال: ماکان فیھا من فضل نائل لک من عندی.

ومالی ذلک من الاحادیث

(۲) الدرالمختار وردالمحتار (۷۰/۱۰)

(۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ الزحیلی (الدکتور وھبہ الزحیلی) بیروت دارالفکر (۷۲۴/۴)

(۴) مرجع سابق

۴۔ ''سُفْتَجہ'' کو اسی حدیث کی بناء پر ائمہ اربعہؒ نے ممنوع قرار دیا ہے، حالانکہ اس میں کوئی زیادتِ مال نہیں۔(۱)

لھذا یہ کہنا کہ منفعت جو حرام ہے اس سے مراد صرف ''زیادتِ مال'' ہے، درست نہیں، جیسا کہ ماضی قریب کے ایک ماہر اقتصاد شیخ محمود احمد مرحوم (۲) نے علامہ جصاص وغیرہ کی تعریفات کے ظاہر کو دیکھ کر یہ بات کی ہے، کیونکہ ان تعریفات میں ''مال'' کا لفظ موجود ہے۔

حالانکہ ان تعریفات میں ''مال'' کی قید تغلیبا ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں زیادہ تر اسی طرح ہوتا تھا، تو یہ کوئی قید احترازی نہیں، کیوں کہ اس صورت میں علامہ جصاص کی تعریف خود مذکورہ حدیث (جس میں منفعت عام ہے) کی معارض ہو جائے گی، نیز بہت سارے علمائے اسلام نے ربا کی تعریف میں ''مال'' کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔(۳)

خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث کی رو سے قرض پر ہر مشروط یا معروف نفع حاصل کرنا خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، ''ربالنسیہ'' ہے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں حرام اور ممنوع ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

ربا الفضل: ربالفضل سے مراد وہ اضافہ ہے جو کچھ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلہ پر حاصل ہو۔

ربالفضل کے سلسلہ میں حدیث مشہور ہے، جسے اشیاءِ ستہ والی حدیث کہتے ہیں، کیونکہ اس میں چھ چیزوں کا ذکر موجود ہے، اس حدیث کے الفاظ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں!

''الذهب بالذهب مثلابمثلا و الفضة بالفضة مثلابمثل ، و التمر بالتمر مثلابمثل و البر بالبر مثلابمثل ، و الملح بالملح مثلابمثل ، و الشعير

(۱) الفقه الاسلامی و ادلته (۴/۷۲۴)

اور ''سفتجہ'' اس کی جمع سفاتج ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زید مثلاً تاجر ہے، تو عمرو اس قرض دیتا ہے، لیکن عمرو اس کو قرض دیتے وقت یہ شرط عائد کرتا ہے کہ یہ قرض میرے شہر میں جو میرا دوست یا میرے والد ہیں، ان کو ادا کرنا، اس کو فقہاء کرام نے ممنوع قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں مقرض یعنی عمرو کو راستے کے خطرات سے بچاؤ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جو ''قرض جر نفعا'' میں داخل ہے، اور ممنوع ہے۔ دیکھئے! الشامیہ (۷/۲۹۸)

(۲) کتاب سود کی متبادل اساس۔ شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء

(۳) مسئلہ سود

بالشعیر مثلابمثل فمن زاد اوازداد فقد اربی ، بیعوا الذهب بالفضة کیف شئتم یدا بید، الحدیث (۱)

''سونے کو سونے کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، چاندی کو چاندی کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، کھجور کو کھجور کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، گندم کو گندم کے مقابلہ میں برابر سرابر بیچو، نمک کو نمک کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، جو کو جو کے بدلہ میں برابر سرابر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلہ میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلہ میں جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔''

یہ حدیث مختلف کتابوں (۲) میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے، لیکن حاصل سب کا ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلہ کے وقت کسی ایک جانب اضافہ سے آپ نے ممانعت فرمائی ہے۔

اس حدیث شریف میں صرف چھ چیزوں کا ذکر ہے، لیکن اس پر اتفاق ہے کہ ربا صرف ان چھ چیزوں کے تبادلہ میں منحصر نہیں، بلکہ اور چیزیں بھی اس ممانعت میں آسکتی ہیں، اب یہ کس طرح معلوم ہوگا، اس کے لئے مجتہدین نے ''تعلیل'' کا سہارا لیا، یعنی اس حدیث میں سوچا گیا کہ ان چیزوں کے باہمی تبادلہ میں اضافہ کو کس علت کی بنیاد پر ممنوع قرار دیا ہے؟ چنانچہ ہر مجتہد نے اجتہاد کر کے اپنے اجتہاد کے مطابق علت نکالی، اور اس علت پر مزید احکام متفرع کئے، جس کی تفصیل کتب فقہ اور کتب اصول فقہ میں مذکور ہے۔

---

(۱) کنز العمال ،المتقی (علاء الدین علی المتقی الهندی) عدد الحدیث ۹۶۶۹۔

(۲) مثلاً: صحیح مسلم، القشیری (ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری) باب المساقاة
صحیح البخاری، البخاری (ابو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاری) باب المساقاة
سنن ابی داؤد السجستانی (سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی) ، البیوع

حرمتِ ربا کے دلائل کا خلاصہ:

الَّذِيْنَ يَاكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَايَقُوْمُوْنَ الَّاكَمَا يَقُوْمُ الَّذِى يَتَخَبَّطُه الشَّيطٰنُ مِنَ الْمسِّ ذٰلِكَ بانَّهم قَالُوا انَّما الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا واحلَّ اللّٰه البيعَ وحرَّمَ الرَّبٰوا الآية(۱)

''جولوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو، اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام الخ''

يَمْحَقُ اللّٰه الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ وَاللّٰه لَايُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ(۲)

''اللہ سود کو مٹاتا ہے، اور خیرات کو بڑھاتا ہے، اور تمام ایسے لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں، جو ناشکرے اور گنہگار ہوں۔''

''يَااَيُّها الَّذِيْن آمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وذَرُوْا مَابَقِىَ من الرِّبٰوى انْ كُنْتُمْ مُؤمِنِيْن ، فَانْ لَّمْ تَفعلُوْا فَأذنُوْا بِحَرْبٍ مِّن اللّٰهِ وَرَسُوْلِه الآيه(۳)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جس قدر سود رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہوں، اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔۔۔۔''

''يَااَيُّها الَّذِيْن آمَنُوا لَاتَاكُلُوْا الرِّبَااَضْعَافًا مُضَاعَفَةً الآية(۴)

''اے ایمان والو! سود مت کھاؤ چند در چند۔۔۔۔''

عن ابن مسعود قال: لعن رسول اللّٰه ﷺ آكل الرباوموكله (۵)

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵

(۲) سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۶

(۳) سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۸

(۴) سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۱

(۵) بخاری کتاب الطلاق، مسلم کتاب المساقاۃ، ابوداؤد کتاب البیوع، وغیرھا

وفی روایة لمسلم وغیره: لعن رسول الله ﷺ آکل الربا ، وموکله وکاتبه وشاهدیه ، وقال : هم سواء"

''آنحضرت ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے، اور ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے سود کھانے، سود کھلانے، لکھنے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت کی ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔''

"الربابضع وسبعون بابا والشرک مثل ذلک "(۱)

''سود کی خرابیاں ستر سے اوپر ہیں، اور شرک اس کے برابر ہے۔''

"الدرهم یصیبه الرجل من الربا اعظم عند الله من ثلاثة وثلاثین زینة یزنیهافی الاسلام .(۲)

''سود کا ایک درھم اللہ کے نزدیک تینتیس مرتبہ زنا سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے، جو زنا حالتِ اسلام میں انسان کرے۔''

"الرباثلاث وسبعون بابایسرها مثل ان ینکح الرجل امه"(۳)

''سود کے تہتر قسم کی خرابیاں ہیں، ان میں سب سے معمولی یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔''

"مااحد اکثر من الربا الاکان عاقبة امره الی قلة ."(۴)

''جس شخص نے سود کے ذریعہ سے زیادہ مال کمایا، انجام کار اس میں کمی ہی ہوگی۔''

"اذا ظهر الزنا والربا فی قریة فقد احلوا بانفسهم عذاب الله "(۵)

---

(۱)رواه البزار ورواته رواة الصحیح، وهو عند ابن ماجه باسناد صحیح باختصار .

(۲) الطبرانی الکبیر،الطبرانی (سلیمان بن احمد م۳۶۰ھ)

(۳) مستدرک حاکم، الحاکم (محمد بن عبدالله الحاکم م۴۰۵ھ) ،بیروت ، دارالکتب العلمیة ، ۱۴۱۱ھج

(۴) ابن ماجه والحاکم

(۵)المستدرک للحاکم

''کسی بستی میں زنا اور سود کا کاروبار پھیل جائے، تو بستی والوں نے اللہ کا عذاب اپنے اوپر اتار لیا۔''

''مامن قوم یظهر فیهم الربا الااخذوا بالسنة ''الحدیث (۱)

''جس قوم میں سود پھیل جائے، وہ یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔''

''بین یدی الساعة یظهر الربا''الحدیث(۲)

''قیامت سے پہلے سود کی کثرت ہو جائے گی۔''

''لیاتین علی الناس زمان لایبقی احد الاآکل الربا، فمن لم یاکله اصابه من غباره.''(۳)

''ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی بھی شخص سود خوری سے بچے گا نہیں، اور اگر وہ بچ بھی گیا، تو اس کا اثر اس تک ضرور پہنچے گا۔''

یہ چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ ہم نے سود اور ربا کی وعید سے متعلق یہاں ذکر کی، یہ صرف بطور ایک نمونہ کے ہیں، ورنہ سود خوری کی سزاؤں سے متعلق اور بھی متعدد احادیث اور روایات موجود ہیں، جن میں سود خوری اور سودی معاملات کرنے کے بارے میں بہت شدید وعیدیں اور سزائیں مذکور ہیں، اگر ان احادیث کی تفصیل مطلوب ہو، تو مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مشہور رسالہ ''مسئلہ سود'' کا مطالعہ فرمایا جائے، جو خاص سود ہی کے موضوع پر ہے، اور اس میں سود کی وعیدوں سے متعلق چہل حدیث موجود ہیں۔

نیز شرکت و مضاربت کے موضوع پر ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی صاحب کا مقالہ بھی ان احادیث کے مطالعہ کے لئے موزوں ہے، یہ مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھا گیا ہے، اور جامعہ کراچی نے منظور کیا ہے، اور اب مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے۔

اللہ تعالیٰ سود کی لعنت سے اور اس کی وعیدوں سے پوری امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔

(۱) مسند احمد بن حنبل

(۲) المعجم الطبرانی

(۳) سنن ابی داؤد

علت کے معنی اور علت وحکمت میں فرق:

لغت میں ''علت'' عین کے کسرے کے ساتھ ''بیماری'' کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں علت کی متعدد تعریفات کی گئی ہیں: (۱)

''علت'' کی مشہور تعریف کا حاصل درج ذیل ہے:

''علت اس شئی کو کہتے ہیں جو نص کے حکم کے لئے علامت ہو، اور نص میں موجود ہو، اور جب یہ علامت غیر نص (فرع) میں پائی جائے، تو اس کی بنیاد پر غیر نص کو بھی وہ حکم مل جاتا ہے۔'' (۲)

---

(۱)،مباحث العلة فی القیاس عند الاصولیین ، الهیتی(عبدالحکیم عبد الرحمن السعد السعدی الهیتی العراقی، بیروت، لبنان، دارالبشائر الاسلامية طبع اول ۱۴۰۶ هج (ص۶۸)

''واما بالکسر فانها تأتی بمعنی المرض ...وعلماء الاصول لهم تعریفات کثیرة للعلة ...۵۱''

(۲)کشف الاسرار شرح نورالانوار، النسفی (ابو البرکات عبد الله بن احمد المعروف ب''حافظ الدین النسفی'' م ۷۱۰هج) ،بیروت، دارالکتب العلمیه ، ، طبع اول ۱۴۰۶ هج

''ماجعل علما علی حکم النص مما اشتمل علیه النص وجعل الفرع نظیرا له فی حکمه بوجوده فیه ''(۲۴۸/۲)

_____ حاشیة جامع الاسرار فی المنار للنسفی للکاکی، الافغانی (فضل الرحمن عبد الغفور الافغانی)

''قلت: اختلفت عبارات الاصولیین فی تعریف العلة واوضح تعریفاتها واحسنها فی نظری هو ما عرفه بعضهم بقوله :

''الوصف الخارج المناسب للحکم بحیث یکون مضافاالیه ''(۱۱۸۴/۴)

''علت اس خارجی وصف کو کہتے ہیں، جو حکم کے لئے مناسب ہو، اور حکم اس کی طرف مضاف ہو۔''

The Historic Judgment on Interest

Justice Muhammad Taqi Usmani

"The Illat is the basic feature of a transaction without which the relevant law cannot be applied to it ."P: 80

لیکن تمام تعریفات کا جو حاصل نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ علت غیر منصوص میں مدارِ حکم ہوتی ہے، اگر علت ہو، تو حکم بھی موجود ہوگا، اور اگر علت نہ ہو تو حکم بھی موجود نہیں گا، البتہ علت منصوص میں مدارِ حکم نہیں ہوتی، اور نہ ہی منصوص میں حکم اس کی طرف مضاف ہوتا ہے، بلکہ یہاں حکم خود نص کی طرف مضاف ہوگا، لان النص اولی واقوی من العلة.(۱)

حکمت (Wisdom) حکمت لغت میں مضبوطی اور استحکام کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں حکمت کی تعریف درج ذیل ہے:

"حکمت اس مصلحت کو کہتے ہیں، جس کی وجہ سے کوئی حکم مشروع ہوا ہو، خواہ وہ مصلحت منفعت کے حصول کی شکل میں ہو، یا دفع ضرر کی شکل میں۔"(۲)

---

(۱) نسمات الاسحار علی المنار، الشامی (علامه ابن عابدین الشامی) کراچی ،، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه طبع سوم ۱۴۱۸ هج

"ثم هو علم علی الحکم فی الفرع عند اکثر مشائخنا لان الحکم فی الفرع مضاف الیه لاالحکم فی الاصل عندهم "(ص ۲۱۷)

(۲) حکمة التشریع الاسلامی فی تحریم الربا، ڈاکٹر یوسف حامد العالم ، دار جامعه ام درمان الاسلامیه ، طبع اول ۱۴۰۳ هج (ص ۳۰)

"من المتفق علیه بین جمهور العلماء المسلین ان الله سبحانه وتعالی ماشرع حکماالالمصلحة عباده وان هذه المصلحة اما جلب نفع لهم واما دفع ضرر عنهم"

ـــــــ مباحث العلة فی القیاس عند الاصولیین ،الهیتی (عبد الحکیم عبدالرحمن) :

"فالجمهور یطلقها علی مایترتب علی التشریع من جلب مصلحة او تکمیلها او دفع مفسدة او تقلیلها "(ص ۱۰۵)

The Historic Judgment on Interest (by Justice Muhammad Taqi Usmani)

"The Hikmahat is the wisdom and the philasophy taken into account by the legislator while framing the law....."P:80

"حکمت اس مصلحت اور فلسفہ کو کہتے ہیں، جو مقنن قانون وضع کرتے وقت پیش نظر رکھتا ہے۔"

یعنی شارع نے کسی کام کو کرنے کا حکم دیا ہے، یا کسی کام کرنے سے منع کیا ہے، اس میں پیش نظر یہ ہے کہ بندہ اس کام کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یا ممانعت کی صورت میں کام نہ کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یہ حکم کی حکمت ہے۔

فرق: علت اور حکمت کی تعریف سے دونوں میں فرق خود بخود واضح ہوگیا، کہ علت مدارِ حکم ہے، لھذا شرعی احکام کا دارومدار علل پر ہوگا، حکمت پر نہیں، کیونکہ حکمت بعض اوقات بالکل مخفی ہوتی ہے، اور بندوں کو اس پر بالکل اطلاع نہیں ہوتی، اب اگر حکمت پر حکم کا مدار ہو، تو اس صورت میں حکم معطل ہو جائے گا، مثلاً:

مسافر کے لئے ''قصر'' کا حکم ہے، اب اس حکم کی تشریع میں حکمت و مصلحت ''مشقت'' سے بچنا ہے، لیکن کہاں مشقت ہے، اور کہاں مشقت نہیں ہے، یہ فیصلہ نہایت مشکل ہے، اسلئے مذکورہ حکم کے لئے علت ''سفر'' کو مقرر کیا گیا، اب حکم کا مدار مشقت پر نہیں، بلکہ سفر شرعی پر ہے، سفر شرعی ہے، تو قصر کا حکم بھی ہے، سفر شرعی نہیں ہے، تو قصر کا حکم بھی نہیں ہے۔

حکمت اور علت میں فرق واضح کرنے کے لئے بعض علماء کرام نے عام دنیاوی قانون میں یہ مثال بیان فرمائی ہے، کہ مثلاً ٹریفک کا قانون ہے کہ جب سرخ بتی جل رہی ہو، تو سگنل پر گاڑی روکی جائے، اب ''گاڑی روکنا'' ایک حکم یا قانون ہے، اور سرخ بتی کا روشن ہونا اس کی علت ہے، اور یہ قانون کیوں بنا؟ اس کی مصلحت، حکمت اور فلسفہ حوادث سے بچاؤ ہے، لیکن یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ مذکورہ حکم کا مدار سرخ بتی ہے، اگر وہ روشن ہے، تو گاڑی روکنا لازم ہے، ورنہ نہیں، مذکورہ مصلحت اور حکمت اس کا مدار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر دوسری سائڈ سے بالکل ٹریفک نہ ہو، اور سرخ بتی جل رہی ہو، تب بھی گاڑی روکنا لازم ہے، حالانکہ اس صورت میں حادثہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔(۱)

تنبیہ: علت اور حکمت میں فرق بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے، کہ اس زمانہ میں سود جائز

(۱) تکملة فتح الملهم شرح صحیح مسلم .العثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) (۱/۵۷۴) کراچی، مکتبہ دارالعلوم ، طبع اول ۱۴۰۵

کرنے والے جو حیلے پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ آج کل بنکوں سے سود پر جو قرضہ کاروبار کے لئے لیا جاتا ہے، یا بنک لوگوں سے جو قرضہ سود پر لیتا ہے، اس میں کسی فریق پر کوئی "ظلم" نہیں، بلکہ دونوں کا فائدہ ہے، اور سود کی ممانعت ظلم کی وجہ سے ہے، لھذا بنک کے اس قسم کا سود جائز ہوگا، اس کو ناجائز کہنا درست نہیں، ناجائز سود تو وہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں، یا پہننے کے لئے کچھ نہیں، اور وہ کسی سے قرضہ لیتا ہے، تاکہ وہ اس سے اس ضرورت کو پورا کرے، تو قرض دہندہ اس کو کچھ اضافہ کی شرط کے ساتھ قرضہ فراہم کرتا ہے، تو اس میں بلاشبہ ظلم ہے، اور یہ ناجائز ہے، لیکن کاروباری نوعیت کے قرضہ میں ظلم تو دور کی بات ہے، بلکہ یہ تو عین انصاف ہے، کہ بنک نے قرضہ لیکر اس کو کسی کاروبار میں لگایا اور اس پر بنک کو نفع حاصل ہوا، اب اس نفع میں سے بنک نے کچھ حصہ اکاؤنٹ ہولڈر کو دیا، اور کچھ خود رکھ لیا، دونوں کا فائدہ ہوگیا، تو اس کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

حکمت اور علت میں فرق بیان کرنے سے بات صاف اور واضح ہوجاتی ہے، کہ حکم کا مدار علت پر ہے علت موجود ہوگی، تو حکم بھی موجود ہوگا، اور علت موجود نہیں ہوگی، تو حکم بھی موجود نہیں ہوگا، حکم کا مدار حکمت پر نہیں، ظلم ربا کی حکمت ہے، علت نہیں، لھذا کسی قرضہ میں ظلم کے ہونے یا نہ ہونے پر ربا کا حکم لاگو نہیں ہوگا، بلکہ علت کو دیکھا جائے گا، اور اس پر حکم کا مدار ہوگا، جو بلاشبہ مذکورہ قرضوں میں موجود ہے، لھذا کاروباری قرضوں پر سود کا لین دین بھی حرام ہوگا۔

نیز ان قرضوں میں ظلم بھی ہے، جس کو علماء امت نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تحریرات میں ذکر کیا ہے۔(۱)

---

(۱) مسئلہ سود

ـــــــ تکملہ فتح الملھم

زر میں علتِ ربا کی تحقیق:

زر میں ربا کی دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں، ربالفضل بھی اور ربالنسیئہ بھی، زر میں ربالفضل کے حرام ہونے کی علت کے بارے میں تین قول مشہور ہیں، جن کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

ا.........وزن+جنس: یعنی اگر زر میں یہ دونوں باتیں پائی جائیں، تو اس صورت میں تبادلہ زر کے وقت کسی ایک جانب زیادتی جائز نہیں ہوگی، مثلاً: سونا کا سونا کے ساتھ اگر تبادلہ ہو، یا چاندی کا چاندی کے ساتھ اگر تبادلہ ہو، تو چونکہ یہ موزونات میں سے ہیں، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہے، اس لئے یہاں کسی جانب اضافہ جائز نہیں، بلکہ مماثلت ضروری ہے۔

یہ مذہب حضرات حنفیہ کا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔(۱)

یہ حضرات اپنے موقف کو قرآن، سنت اور قیاس سے ثابت کرتے ہیں:

قرآن کریم:

قال اللہ تعالی:

اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَلَاتَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِیۡنَ ۚ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ۚ (۲)

''ماپ پورا بھر کر دو، اور نقصان دینے والے مت ہو، اور سیدھی ترازو سے تولو۔''

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار(۳۰۵/۷)

''وعلتہ ای علۃ تحریم الزیادۃ القدر المعھود بکیل او وزن مع الجنس ، فان وجدا حرم الفضل''

_____ البحر الرائق شرح کنزا لدقائق(۲۰۷/۶)

''وعلتہ القدر والجنس ای وجوب المساواۃ التی یلزم عند فوتھا الربا''.

_____ المغنی ابن قدامہ (موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی م ۶۲۰ھج) المغنی ، دارعالم الکتب ، الریاض طبع اول ۱۴۰۶ ھج

''فروی عن احمد فی ذلک ثلث روایات اشھرھن ان علۃ الربا فی الذھب والفضۃ کونہ موزون جنس ''(۵۴/۶)

(۲) سورۃ الشعراء آیت ۱۸۱

وقال الله تعالی :

وَيَا قَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَ هُمْ الآيه (۱)

''اور اے قوم! ماپ اور تول کو پورا کرو انصاف کے ساتھ، اور گھٹا و لوگوں کی ان کی چیزیں۔''

وقال اللہ تعالی:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (۲)

''خرابی ہے گھٹانے والوں کی، وہ لوگ جب ماپ کر لیں، لوگوں سے تو پور بھر لیں، اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر دیں، تو گھٹا کر دیں۔''

ان آیات کریمہ میں کیل اور وزن کو پورا پورا دینے کا حکم دیا گیا ہے، اور ان میں کمی کرنے سے ڈرایا گیا ہے، جس سے اشارۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ربا کی علت ''کیل ووزن'' ہے۔(۳)

سنت: وہ تمام احادیث جن کا تعلق اشیاء ستہ سے ہیں، اور جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، اور بعض مزید ذیل میں ذکر کی جارہی ہیں، اس ''علت'' کا ماٴخذ ہیں۔

''الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلا بمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن مثلا بمثل ، فمن زاد او استزاد فهو ربا.(۴)

''سونا سونے کے مقابلہ برابر سرابر بیچو، اور چاندی چاندی کے مقابلہ میں برابر سرابر بیچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔''

(۱) سورۃ هود آیت ۸۵

(۲)سورۃالتطفیف.

(۳) بدائع الصنائع الکاسانی (علاء الدین ابوبکر الکاسانی) کراچی، ایچ ایم سعید، طبع اول ۱۹۱۰ء (۱۸۴/۵)

(۴) اخرجه مسلم ، کتاب المساقاة ، باب الربا.

"لاتبیعوا الذهب بالذهب الاوزنا بوزن ."(۱)

"سونے کو سونے کے مقابلہ میں مت بیچو مگر یہ کہ برابر سرابر ہو۔"

"لا تبیعوا الدرهم بالدرهمین و لاالصاع بالصاعین "(۲)

"ایک درھم دو درھموں کے بدلے میں مت بیچو، اور ایک صاع دو صاعوں کے بدلے میں مت بیچو۔"

اس حدیث میں "درھم" کا تعلق وزن سے ہے، اور "صاع" کا تعلق کیل سے ہے، اور صاع پیمانہ کو کہتے ہیں، لیکن یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو اس پیمانہ میں ماپی جاتی ہو، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ بھی ہے، لھذا معلوم ہوا کہ علتِ ربا قدر+جنس ہے، اور یہی حال اشیاءستہ والی احادیث کا بھی ہے، کیوں کہ ان میں بھی جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہے، اور ہر چیز یا موزونات میں سے ہے، اور یا مکیلات میں سے ہے۔

"ماوزن مثلابمثل اذا کان نوعا واحدا وماکیل فمثل ذلک ، فاذا اختلف النوعان فلابأس به ."(۳)

"جو چیز تولی جاتی ہو، تو وہ برابر ہونی چاہیئے، اور جو چیز ناپی جاتی ہو، اسکا بھی یہی حکم ہے، البتہ جب دونوں قسمیں مختلف ہوجائیں، تو اس صورت میں (زیادتی میں) کوئی حرج نہیں۔"

قیاس: بیع مال کے بدلہ میں مال دینے سے عبارت ہے، اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں جانب تساوی ہو، یعنی دونوں جانب میں جو مال ہو، کسی مال کا کوئی جز عوض سے خالی نہ ہو، اور ایک دینار مثلا ایک دینار کا صورۃً بھی مثل ہے، اور معنیً بھی مثل ہے، صورۃً مثلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں موزونات میں سے ہیں، اور معنی اس لئے مماثلت ہے کہ دونوں ہم جنس ہیں، اب اگر کسی جانب ایک دینار یا نصف دینار کا اضافہ ہو، تو یہ دینار یا نصف دینار عوض سے خالی ہوگا، اور یہی حقیقتِ ربا ہے۔اب یہ تماثل صورۃ و معنی جس مبادلہ میں بھی پائی جائے گا، وہاں کسی ایک جانب زیادتی جائز نہ ہوگی، لھذا معلوم ہوا کہ ربالفضل کی علت

(۱) حوالہ بالا

(۲) مجمع الزوائد (۱۱۲/۴)

(۳) نیل الاوطار ،الشوکانی (محمد بن علی بن محمد الشوکانی م ۱۲۵۵ھج)من ابواب الربا.

قدروجنس ہے۔(۱)

۲..........زر میں ربا الفضل کی حرمت کی علت ''جنس+خلقی ثمنیت'' ہے، جس کو ''ثمن جوہریہ'' یا ''ثمنیت غالبہ'' بھی کہتے ہیں، اس کا قائل حضرت امام شافعیؒ ہیں، اور امام مالکؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔(۲)

اس قول کے مطابق جب خلقی اور جوھری ثمنیت ربا الفضل کی علت قرار پائی، تو ظاہر ہے کہ یہ علت ثمن خلقی ہی کے ساتھ محدود رہے گی، اور وہ صرف سونا چاندی یا ان دونوں متعلقات ہیں، لھذا صرف سونا چاندی کے تبادلہ میں ربا الفضل حرام ہوگا، فلوس وغیرہ میں ربا جاری ہی نہیں ہوگا۔

ان حضرات کے منجملہ دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سونے، چاندی کا سلم تمام اشیاء میں جائز ہے، حتی کہ موزونات میں بھی جائز ہے، اب اگر علت سونے اور چاندی میں ''وزن'' ہو، تو سلم میں تو ''تاجیل'' ضروری ہوتی ہے، اب اس کا حاصل ہوگا، کہ یہ موزون کی موزون کے ساتھ ادھار بیع ہے، حالانکہ جب جنس مختلف ہو، لیکن قدر ایک ہو، تو یہاں زیادتی تو جائز ہوتی ہے، لیکن نساء (ادھار) ناجائز ہوتا ہے، تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سونے چاندی کا سلم موزونات میں صحیح نہ ہو، حالانکہ اس کے جواز پر سب فقہاء کرام متفق ہیں، معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں حرمت ربا کی علت وزن نہیں، بلکہ ثمنیت ہے۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع(۵/۱۸۴)

(۲) ملاحظہ ہوں! النووی (محی الدین یحی بن شرف النوویؒ) روضة الطالبین (۳/۳۷۸) المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم ۱۴۰۵ھج

''وقال الجمهور: العلة فيهما صلاحية الثمنية الغالبة، وان شئت قلت: جوهرية الاثمان غالبا، والعبارتان تشملان التبر والمضروب والحلي والاواني منهما، وفي تعدى الحكم الى الفلوس اذا راجت وجه، والصحيح انه لاربا فيها، لانتفاء الثمنية الغالبة، ولايتعدى الى غير الفلوس من الحديد والنحاس والرصاص وغيرهاقطعا.''

نیز ملاحظہ ہو! ابن رشد المالکی(ابو الولید محمد بن احمد القرطبی م ۵۲۰ھج)المقدمات الممهدات (۲/۳۵)

''واما الذهب والفضة فلم يقس عليهما شيئا من العروض التي تكال او توزن لان العلة عنده في منع التفاضل في كل واحد هي انهما اثمان للاشياء''۔

(۳) مجموع فتاوی ابن تیمیه (۲۹/۴۷۱)

تردید: سونے چاندی میں حرمت ربا کی علت ''ثمنیت غالبہ'' قرار دینا ''علت قاصرہ'' ہے، یعنی یہ سونے اور چاندی تک منحصر رہتی ہے، اور اس میں تعدی کی صلاحیت نہیں، لھذا منصوص تو اس علت کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ منصوص میں حکم نص کی طرف مضاف ہوتا ہے، نہ کہ علت کی طرف، اور فرع کی طرف یہ متعدی نہیں ہوتی ،تو اس تعلیل کا فائدہ کیا؟(۱)

۳..........زر میں حرمت ربا کی علت ''جنس+ثمنیت مطلقہ'' ہے، یہ مالکیہ کا مذھب (۲) ہے، اور حنفیہ میں سے امام محمدؒ کا قول بھی ہے۔(۳)

اس قول کے مطابق ربا الفضل کی علت جب مطلق ثمنیت ہے، تو فلوس اگر رائج ہوں، یا کوئی اور چیز بطور زر اور ثمن رائج ہو جائے، تو اس میں بھی ربالفضل جاری ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں فلس بفلسین کی بیع ناجائز ہے، اور یہ سودی معاملہ ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ان شاء اللہ تعالی آئے گی۔(۴)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب فلوس اپنے وظیفے (Function) کے اعتبار سے دینار اور درھم کی طرح ہو گیا، یعنی جو وظائف درھم اور دینار کے ہیں، وہی وظائف فلوس کے بھی ہو گئے، تو حکم ربا میں بھی فلوس درھم اور دینار کی طرح ہوں گے۔(۵)

ربا النسیئہ کی علت: یہ ساری تفصیل زر میں ''ربا الفضل'' کی حرمت کی علت سے متعلق تھی، اور جہاں تک زر میں ''ربا النسیئہ'' کی حرمت کی علت کا تعلق ہے، تو وہ بالکل واضح ہے، اور اس میں کسی کا ختلاف بھی نہیں ہے، کیوں کہ قرض کے جس معاملہ میں کچھ مشروط یا معروف اضافہ جو خالی عن العوض ہوگا پائے جائے، تو وہ معاملہ ناجائز ہوگا۔

بلکہ یہ حقیقت میں یہی علت ربالفضل کی بھی ہے، لیکن چونکہ وہاں احادیث موجود ہیں، جن میں ربا کو

---

(۱) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة الجعید (ستر بن ثواب) السعودیة ، الطائف ،مکتبة الصدیق ، طبع اول ۱۹۹۳ء(ص ۱۵۰)

(۲) حوالہ بالا (بحوالہ المدونة للامام مالکؒ)

(۳) بدائع الصنائع (۶/ ۵۹)

(۴)احکام الاوراق النقدیة ، العثمانی (المفتی القاضی محمد تقی العثمانی) (ص ۱۸)

(۵) بدائع الصنائع (۵/ ۱۸۵)

صرف چھ چیزوں میں ذکر کیا ہے، اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ حکم صرف ان چھ چیزوں میں منحصر ہے، یا کہیں اور بھی متعدی ہوگا، اسی وجہ سے علماء امت کی ایک جماعت ایسی بھی ہے، جو ربا الفضل کو صرف انہی اشیاء میں منحصر گردانتی ہے، جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے، اور یہی وہ ربا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے، اور ہمارے لئے ابوابِ ربا کو واضح نہیں فرمایا، لھذا علماء امت نے ان احادیث میں غور وخوض کر کے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس حکم کی علت مستنبط کی، اور اس پر حکم کا مدار رکھا، جس کی تفصیل بیان ہوئی، لیکن ''ربا النسیئہ'' میں کوئی خاص شئی کا ذکر نہیں، بلکہ فرمایا ''کل قرض جر نفعا فھو ربا '' اس میں آپ نے ایک اصل کلی بیان فرمائی کہ جس قرض میں بھی ''جرِ منفعت'' کی بات پائی جائے، تو وہ ربا ہے، اور حرام ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔

فائدہ ا: (حکم ربا کی تعدی وقصر)

اشیاء ستہ والی حدیث ان اشیاء میں حرمتِ ربا پر صریح نص ہے، اور امت ان اشیاء میں حرمت ربا پر متفق ہے، لیکن کیا یہ حرمت انہی اشیاء منصوصہ میں منحصر ہے، یا دیگر اشیاء میں بھی پائی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کی دو جماعتیں ہیں:

ایک جماعت ''تعدی'' کی قائل ہے، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر چکی، اور دوسری جماعت ''قصر'' کی قائل ہے، یعنی یہ کہ یہ حکم صرف انہی اشیاء ستہ میں منحصر ہے، اور دیگر اشیاء پر یہ حکم لاگو نہیں ہوگا، اس جماعت میں درج ذیل حضرات شامل ہیں:

ا۔ طاووس، ۲۔ قتادہ، ۳۔ شعبی، ۴۔ مسروق، ۵۔ عثمان بتی، ۔ ۶ قاضی ابوبکر الباقلانی، ۷۔ صدیق حسن خان، ۸۔ علامہ ابن حزم اور تمام اہل ظاہر۔ (ا)

(ا) المغنی لابن قدامه مع الشرح الکبیر (۱۲۴/۴)

ـــــــابن حزم (ابومحمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم م ۴۵۶ھج) المحلی (۴۶۸/۸) ادارة الطباعة المنیرية مصر ، طبع اول ۱۳۵۰ھج

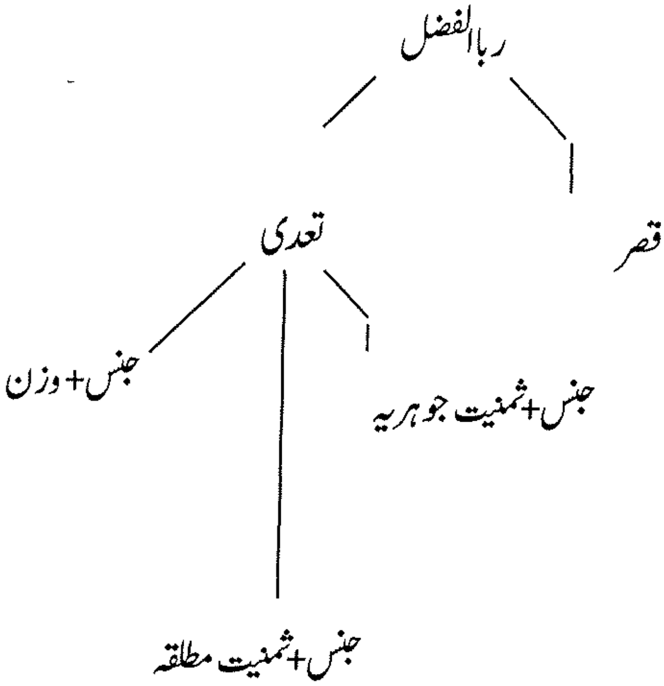
''ومـمـن قـال: ''لاربـا الافی الاصناف المذکورة ''طاؤوس ، وقتادة وعثمان البتی ، وابو سلیمان وجمیع اصحابنا''

ان حضرات کے اس موقف کا منشاء یا تو

۱ رحجیتِ قیاس سے انکار ہے، یا

۲ ریہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، اور یا

۳ ریہ کہ پہلی جماعت (معللہ) نے استخراجِ علت میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے، لھذا اس اختلاف کی وجہ سے ساری علتیں کمزور پڑ گئیں، اور کوئی ایسی قوی دلیل موجود نہیں، جس کی بنیاد پر اس حکم کو متعدی کیا جا سکے۔



فائدہ۲: (ربا النّساء اور ربا النسیئہ میں فرق) ربا کے سلسلہ میں ہم دو لفظ بکثرت سنتے ہیں:

ربا النّساء اور ربا النسیئہ

ان دونوں میں فرق ہے، اور وہ یہ کہ ربا النساء کا تعلق ''بیع'' (Sale) سے ہے، اور ربا النسیئہ کا تعلق ''قرض'' (Loan) سے ہے۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر:

۱۔ سونا کا تبادلہ سونے کے ساتھ ہو، یا

۲۔ چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ ہو، یا

۳۔ سونا کا تبادلہ چاندی کے ساتھ ہو، یا

۴۔ چاندی کا تبادلہ سونے کے ساتھ ہو،

تو پہلی دو صورتوں میں دو قسم کا ربا پایا جاسکتا ہے، ربا الفضل کہ کسی ایک جانب زیادتی ہو، اور ربا النساء کہ ایک عوض پر قبضہ ہو، اور دوسرا ادھار ہو، تو یہ ادھار ربا النساء کہلاتا ہے، اور آخری دو صورتوں میں زیادتی تو جائز ہے، لیکن ادھار جائز نہیں، یہ ربا النساء ہے۔ ''بیع صرف'' میں اس کی مزید وضاحت آئے گی، ان شاء اللہ تعالی۔ اور ربا النسیہ کا تعلق عقد قرض سے ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر گئی۔(۱)

(۱) جهاد فی رفع بلوی الربا، محمد خاطر محمد الشیخ، (۱/۱۰)

''وعلی هذا ینقسم ربا لبیوع الی قسمین:

۱. ربا الفضل: ویتحقق ببیع احد الاصناف ....

۲. ربا النساء: ویکون فی بیع الاموال الربویة بجنسها او بغیر جنسها، یتحد معها فی العلة عند تأجیل القبض فی احد البدلین الخ''

بحوث فی الربا، الامام ابو زهره، بیروت، دارالفکر العربی، (ص ۲۶)

''فان ذلک یکون ربا ویسمی ربا النساء ولیس هو ربا النسیئة الذی بیناه من قبل''

ثمنیت کسے کہتے ہیں؟

ثمنیت کے معنی کسی شئی کے ''ثمن ہونے'' کے ہیں، اور ''ثمن'' کی تعریف درج ذیل ہے:

''الثمن اسم لما هو عوض من المبيع ''(۱)

''جو کسی بیچی ہوئی چیز کا بدل بن سکے، اس کو ثمن کہتے ہیں۔''

''قال لازهری : قال الليث: ثمن كل شئی قيمته ''(۲)

''ہر شئی کا ثمن اس کی قیمت ہے۔''

''والمعروف ان الثمن هو ماجعل عوضا فی عقد البيع''(۳)

''مشہور یہی ہے کہ ثمن وہ چیز ہے جو عقدِ بیع میں عوض بنے۔''

ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ عقدِ بیع (Sale) میں جو شئی مبیع (Subject Matter) کے مقابلہ میں آجائے، وہ ثمن ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمن زر کا مترادف نہیں، بلکہ زر سے عام ہے، یعنی ہر زر ثمن ہے، لیکن ہر ثمن کا زر ہونا ضروری نہیں، مثلاً:

اگر کوئی شخص اپنا گھر غلام کے مقابلہ میں فروخت کرے، تو اس مثال میں غلام ثمن ہے، لیکن غلام زر نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، لھذا جن حضرات کے نزدیک زر میں علت ربا ثمنیت مطلقہ ہے، تو اس سے مراد یا ثمن خلقی ہوگا، یا پھر وہ ثمن ہوگا، جو زر جیسا ہو، یعنی لوگ اپنے معاملات میں اس کو زر ہی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ فلوس اور کاغذی نوٹ وغیرہ، اس درجہ میں زر ثمن کا مترادف ہوسکتا ہے۔

تو گویا کہ ثمن کی بھی تین قسمیں ہوگئیں:

---

(۱) كتاب المغرب فی ترتيب المعرب، المطرزی (ابو الفتح ناصر الدين عبد السيد بن على المطرزی المتوفی ۶۱۶ هج)، بيروت، دار الكتب العربی .

(۲) تهذيب الاسماء واللغات ، النووی (ابو زكريا محی الدين بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶هج) مصر، ادارة الطباعة المنيرية (۴۵/۱)

(۳) تطور النقود للدكتور احمد حسن احمد الحسنی ، ص(۱۳۳)

۱۔	ثمن خلقی	=	سونا، چاندی
۲۔	ثمن اصطلاحی یا عرفی	=	فلوس، نوٹ وغیرہ
۳۔	ثمن اتفاقی	=	مثال مذکور میں غلام

بابِ اول اور بابِ دوم کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ مال، زر، کرنسی اور ثمن میں فرق موجود ہیں، اور یہ ایک ہی چیز کے مختلف نام نہیں ہیں۔

❖

باب سوم

کرنسی نوٹ اور فلوس

باب سوم

کرنسی نوٹ اور فلوس (Pices)

نوٹ کسے کہتے ہیں؟

ارتقاءِ زر کی بحث میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ ۱۷۰۰ء میں صرافوں اور سناروں کی طرف سے جاری شدہ رسیدوں نے ترقی کر کے باقاعدہ نوٹوں کی شکل اختیار کی، اور اس کے بعد اس پر مختلف مراحل گزرتے گئے، تو نوٹ یا بنک نوٹ (Bank Note) درحقیقت مذکورہ رسیدوں کی ترقی یافتہ شکل اور باضابطہ شکل ہے، جو بعد میں زرِ قانونی (Legal Tender) قرار پایا، لھذا ہم نوٹ کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کر سکتے ہیں:

> ''نوٹ حکومت کا ایک عہد نامہ ہے جو بہ تحکّم سکے کی طرح واجب القبول بنایا گیا ہے۔''(۱)

علامہ سید احمد بیگ الحسینیؒ اپنی کتاب ''بھجۃ المشتاق'' میں نوٹ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''جب ہم نے لفظ ''بنک نوٹ'' کی ماہیت کے بارے میں تحقیق کی، تو معلوم ہوا کہ یہ فرانسیسی زبان کی اصطلاح ہے، اور ''لاروس'' جو فرانسیسی زبان کی سب سے بڑی اور مشہور لغت ہے، اس میں بنک نوٹ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
>
> ''بنک نوٹ'' ایک کرنسی نوٹ ہے، جس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت دے دی جائیگی، اور یہ نوٹ بالکل اسی طریقہ پر رائج ہوتا ہے، البتہ یہ نوٹ مضمون ہوتے ہیں، یعنی اس کے بدل کی ضمانت دی جاتی ہے، تا کہ لوگ اس لین دین پر اعتماد کریں۔۔۔(۲)

یاد رہے کہ نوٹ، بنک نوٹ اور کاغذی زر (Paper Money) ایک ہی چیز ہے، جس کو عربی میں ''الاوراق النقدیة'' یا ''النقود الورقیة'' یا ''الانواط'' کہتے ہیں۔

---

(۱) جدید فقہی مباحث (۸۸/۲)

(۲) بحوالہ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۱۷)

نوٹوں کی فقہی وشرعی حیثیت (ایک تفصیلی جائزہ)

کرنسی نوٹ کی فقہی تکییف (فقہی وصف کہ نوٹ فقہی احکام کے لحاظ سے کیا چیز ہے؟) میں مختلف نظریات رہے ہیں، اور اس سلسلہ میں علماء وفقہاء کی آراء مختلف ہیں چنانچہ بعض کتابوں میں سات تک اقوال ذکر کئے گئے ہیں، لیکن ہم یہاں صرف ان اقوال کو ذکر کرنے پر اکتفاء کئے دیتے ہیں، جو زیادہ معروف اور مشہور ہیں، اور وہ چار ہیں:

(۱) نوٹ دین (Debt) کی ''سند'' (Certificate) ہے۔

(۲) نوٹ ''سامان'' (Goods) ہے۔

(۳) نوٹ سونے اور چاندی کا ''بدل'' یا قائم مقام (Substitute) ہے

(۴) نوٹ بذات خود ''ثمن عرفی'' (Customary Price) ہے، اور فلوس کے حکم میں ہے۔

ان اقوال کی تفصیل، دلائل کی تنقیح، تفریعات کی تشریح اور مناقشہ ذیل میں ملاحظہ ہوں:

نوٹ کی فقہی حیثیت سے متعلق پہلا نظریہ:

گزشتہ صدی کے بیشتر علماء ھند (جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ بھی شامل ہیں) کا نوٹ سے متعلق یہ موقف رہا ہے کہ نوٹ دین کی سند ہے، نوٹ نہ مال ہے، نہ سونے اور چاندی کا بدل ہے، اور نہ بذات خود ثمن ہے، بلکہ یہ محض اس دین کی ایک سند (Certificate) ہے، جو حاملِ نوٹ کے لئے جاری کنندہ کے ذمہ واجب ہے۔(۱)

دلائل:

۱۔ اس موقف پر ایک اہم دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہر نوٹ پر یہ وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس کے حامل کو بوقت مطالبہ اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کی جائے گی، لھذا یہ وعدہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ نوٹ دین کی سند اور وثیقہ ہے، چنانچہ علامہ سید احمد بک الحسینیؒ نوٹ کی ماہیت اور حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے

---

(۱) امداد الفتاوی، تھانوی (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کراچی، مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴،(۵/۲)

جدید فقہی مباحث للقاسمی (۱۸۱/۲)

احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجعید (ص ۱۷٦)

احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۱۰)

ہیں:

"فقوله :"قابلة لدفع قيمتهالدى الاطلاع لحاملهاالخ" لم يجعل شكافى انها سندات ديون الخ"

"یہ بات کہ اس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کردی جائے گی، بلاشبہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ نوٹ قرض کی سند ہے الخ"(۱)

۲/ ان نوٹوں کا بدل بصورت سونا یا چاندی جاری کنندہ کے خزانے میں ہونا ضروری ہے، جس سے یہ بات واضح ہے کہ ان نوٹوں کی قیمت اسی بدل کی وجہ سے ہے، لھذا نوٹ اس بدل کی سند ہے۔(۲)

۳/ نوٹ کاغذ کا ایک معمولی پرزہ (Piece) ہے، پھر ایک پرزہ زیادہ قیمت کا ہے، اور دوسرا کم قیمت کا ہے، مثلاً ۱۰۰ کا نوٹ اور ۵۰ کا نوٹ، حالانکہ ذاتا دونوں کاغذ برابر ہیں، لیکن قیمت میں فرق ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اصل چیز بدل ہی ہے۔

۴/ اگر ان نوٹوں کے ذریعہ تعامل (Currency) ختم ہوجائے، تو حکومت اس کا ضمان ادا کرتی ہے، یہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اس دین کی سند ہے۔(۳)

تفریعات: (یعنی اس قول پر جو فرعی اور فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں۔)

اس قول پر جو فقہی مسائل متفرع ہوتے ہیں، ان میں سے بعض مشہور مسائل درج ذیل ہیں:

(ا) بیع سلم میں نوٹ رأس المال نہیں بن سکتا، کیونکہ نوٹ پر قبضہ ثمن پر قبضہ نہیں، بلکہ اس کی سند پر قبضہ ہے، تو گویا کہ رأس المال (Capital) پر قبضہ نہیں پایا گیا، حالانکہ بیع سلم میں رأس المال پر قبضہ ضروری ہے، ورنہ "بيع الكالئى بالكالئى "(ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ) ہوجائے گی، جو شرعاً ممنوع ہے۔(۴)

---

(۱) بلوغ الامانی علی الفتح الربانی ، الساعاتی (احمد عبد الرحمن البنا) مصر ، مطبعة الفتح الربانی ، طبع اول ، ۱۳۵۶ ھج (۲/۲۴۸)

(۲)الفتاوی السعدية ، السعدی (الشيخ عبد الرحمن الناصر السعدی) السعوديه ، الرياض ، مكتبة المعارف ، طبع دوم ، ۱۹۸۲ء (ص ۳۲۴)

(۳) احكام الاوراق النقدية والتجارية للجعيد (۱۷۶)(۴) كما هو مصرح به فی جميع كتب الفقه.

(۲) نوٹ کے ذریعہ سونے یا چاندی کا معاملہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہوگی، اور بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے، حالانکہ یہاں نوٹوں پر قبضہ درحقیقت سونے یا چاندی کی رسید پر قبضہ ہے، اور سونا یا چاندی ادھار ہے، تو عوضین پر قبضہ نہیں پایا گیا۔(۱)

(۳) فقیر کو محض نوٹ دینے سے زکوۃ ادا نہیں گی۔(۲)

(۴) نوٹوں کے ذریعہ معاملہ ''حوالہ'' ہے، جو ''تعاطی'' (کسی خاص لفظ کے بغیر لین دین کرنا) کے طریقہ سے درست ہے، یعنی زید عمرو کو نوٹ دے کر اس سے کتاب خریدتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زید عمرو کو نوٹ دیکر گویا یہ کہہ رہا ہے کہ میرے ذمہ تمھارا جو دین ہے، اس کی یہ سند ہے، اور تم بجائے مجھ سے اس کے جاری کنندہ سے وصول کرو، اور یہی حوالہ ہے۔(۳)

(۵) نوٹ کا تبادلہ نوٹ سے درست نہیں ہوگا، اگرچہ مختلف الجنس ہوں، کیونکہ یہ بیع الکالئی بالکالئی (ادھار کا ادھار کے ساتھ بیع) ہے، جو ممنوع ہے۔

مناقشہ:

اس موقف سے احکام شرعیہ اور مختلف معاملات (Transactions) میں جو مشقت اور حرج لازم آتا ہے، وہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ نوٹوں کے ذریعہ مذکورہ بالا جیسے سارے معاملات معطل ہوجائیں گے، حالانکہ حرج شریعت میں بنصوص قرآن وسنت مدفوع اور مرفوع ہے، چنانچہ محقق عبدالرحمٰن السعدی صاحب اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''لایخفی ان جمیع اقطار الدنیا الاالنزر الیسیر کل معاملاتھم فی ھذہ الاوراق التی تسمی الانواط ، فلوحکم لھا باحکام السندات والدیون لتعطلت المعاملات فی الوقت الذی تقتضی الاحوال وظروفھا ان یخفف فیہ غایۃ التخفیف''

(۱) احکام الاوراق النقدیۃ للعثمانی (ص ۱۰)

(۲) امدادالفتاوی (۵/۲)

(۳) بھجۃ المشتاق بحوالہ احکام الاوراق النقدیۃ للجعید.

''تمام دینا کے معاملات انہی نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتے ہیں، لھذا اگر یہ کہا جائے کہ یہ نوٹ دین کی سندات ہیں، تو تمام معاملات معطل ہو جائیں، حالانکہ حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ معاملات میں بہت ہی تخفیف ہو جائے۔''(۱)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''فیه حرج عظیم والمعهود من الشریعة السمحة فی مثله السعة والسهولة الخ

''اس میں عظیم اور نا قابل برداشت حرج ہے، حالانکہ شریعت مطہرہ کا مزاج ان جیسے حالات میں گنجائش اور وسعت کرنے کا ہے۔''(۲)

نیز اس تنگی کو لوگ قبول تو کریں گے نہیں، تو حرام معاملات کا ارتکاب کریں گے، اور نوٹ کا سندِ دین ہونا کسی نص صریح قطعی سے ثابت تو ہے نہیں، جس میں کوئی اور احتمال نہ ہو، لھذا بہتر یہی ہے کہ نوٹ کو سند دین نہ قرار دیا جائے، تا کہ لوگ ارتکاب حرام سے محفوظ ہوں۔

کرنسی نوٹ پر جو وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہے، جس کی تفصیل گزر چکی، یہ شروع میں تو درست تھا، لیکن اب یہ بے معنی ہے، اب جاری کنندہ اس بات کا کوئی پابند نہیں کہ نوٹ کے حامل (Holder) کو سونا یا چاندی دیدے، بلکہ کاغذی نوٹ کی پشت پر کوئی سونا یا چاندی ہے ہی نہیں، بلکہ اس وعدہ اور ضمانت کا صرف اتنا فائدہ ہے کہ جاری کنندہ حامل کو بوقت مطالبہ سکے یا دوسرے نوٹ دیدیتا ہے، یا کوئی سامان دیدیتا ہے، جیسا کہ جیوفرے گراؤتھر (Geoffry Growther) نے لکھتے ہیں:

"The promise to pay which appears on their face is now utterly meaningless. Not even in amounts of 1700 cannot now be converted into gold. The note is no more than a piece of paper, for no intrinsic value whatever, and if were presented

(۱) الفتاوی السعدیة (ص ۱۸۲)

(۲) احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۱٦)

for redemption, the Bank of England could honour its only by giving silver coins or another notes, but it is accepted as money throughout the British Isles."

''کرنسی نوٹوں پر جو یہ عبارت لکھی ہوئی ہوتی ہے کہ حامل ھذا کو مطالبہ پر ادا کریگا، اب اس عبارت کا کوئی مقصد اور معنی باقی نہیں رہے، اس لئے اب موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں کی کسی بھی مقدار کو سونے میں تبدیل کرانے کی کوئی صورت نہیں، چاہے ان نوٹوں کی مقدار سترہ سو پونڈ یا اس سے زیادہ کیوں نہ ہو، اب موجودہ دور میں یہ کرنسی نوٹ ایک کاغذ کا پرزہ ہے، جس کی ذاتی کوئی قیمت نہیں، اور اگر کوئی شخص اس پونڈ کو بنک آف انگلینڈ میں پیش کرے، تو بنک یا تو علامتی سکے دے دیگا، یا سکے بجائے دوسرے نوٹ پکڑا دے گا، لیکن کاغذی پونڈ برطانیہ کے تمام جزائر میں زر کے طور پر رائج ہیں۔'' (۱)

خلاصہ یہ کہ یہ ''وعدہ'' (promise) نوٹ کی ثمنیت کو باطل نہیں کرتا، بلکہ اس کو مزید تقویت بخشتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نوٹ کے ساتھ لین دین کے سلسلہ میں لوگوں کا اعتماد بڑھ جاتا ہے۔

لھذا یہ موقف نہایت کمزور اور موجبِ حرج ہے، بلکہ نا قابلِ عمل ہے، اس لئے آج کل کے حالات میں اس کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق دوسرا نظریہ:

نوٹ مال اور سامان (Goods) ہے، کیونکہ لین دین اور سارے معاملات نفسِ کاغذ ہی سے متعلق ہوتے ہیں، اور کاغذ مال متقوم (قیمت والا) ہے، جس کی قدر و قیمت عرف ورواج کی وجہ سے بڑھ گئی، جیسے ہیرے، جواہرات کہ انتہائی قیمتی ہوتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت مال اور سامان کی ہوتی ہے۔

ہندوستانی میں علماء کرام میں علماء رام پور اور جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کی بھی یہی رائے ہے، اور یہی شیخ عبدالرحمٰن بن سعدی کے نزدیک راجح معلوم ہوتی ہے۔ (۲)

(۱) بحوالہ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۲۵)

(۲) الفتاوی السعدیہ (ص ۳۲۷ تا ۳۲۹)

احمد رضا خان صاحب بریلوی کا اس موضوع پر باقاعدہ رسالہ ہے، جس کا نام ہے "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام القرطاس والدراھم" اس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ نوٹ مال اور سامان ہے، سندِ دین یا خود ثمن نہیں، چنانچہ فرمایا:

"اما اصله فمعلوم انه قطعة كاغذ والكاغذ مال متقوم وما زادته هذه السكة الارغبة للناس اليه وزيادة فی صلوح ادخاره للحاجات ، و هذا معنى المال ای مايميل اليه الطبع ويمكن ادخاره للحاجة الخ"

"اس کی (نوٹ) اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اور کاغذ مال متقوم ہے، اور اس کے سکے ہونے نے اس کی طرف رغبتیں بڑھائیں، اور یہ کہ وقتِ حاجت کے لئے اٹھا رکھنے اور ذخیرہ کرنے کا زیادہ لائق ہوگیا، اور مال کے یہی معنی ہیں، کہ طبع اس کی طرف مائل اور رغبت ہو، اور زمانہ مستقبل کی ضرورتوں کے لئے اس کو ذخیرہ کیا جا سکے۔"(۱)

دلائل:

۱۔ عروض (سامان) کی جتنی تعریفات ہوئی ہیں، وہ سب کاغذی نوٹ پر صادق آتی ہیں، مثلاً:

"العرض هو كل ماعدا العين والطعام من الاشياء كلها"

"سونے چاندی اور طعام کے علاوہ تمام اشیاء سامان میں داخل ہیں۔"

"هو ماسوى النقد"

"جو نقد کے علاوہ ہو، وہ سامان ہے۔"

"هو كل مالازكوة فی عينه"

"سامان ہر وہ چیز ہے، جس کی ذات میں زکوۃ واجب نہ ہو۔"

هو ماعداالحيوان والطعام والنقد"

(۱) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام القرطاس والدراھم، بریلوی (مولوی احمد رضاخان بریلوی) لاھور، شبیر برادرز ، اردو بازار لاھور،(ص ۱۳)

''سامان حیوان، طعام اور نقد کے علاوہ ہر چیز کو کہتے ہیں۔''(۱)

۲/ جب نوٹ کے بدلہ میں کوئی چیز خریدی جائے، تو عقد اسی نوٹ پر واقع سمجھا جاتا ہے، سونے یا چاندی پر واقع نہیں سمجھا جاتا، اور اس نوٹ کی قیمت مقرر ہوتی ہے، تاکہ لوگ اس میں رغبت کا اظہار کریں، یہ نوٹ اپنی ذات کے اعتبار سے سونے چاندی سے بالکل مختلف ہے، یہ ایک محض ایک کاغذ ہے، اگرچہ ثمن بننے میں سونے چاندی کی طرح ہے، اور سونے چاندی کے موافق ہے، لیکن اس موافقت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو سونے یا چاندی کا حکم دیا جائے، دیکھئے موتی یا ہیرا اگر قیمت میں سونے چاندی کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے، تو کیا موتی یا ہیرے کو سونے یا چاندی کا حکم دیا جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں، اسی طرح نوٹ کا معاملہ بھی ہے۔(۲)

۳/ نوٹ نہ مکیلات میں سے ہے، اور نہ موزونات میں سے، اور اس کی کوئی ایسی جنس بھی نہیں، جس پر نوٹ کو قیاس کیا جائے۔

۴/ فقہاء کرام نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ نئے واقعات کو مشابہ ترین (Most Similar) منصوص علیہ شئی کے ساتھ ملایا جائے گا، اور اسی کا حکم ان واقعات جدیدہ کو دیا جائے گا، اس قاعدہ کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ نوٹ کو سامان کے ساتھ ملایا جائے، کیونکہ سامان اس کو کہتے ہیں کہ جو نہ کیلی ہو، اور نہ وزنی، نہ حیوان ہو، اور نہ زمین۔(۳)

۵/ ان نوٹوں کی حکومت اگر ختم ہو جائے، تو ان نوٹوں کی کچھ قیمت باقی نہیں رہتی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بذاتِ خود نقد (زر) نہیں، گو وقتی طور پر زر (Money) قرار دیا گیا ہے، تاکہ لوگوں کی رغبتیں بڑھ جائیں، بخلاف سونے چاندی کے کہ اس میں یہ بات نہیں، وہ بہر حال نقد ہی ہے، لھذا سونے چاندی پر نوٹوں کو قیاس کرنا اور ان کے احکام ان کو دینا قیاس مع الفارق ہے۔(۴)

(۱) شرح الصاوی للشیخ محمد ابراهيم المبارک، بحواله احكام الاوراق النقدية والتجارية للجعيد (ص ۱۹۰)

(۲) الفتاوی السعدية (ص ۳۱۸)

(۳) جريدة البلاد السعودية العدد ۲۹۱۷ (۱۳۷۸/۶/۲۲ هج)

(۴) الفتاوی السعدية (ص ۳۲۰)

تفریعات:

ا............اس موقف پر جو سب سے اہم اور خطرناک مسئلہ متفرع ہوتا ہے وہ یہ کہ کاغذی نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں، لھذا نوٹوں میں ربا لفضل جائز ہوگا، مثلاً زید عمرو کے ہاتھ ایک ہزار روپے آٹھ سو روپے میں فروخت کرسکتا ہے، البتہ ربا النسیہ نوٹوں میں ان کے ہاں بھی ناجائز ہے، کیوں کہ وہ ''کل قرض جر نفعا فھو ربا '' کے کلیہ میں داخل ہے۔

چنانچہ احمد رضا خان صاحب بریلوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''نعم یجوز بیعه بازید من رقمه وبانقص منه کیفما تراضیا الخ''

''ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہوئی ہے، اس سے رائد یا کم پر اس کا بیچنا جائز ہے، جبکہ باہمی رضامندی سے ہو۔''(ا)

اور فتاوی سعدیہ میں مذکور ہے:

''فتعین انها سلع یثبت لها مایثبت لسائر السلع من زیادة ونقصان وجواز بیع بعضها ببعض متماثلا او متفاضلا من جنس او اجناس الخ''

''تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نوٹ سامان ہے، دوسرے سامان کی طرح اس میں بھی کمی بیشی جائز ہوگی خواہ دونوں نوٹ ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔''

اور شیخ سلیمان الحمدان اپنے ایک فتوی میں فرماتے ہیں:

''اذا علم هذا فلامانع من بیع الورق علی اختلاف انواعه و مسمایاته من الریالات او الدنانیر او الجنیهات باحد النقدین باحد النقدین الذهب والفضة متفاضلاً او نساء ولادخل للربا فی شئی من ذلک لان الورق لیس من الاموال الربویة ولان الربا مختص بالمکیلات والموزونات والورق لیس بمکیل ولاموزون .''

(ا) کفل الفقیه الفاهم فی احکام القرطاس والدراهم (ص ٦٢)

"..........نوٹوں کے تبادلہ میں ربا کا کوئی دخل نہیں، کیوں کہ نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں، اور اس لئے بھی کہ ربا خاص ہے مکیلات اور موزونات کے ساتھ اور نوٹ نہ مکیل ہے، اور نہ موزون۔"(۱)

۲ / نوٹوں میں اگر تجارت کی نیت نہ ہو، تو زکوۃ واجب نہیں۔(۲)

۳ / نوٹوں کے ذریعہ مضاربت جائز نہیں، کیونکہ مضاربت میں مال کا دراھم یا دنانیر ہونا ضروری ہے، یا نقود کا ہونا ضروری ہے، جبکہ نوٹ نقود نہیں، بلکہ عروض ہے۔

مناقشہ:

پہلی بات تو یہ کہ نوٹوں میں اس موقف کے مطابق ربا الفضل یا ربا النساء جاری نہیں ہوگا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، کیونکہ اس ربا کا دروازہ کھل جائے گا، اور اس موقف کے مطابق ربا نوٹوں میں اس لئے جاری نہیں ہوتا کہ نوٹ عروض ہیں، نہ مکیلات میں سے ہیں، اور نہ موزونات میں سے ہیں، اور نہ ان میں ثمنیت ہے، لھذا ربا لفضل کی کوئی علت بھی نوٹ میں موجود نہیں۔

موقف ثانی کی دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عروض کی تعریفات نوٹوں پر صادق آتی ہیں، حالانکہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ یہ تعریفات فقہاء کرام نے خاص خاص مقامات کی مناسبت سے ذکر کی ہیں، یہ عام تعریفات نہیں، مثلاً زکاۃ کے باب میں زکاۃِ حیوان کو ذکر کیا، زکاۃِ ارض کو ذکر کیا، زکاۃِ سیم وزر کو ذکر کیا، پھر عروض کی باری آئی، تو مقام کی مناسبت سے اس کی ایسی تعریف کی، جو اسی مقام کے ساتھ مناسب تھی، جیسا کہ کتبِ مالکیہ میں میں ہے:

"المراد بالعرض هنا مقابل الذهب والفضة"

"عرض سے یہاں مرادوہ چیز ہے، جو سونے چاندی کے مقابلہ میں ہو۔"(۳)

---

(۱) جريدة البلاد السعودية العدد ۲۹۱۷ (۲۲/۶/۱۳۷۸ هج)

ــــــــــ المعاملات المالية المعاصرة فی الفقه الاسلامی ، الدكتور عثمان شبير ، بيروت ،

دار النفائس ، طبع سوم ۱۴۱۹ هج

(۲) حوالہ بالا۔(۳) الخرشي علی سيدی خليل ، الخرشی (محمد الخرشی المالكی) بيروت،

دار الصادر (۲/۲۹۵)

دلائل میں یہ کہنا کہ جب جب نوٹوں کی حکومت ختم ہو جاتی ہے، تو ان کی قیمت ختم ہو جاتی ہے، جو تعریف میں ''یہاں'' کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ''عرض'' کی یہ تعریف صرف یہاں کے خاص ہے، یہ کوئی عام تعریف نہیں۔

زوالِ ثمنیت کی دلیل ہے، تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ہماری گفتگو نوٹوں کے بارے میں اس وقت ہے، جب ان کی قیمت برقرار ہو، تو اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ ان کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ اور جب ان کی قیمت ہی نہ رہے تو یہ صورت ہماری بحث سے خارج ہے۔

نوٹوں کی شرعی حیثیت سے متعلق تیسرا نظریہ:

تیسرا موقف نوٹوں سے متعلق یہ ہے کہ نوٹ سونے چاندی کا قائم مقام ہے، یعنی نہ تو ان کی حیثیت محض سندِ دین کی ہے، اور نہ یہ عروض ہے، اور ان میں بذاتِ خود ثمنیت ہے، لیکن چونکہ عرف ورواج کی وجہ سے کاغذی نوٹ اصل ثمن (سونے چاندی) کے قائم مقام اور اس کا بدل (Substitute) ہے، لھذا جو احکام اصل اور ''مبدل'' کے ہوں گے، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس نظریہ کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک نوٹ ثمن تو ہے، لیکن اس پر احکام سونے چاندی کے لاگو ہوں گے، نہ کہ فلوس کے، نوٹ کے بارے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:

> ''پس پیسے (فلوس) اگر چہ عرفاً ثمن ہیں، مگر عینِ ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں، بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے، گو ثمنیت خلقیہ نہیں، بلکہ ثمنیت عرفیہ ہو، پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو، کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں، حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور اور عرف کے اس میں بھی ثمنیت کی صفت آ گئی ہو، پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا گیا جائے گا، اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔''(۱)

(۱) مجموعۃ الفتاوی، لکھنوی (مولانا عبدالحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک (۱۳۷/۲)

۱..........اس پر اتفاق ہے کہ نوٹ تمام معاملات میں سونے چاندی کا بدیل ہے، اور اس کا مقام ہے، اور تمام معاملات میں نوٹ نے سونے چاندی کا مقام لیا، تو لامحالہ احکام میں بھی نوٹ سونے چاندی کی طرح ہوگا، خاص طور پر جبکہ مشہور اصولی قاعدہ ہے کہ: "البدل له حكم المبدل" یعنی بدل احکام میں مبدل کی طرح ہوگا، یہاں مبدل سونا اور چاندی ہے، اور بدل کاغذی نوٹ ہے۔

۲..........احکام شرعیہ میں اعتبار معانی اور مقاصد کا ہے، معروف اصولی قاعدہ ہے: "الامور بمقاصدها" یعنی تمام امور کا دارومدار مقاصد پر ہے، الفاظ اور ظاہری شکلوں پر نہیں، تو نوٹ کی وضع سے مقصد ثمینت ہے، لھذا مقاصد کے اعتبار سے نوٹ سونے اور چاندی کی طرح ہوگا۔(۱)

تفریعات:

ا۔ نوٹ تمام احکام شرعیہ میں جب سونے چاندی کی طرح ہوگیا، اور سونے چاندی کا مقام نوٹ کو نیابۃً حاصل ہوگیا، تو نوٹ کے وہی احکام ہوں گے، جو سونے چاندی کے ہیں، اور وہ معروف ہیں، لھذا:

الف: نوٹ پر زکوۃ واجب ہوگی۔

ب: نوٹ کے ذریعہ زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

ج: نوٹ میں ربا کی تمام اقسام جاری ہوں گی، یعنی ربا الفضل، ربا النسیئہ اور ربا النساء نوٹ میں حرام ہوں گے، لیکن اس نظریہ کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو نوٹوں کا تفاضلاً تبادلہ اس وقت ناجائز ہوگا، جبکہ ان دونوں نوٹوں کا مبدل اور اصل سونا ہے، یا چاندی ہے، اس صورت میں چونکہ یہ دونوں نوٹ متحد الجنس ہونگے، اس لئے ان کا تفاضلاً بیع درست نہ ہوگی، لیکن اگر دو نوٹ ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک کا مبدل اور اصل سونا ہے، اور دوسرے کا چاندی ہے، تو اس صورت میں ان دونوٹوں کا تفاضلاً بیع درست ہوگی، کیونکہ یہ دونوں نوٹ مختلف الجنس ہیں، البتہ جانبین سے قبضہ جس کو "تقابض" کہتے ہیں، ضروری ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہے، جس میں تقابض ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے مستقل بحث کی شکل میں آئے گی۔

د: بیع صرف اپنی شرائط کے ساتھ نوٹ میں جائز ہوگی۔

---

(۱) الفتاوی السعدية (۳۲۲تا۳۲۴)

مناقشہ:

معاملات میں نوٹ کا سونے اور چاندی کی طرح رواج پانے سے لازم نہیں آتا کہ یہ کہا جائے کہ اصل سونا چاندی ہے، اور نوٹ نائب ہے، لھذا دونوں کے احکام ایک ہونگے، کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے، نوٹ کو مستقل ثمن کی حیثیت حاصل ہو، جیسا کہ فلوس کو یہ حیثیت حاصل ہے، حالانکہ فلوس بھی سونا چاندی کی طرح رواج میں رہے ہیں، لھذا یہ وجہ نہایت کمزور ہے۔

نیز جب ان نوٹوں کی پشت پر سرے سے سونا یا چاندی موجود ہی نہیں، تو زکوۃ یا سود کے مسائل میں یہ فیصلہ کس طرح ہوگا کہ اس نوٹ کا مبدل اور اصل سونا ہے، اور اس کا چاندی ہے، اس صورت میں یہ فیصلہ بہت مشکل ہوگا، اور ان مسائل میں لوگ حرج عظیم میں مبتلاء ہو جائیں گے، حالانکہ حرج دینِ اسلام کے مزاج کے یکسر خلاف ہے، اور قرآن اور حدیث نے اس کی نفی کی ہے۔

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا نظریہ:

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا موقف یہ ہے کہ نوٹ بذاتِ خود ثمن عرفی ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، یعنی نوٹ نہ سندِ دین ہے، نہ عروض ہے، اور نہ سونے چاندی کا بدیل ہے، بلکہ خود ثمن ہے، اور احکام شرعیہ میں فلوس کی طرح ہے۔

اکثر علماء اسی نظریہ کے قائل ہیں، اور یہی نظریہ ہمارے نزدیک راجح ہے، اس لئے ہم اس کو قدرِ زیادہ تفصیل کے ساتھ اور مفصل حوالہ جات کے ساتھ بیان کریں گے، چند مشہور اور معروف علماء عرب وعجم کی عبارات ملاحظہ مع ترجمہ ملاحظہ ہوں:

ا.........شیخ عبداللہ بن سلمان جو دارالافتاء ریاض کے رکن ہیں، فرماتے ہیں:

"هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس فى طرؤ
الثمنية عليها فما ثبت للفلوس من احكام الربا والزكاة والسلم
تثبت للاوراق النقدية مثلها وقد قال بهذه النظرية مجموعة
كبيرة من افاضل العلماء و يعتبر القائل بها فى الجملة وسطا
بين القائلين بالنظرية السندية والقائلين بالنظرية العرضية،

ولاشک انه اقرب الاقوال الی الاصابة فی نظرنا

(النقد الورقی ص ۸۳)

''اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ ثمن طاری ہونے میں فلوس کی طرح ہیں، سو ربا، زکاۃ اور سلم کے جو احکام فلوس میں جاری ہوتے ہیں، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہونگے، اس نظریہ کا قائل فاضل علماء کی ایک بڑی جماعت ہے ، اور اس نظریہ کا قائل دو نظریوں یعنی یہ نظریہ کہ نوٹ سند ہے، اور یہ نظریہ کہ نوٹ عرض ہے، کے درمیان فیصل اور ثالث ہے، (یا اس نظریہ کا قائل مذکورہ دو نظریوں کے قائلین کے درمیان میں ہے، یعنی یہ نظریہ اعتدال پر مبنی ہے۔) اور بلاشبہ یہ نظریہ ہماری نظر میں حق اور درستگی کے زیادہ قریب ہے ۔''(۱)

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے اس نظریہ کی کتنی پرزور تائید فرمائی کہ:

الف: اس قول کو علماء افاضل کی ایک بڑی جماعت کی طرف منسوب کیا۔

ب: اس قول کے قائل کو ''وسط'' کہا۔

ج: اس قول کو حق کے زیادہ قریب کہا۔

شیخ احمد خطیب اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

" فتبین بجمیع ذلک ان النوت کا لفلوس النحاسیة فی جمیع احکامها ظاهراً وباطناً (اقناع النفوس بالحاق النوت بالفلوس ص ۴۸)

''ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوٹ ظاہراً و باطناً تمام احکام میں تانبے سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔''(۲)

شیخ عبداللہ بن بسام فرماتے ہیں:

(۱) بحوالہ جدید فقہی مباحث للقاسمی۔

(۲) حوالہ بالا۔

"لانها ليست ذهبا و لافضة وانما هي اثمان تتغير كما
تتغير القروش بالكساد والرواج وتقرير الحكومات...فان
كان الورق بالقروش اشبه وبه اولى فالاحسن ان تلحق به
وان تعطى حكمه وحكم القروش معروف الخ
(الورق النقدی ص ۸۱)(۱)

"کیونکہ یہ (نوٹ) سونا اور چاندی نہیں، یہ تو اثمان ہیں، ان میں
"کساد، رواج" اور حکومتوں کے انقلابات سے اس طرح تغیر واقع ہوتا ہے
جس طرح نیکل کے سکے بدلتے ہیں، پس اگر نوٹ نیکل کے سکوں کے زیادہ
مشابہ ہیں، اور ان کے زیادہ قریب ہیں، تو پھر بہتر یہی ہے کہ ان کو ان ہی کے
ساتھ ملایا جائے، اور ان کو ان ہی کا حکم دیا جائے، اور نیکل کے سکوں کا حکم
معروف ہے۔"(۲)

سعودیہ عربیہ کے علماء کبار کی مجلس نے نوٹوں کے سلسلہ میں اکثریت کے ساتھ جو قرارداد منظور کی، وہ درج ذیل ہے:

"ان الورق النقدي يعتبر نقداً قائما بذاته كقيام النقدية
في الذهب والفضة وغيرها من الاثمان وانه اجناس تتعدد بتعدد
جهات الاصدار بمعنى ان الورق النقدي السعودي جنس وان
الورق النقدي الامريكي جنس وهكذا كل كل عملة ورقية جنس
مستقل بذاته الخ

"نوٹ بذات خود زر ہے، جیسا کہ سونا چاندی اور دیگر اثمان ہیں، اور یہ
کہ نوٹ کی جنس جاری کنندہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے، (یعنی دو نوٹ

---

(۱) بحوالہ: جدید فقہی مباحث للقاسمی جلد دوم

(۲) ایضاً

اس وقت مختلف جنس شمار ہوں گے، جب ہر نوٹ کا جاری کنندہ الگ الگ ہو۔) مطلب یہ کہ سعودی نوٹ (ریال) الگ جنس ہے، امریکی نوٹ (ڈالر) الگ جنس ہے، اور اسی طرح ہر کاغذی کرنسی مستقل جنس ہے۔"(۱)

شیخ احمد البنا نوٹ کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"فالذی اراہ حقا وادین اللہ علیہ ان حکم الورق المالی کحکم النقدین تماما سواء بسواء لانہ یتعامل بہ کالنقدین تماما، ولان مالکہ یمکنہ صرفہ فی قضاء مصالحہ بہ فی ای وقت شاء فمن ملک النصاب من الورق المالی ومکث عندہ حولا کاملا وجبت علیہ زکاۃ باعتبار الفضۃ الخ"

"جس کو میں حق سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ کاغذی نوٹ بالکل برابر سرابر سونا چاندی کے حکم میں ہے، کیونکہ نوٹ کے ذریعہ سونا چاندی کی طرح معاملہ ہوتا ہے، اور نیز نوٹ کے مالک کے لئے ممکن ہے کہ وہ نوٹ سے اپنی ضروریات جس وقت چاہے، پوری کر سکتا ہے، لھذا جو نوٹ میں سے نصاب کا مالک ہو، اور اس نصاب پر پورا سال گزر جائے تو ایسے شخص پر چاندی کے حساب سے زکوۃ واجب ہو جائے گی۔"(۲)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:

"فاتضح بنا ذکرنا ان النقود الورقیۃ لم تبق الآن سندات لدیون فی تخریجھا الفقھی، وانما صارت اثمانا رمزیۃ یعبر عنھا الفقھاء بکلمۃ الفلوس النافقۃ، فان الفلوس النافقۃ تکون قیمتھا الاسمیۃ اضعاف قیمتھا الذاتیۃ فکذلک الاوراق النقدیۃ تکون قیمتھا الاسمیۃ اضعاف

(۱) ابحاث ھیئۃ کبار العلماء بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع اول ۱۴۰۹ ھج (۱/۵۷)

(۲) الفتح الربانی

قیمتها الذاتیة وجرت بها التعامل العام فیما بین الناس دون ایما فرق بینها وبین الفلوس النافقة الخ"

"ہماری بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کاغذی نوٹ اب دیون کی سندات نہ رہے، اب تو یہ علامتی اثمان بن گئے، جن سے فقہاء کرام "فلوس نافقہ" کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ فلوس نافقہ کی ظاہری قیمت اس کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ کاغذی نوٹ کا یہی حال ہے، کہ ان کی ظاہری قیمت ان کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہے، اور ان نوٹوں کے ذریعہ لوگوں کے درمیان تعامل جاری ہے، اور تعامل کے لحاظ سے ان میں اور فلوس میں کوئی فرق نہیں۔"(۱)

ڈاکٹر محمد سلیمان الاشقر اس بابت فرماتے ہیں:

"القول الثالث انها عملة نقدیة قائمة بذاتها تعامل معاملة الذهب والفضة الا انها شئی آخر لیست هی الذهب ولیست هی الفضة ولیست هی قائمة مقام الذهب ولاالفضة ، بل هی اجناس اخری بحسب الدول المصدرة لها ، فالدنانیر الکویتیة جنس و الدنانیر العراقیة جنس ثان والدولارات الامریکیة جنس ثالث وهکذا .

ودلیل هذا القول دلیل واحد وهو القیاس علی الذهب والفضة بجامع الثمنیة ، وهذا القول هو السائد الآن فی الاوساط الاسلامیةالملتزمة بالشریعة ...وقد درج علیه غالبیة المسلمین الملتزمین فی التعامل ...وصدرت الفتاوی من کثیر من المفتین بهذا القول وصدرت قرارات من بعض المجامع الفقهیة بموجبه الخ"

(۱) احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۱۵)

''(نوٹوں کے سلسلہ میں) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ بذات خود ایک کرنسی زر ہے، جس کے ساتھ سونے چاندی جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، مگر مختلف چیز ہے، نہ یہ سونا ہے، نہ چاندی ہے، اور نہ سونے چاندی کا قائم مقام ہے ، بلکہ یہ (نوٹ) جاری کنندہ ممالک کے پیش نظر بالکل مختلف اجناس ہیں، کویتی دینار ایک جنس ہے، عراقی دینار جنس ثانی ہے، امریکی ڈالر جنس ثالث ہے، اور اسی طرح دوسری کرنسیوں کا حال ہے۔

اور اس قول کی دلیل ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ نوٹوں کو سونے چاندی پر علتِ ''ثمنیت'' کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے۔

اب ان ممالک میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، اسی قول کو درست سمجھا جاتا ہے، اور اکثر مسلمان اسی کے مطابق باہمی معاملات چلاتے ہیں، بہت سارے مفتیانِ کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے، اور بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔''(۱)

ڈاکٹر اشقر کی یہ عبارت اس موقف پر نہایت صاف، واضح اور بے غبار ہے، اور اس میں بہت باتیں اہم ہیں، جن کا مختصر تجزیہ درج ہے:

(۱) نوٹ بذات خود کرنسی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نوٹ سندِ دین نہیں، اور نہ ہی عروض ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۲) جس کے ساتھ سونے چاندی جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، مگر مختلف چیز ہے، نہ یہ سونا ہے، نہ چاندی ہے، اور نہ سونے چاندی کا قائم مقام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ نوٹ تعامل میں سونے چاندی کی طرح ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تعامل کی وجہ سے نوٹ سونے چاندی کا مقام قرار دیا جائے، اور سونے چاندی کا بدیل قرار دیا جائے، اور احکام میں اس کو سونا چاندی کا تابع بنایا جائے، جیسا کہ تیسرے نظریہ والوں نے کیا ہے۔

(۱) مجلة مجمع الفقه الاسلامي، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث، ۱۴۰۹ھ، (ص ۱۶۸۶)

(۳) اور اس قول کی دلیل ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ نوٹوں کو سونے چاندی پر علتِ ''ثمنیت'' کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی ''مقیس علیہ'' ہے، نوٹ ''مقیس'' ہے، اور ''ثمنیت'' علت ہے۔

(۴) اب ان ممالک میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، اسی قول کو درست سمجھا جاتا ہے، اور اکثر مسلمان اسی کے مطابق باہمی معاملات چلاتے ہیں، بہت سارے مفتیانِ کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے، اور بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔ اس عبارت میں مختلف طریقوں سے اس قول کی ترجیح ذکر ہے کہ:

الف: اکثر ممالک میں یہ قول درست سمجھا جاتا ہے۔

ب: اکثر ممالک میں اس کے مطابق تعامل جاری ہے۔

ج: بہت سارے مفتیانِ کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے۔

د: بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی اس سلسلہ میں جو قرارداد ہے، اس کے الفاظ درج ہیں:

''وبعد الاطلاع على قرار المجمع رقم ۹ فی الدورة الثالثة بان العملات الورقية نقود اعتبارية فيها صفة ثمنية كاملة ، ولها الاحكام الشرعية المقررة للذهب والفضة من حيث احكام الربا والزكاة والسلم وسائر احكامها .''

''پیپر کرنسی زرِ اعتباری ہے، جس میں کامل ثمنیت ہے، سود، زکاۃ، سلم اور دیگر احکام جو سونے چاندی کے ہیں، وہ احکام نوٹ کے بھی ہیں۔''(۱)

دلائل:

دلیل اول: نوٹ قانونی کرنسی (Legal Tender) بن گیا ہے، اور معاملات میں نوٹ قبول کرنے پر اس طرح لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے، جس طرح دوسرے عرفی اثمان کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا

(۱) المرجع السابق (ص ۲۲۶۱)

جاتا ہے، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو دوسری مالی دستاویزات کی قبولیت پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا جاتا، مثلاً اگر کسی نے دوسرے شخص کو قرضہ دیا، یا کسی نے دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز بیچی، اور وہ مقروض یا خریدنے والا اس کو نوٹ دیتا ہے، تو اس صورت میں اس کے لئے انکار کی گنجائش نہیں، لیکن اگر وہ اس کو نوٹ کے بجائے چیک پکڑاتا ہے، تو وہ چیک قبول کرنے سے قانوناً انکار کرسکتا ہے، نیز یہ بھی یاد رہے کہ کرنسی نوٹ غیر محدود قانونی کرنسی (Unlimited Legal Tender) ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی۔

دلیل دوم: ''سندِ دین'' قانوناً ہر کوئی جاری کرسکتا ہے، مثلاً مدیون دائن کے لئے کوئی رقعہ تحریر کرے، جیسا کہ معاملات میں ہوتا رہتا ہے، لیکن نوٹ جاری کرنے کا اختیار قانوناً ہر کسی کو حاصل نہیں۔

دلیل سوم: اگر دیکھا جائے تو نوٹ پر ہر جگہ اور ہر عرف میں ''ثمن'' اور ''زر'' کا اطلاق بولا جاتا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نوٹ سندِ دین یا عروض نہیں، اور نہ ہی سونے چاندی کا بدیل ہے۔

دلیل چہارم: دیکھئے! سکوں میں کاروبار جاری ہے، اور لوگ سکوں کے ذریعہ باہمی معاملات چلا رہے ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی پشت پر سونا یا چاندی ہے، یا نہیں، یہی حال بعینہ آج کل نوٹوں کا ہے، کہ لوگوں کے معاملات میں نوٹ چل رہے ہیں، اور تعامل میں نوٹ جاری ہیں، لیکن کسی کا سونا یا چاندی کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا، اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے نوٹ کو سونے چاندی کی سند، یا عروض یا سونے چاندی کا بدیل کس طرح کہیں گے؟

دلیل پنجم: سونے چاندی کے ارتقاء (Evolution) پر جو مراحل گزرے ہیں، اس میں یہ بات ہم نے ذکر کی ہے کہ اب کچھ عرصہ سے ان نوٹوں کی پشت سونے اور چاندی سے بالکل خالی ہوگئی، اور نوٹ کو سونے چاندی کا کوئی سہارا حاصل نہیں، اس حال میں نوٹ سونا یا چاندی کی کس طرح سند ہوگی، یا کس طرح بدیل ہوگا؟ اس سلسلہ میں جیوفرے گراؤتھر (Geoffry Growther) کی عبارت پیچھے گزر چکی ہے۔

دلیل ششم: یہ بات تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ نوٹ کو سند دین یا عروض قرار دینے کی صورت میں کئی مفاسد لازم آتے ہیں، اور ربا کا دروازہ کھل سکتا ہے، نیز اس سے ''سد الذرائع'' کے قاعدہ میں جو شریعت کا بہت اہم قاعدہ ہے، خلل پڑ سکتا ہے، کیونکہ اگر نوٹ کو عروض قرار دیکر اس میں ربا الفضل کو جائز قرار

دیا جائے، تو لوگ اس کا بصورتِ بیع (Sale) کاروبار شروع کریں گے، اور ربالفضل کا بازار گرم ہو جائے گا، کیونکہ ہمارے ہاں سونا چاندی تو ہے نہیں، یہی نوٹ سب کچھ ہے۔

دلیل ہفتم: نوٹ کو سندِ دین یا عروض قرار دینے کی صورت میں لوگ معاملات کے سلسلہ میں مختلف مشاکل اور مسائل میں واقع ہو جائیں گے، اور معاملات میں حرج ومشقت پیش آجائے گی، تفصیل گزر چکی ہے، اور حرج شریعت اسلامیہ میں مرفوع اور مدفوع ہے، جبکہ نوٹ کو بذاتِ خود ثمن قرار دینے میں اس قسم کی کوئی خرابی نہیں، اور نہ ہی کوئی حرج ہے۔

دلیل ہشتم: اثمان میں ''علت ربا'' کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے کہ راجح قول یہی ہے کہ اثمان میں علت ربا ثمنیت مطلقہ ہے، یہ ثمنیت کسی بھی شئی میں پائی جائے، تو اس پر اثمان کے سارے احکام جاری ہوں گے، اور آج کل تعامل کے پیش نظر نوٹوں کا حال بالکل یہی ہے۔

دلیل نہم: باب اول میں ''زر'' کی جو تعریف (Definition) بیان ہو چکی ہے، وہ مکمل طریقہ سے نوٹ پر صادق ہے، لھذا نوٹ کو زر نہ کہنا خلافِ انصاف ہے۔

دلیل دہم: باب اول میں زر کے جو وظائف (Functions) بیان ہو چکے ہیں، زر وہ تمام وظائف بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں، پھر کیوں نوٹ کو زر نہ کہا جائے؟(۱)

---

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية فی الفقه الاسلامی للجعيدعن الورق النقدی لابن منيع (ص۱۴۷)

ــــــــــ مجلة البحوث الاسلامية ، العدد الاول من المجلد الاول (ص۲۰۵)

ــــــــــ فقه الزكاة للقرضاوی (۱/۲۷۱)

ــــــــــ المعاملات المالية المعاصرة فی الفقه الاسلامی

ــــــــــ جديد فقهی مباحث

ــــــــــ احكام الاوراق النقدية للعثمانی

نوٹ کی فقہی حیثیت میں قول راجح:

انہی دلائل اور وجوہات کی بناء پر نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ:

نوٹ بذاتِ ثمن ہے، اس پر سونے چاندی کی طرح ثمن کے احکام جاری ہونگے، بس اتنا فرق ہے کہ سونا چاندی ثمن خلقی ہے، اور نوٹ ثمن عرفی ہے، نوٹ نہ سند دین ہے، نہ عروض ہے، اور نہ سونے چاندی کا بدیل (Substitute) ہے۔

وجوہِ ترجیح اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ ہوں!

۱..........نوٹ پر زر کی ذکر کردہ تعریفات صادق مکمل طور پر صادق آتی ہیں۔

۲..........زر کے جو شرعی اور اقتصادی وظائف ہیں، وہ نوٹ بحسن وخوبی سرانجام دیتا ہے۔

۳..........نوٹ کو زر اور بذاتِ خود ثمن قرار دینے سے زکاۃ، سلم، مشارکہ، مضاربہ وغیرہ معاملات میں نہایت سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

۴..........نوٹ کو زر اور ثمن قرار دینے سے سود کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور شریعت کے اہم اصل "سد الذرائع" پر عمل ہو جاتا ہے۔

۵..........نوٹ کی پشت پر سونا چاندی نہیں ہیں۔

۶..........ہر علاقہ اور ہر عرف میں نوٹ پر زر کا اطلاق ہوتا ہے۔

۷..........نوٹوں کے ساتھ تعامل کے وقت کسی کا ذہن سونے یا چاندی کی طرف نہیں جاتا۔

۸..........نوٹ کو قانونی طور پر کرنسی کا درجہ دیا گیا ہے۔

۹..........نوٹ کے اجراء کا حق ہر کسی کو حاصل نہیں، بلکہ صرف مرکزی بنک ہی اس کا مجاز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء امت نے اسی قول کو اختیار کیا، اور اسی کو ترجیح دی، اور احکام شرعیہ میں اسی قول کے مطابق فتاوی صادر کرتے ہیں، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ ان کی اصل عبارات بمع اردو ترجمہ کے ذکر ہوئیں۔(۱)

(۱) اضافی حوالہ جات: المعاملات المالیة المعاصرة "الراجح ماذهب اليه الفريق الثالث من ان

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

تنبیہ:

اگر دیکھا جائے، تو ان حضرات کی بات بھی درست ہے، جو نوٹ کو سندِ دین قرار دے رہے ہیں، لیکن یہ بات اس وقت درست تسلیم کی جاسکتی تھی، جب اس کی پشت پر سونا یا چاندی تھی، لھذا جس زمانہ میں نوٹ کی پشت سونے چاندی سے خالی نہیں تھی، اس وقت اگر کوئی نوٹ کو سندِ دین کہتا، تو اسکی بات درست تھی، لیکن جب اس کی پشت سونے چاندی سے خالی ہوگئی، تو اب اس کو سونے چاندی کی سند کہنے کی کوئی معقول اور وزنی وجہ اور دلیل موجود نہیں۔

یہ قاعدہ شرعیہ مسلم ہے کہ زمانہ میں تغیر (Change) واقع ہونے کی وجہ سے غیر منصوص احکام شرعیہ میں تغیر واقع ہوسکتا ہے، جس کے شریعت میں بہت نظائر ہیں، یہاں ان کو ذکر کرنا مناسب نہیں، انہی میں سے نوٹ کا مسئلہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے، کہ اُس وقت یہ سند تھا، اور بعد میں بذاتِ خود ثمن بن گیا، تو آراء میں اختلاف، زمانہ میں اختلاف کی وجہ سے ہوا۔

فائدہ:

نوٹ سے متعلق مذکور چار نظریوں میں سے نظریہء سند اور نظریہء عروض بالکل الگ اور ممتاز ہیں، ایک دوسرے سے بھی ممتاز ہیں اور آخری دو نظریوں سے بھی ممتاز ہیں، البتہ آخری دو نظریے پہلے دو نظریوں سے تو ممتاز ہیں، لیکن باہم ملتے جلتے ہیں، جس کی وجہ سے اشتباہ (Confusion) میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ) النقود الورقية تقوم مقام النقود الذهبية والفضية في التعامل، وتاخذ صفة الثمنية لان العرف العام الخ" (ص ۱۹۱)

جدید فقہی مباحث میں مذکور ہے: "حاصل کلام یہ کہ کاغذی نوٹ فلوس کی طرح اثمان مروجہ ہیں، لھذا جو احکام فلوس کے ہونگے، وہی اس کے بھی ہوں گے اگر چہ الخ" (۱۸۵/۲)

اسلام وجدید معیشت وتجارت میں ہے: "صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ نوٹ رسید نہیں بلکہ خود مال ہیں، سونے چاندی کی طرح ثمن حقیقی نہیں بلکہ ثمن عرفی ہیں الخ" (ص ۱۰۶)

كذافي اقتصاديات النقود في اطار الفكر الاسلامي، متولي (ابوبكر الصديق عمر) قاهره، مكتبه وهبه، طبع اول ۱۴۰۳ هج

،تو خوب سمجھنا چاہیئے کہ یہ دونوں نظریے اس بات پر متفق ہیں کہ نوٹ سند دین یا عروض نہیں، بلکہ ثمن ہے، ثمنیت پران کا اتفاق ہے،لیکن فرق یہ ہے کہ نظریہ سوم کی رو سے نوٹ بذات خود ثمن نہیں، بلکہ سونے چاندی کا بدیل (Substitute) ہے، اس وجہ سے ہم اس کو ثمن کہتے ہیں، لھذا اس کے احکام اول سے آخر وہی ہونگے جو سونے چاندی کے ہیں، یہاں کہ اس نظریہ کی رو سے نوٹوں کا تبادلہ صرف ہوسکتا ہے، جبکہ نظریہ چہارم کی رو سے نوٹ بذاتِ خود ثمن ہے، یہ کسی شئی کا قائم مقام نہیں، البتہ ثمن ہونے کی وجہ سے اس کے احکام سونے چاندی کے ہوں گے، لیکن خلقت اور عرف کا فرق ہوگا، نوٹ ثمن عرفی ہے، اس لئے فلوس کی طرح ہونگے ،اوران کا تبادلہ صرف نہیں ہوگا، اور سونا چاندی ثمن خلقی ہے، اس لئے ان میں صرف ہوسکتا ہے، اسلئے زکوۃ کے مسئلہ کی تخریج میں بھی دونوں موقفوں میں فرق ہے، جس کی تفصیل گزرگئی۔

فلوس (Token Money) کی حقیقت:

فلوس ''فلس'' کی جمع ہے، فلس پیسہ کے معنی میں ہے، اسی سے ''افلاس'' اور ''تفلیس'' مشتق (Derived) ہے، افلاس کے معنی غربت کے ہیں، اور تفلیس کے معنی ہیں: حاکم کا کسی کو مفلس قرار دینا (۱)۔

اور اصطلاح میں فلوس تانبے کے ان ڈھلے ہوئے ٹکڑوں (Pieces) کو کہتے ہیں، جو لوگوں میں سکوں کی طرح رائج ہوں، اس کو ''فلوس نافقہ'' یا ''فلوس رائجہ'' بھی کہتے ہیں۔(۲)

---

(۱) لسان العرب ، ابن المنظور متوفی ۷۱۱ ھج ، بیروت ،داراحیاء التراث العربی ، طبع اول ۱۴۰۸ ھج (۳۱۸/۱۰)

(۲) الفقه الاسلامی وادلته ، الزحیلی (الدکتور وهبه الزحیلی) دمشق ، دارالفکر، طبع اول ۱۴۰۴ ھج ،

''الفلوس جمع فلس ، وهو قطعة من النحاس کان یتعامل بها الخ''(۴۰۹/۴)

——— اقرب الموارد ، الشرتونی (علامه سعید الخوری الشرتونی) لبنان ، دارالاسوة للطباعة النشر، طبع اول ۱۳۷۴ ھج

''الفلس قطعة مضروبة من النحاس یتعامل بها وهی من المسکوکات القدیمة (۱۹۷/۴)

——— شرح منح الجلیل (علامه محمد علیش

''فلو س بضم الفاء جمع فلس بفتحها وسکون اللام ، ای النحاس المسکوک الذی یتعامل به (۵۳۴/۳)

——— کذا فی دائرة معارف القرآن ، وجدی ،(محمد فرید وجدی) مطبعة دائرة معارف القرآن ۱۳۵۷ ھج ، (۴۰۳/۷)

فلوس کے ارتقائی مراحل کا خلاصہ:

(۱) زمانہ جاہلیت، یعنی اسلام سے قبل اور ظہورِ اسلام کے بعد ایک عرصہ تک لوگ فلوس کی جگہ انڈے، یا گندم وغیرہ استعمال کرتے تھے، اور انڈے یا گندم یا کوئی بھی غلہ تعاملاً استعمال ہوتا تھا۔

(۲) اس کے بعد لوگوں نے تانبے کے ٹکڑے استعمال کرنے لگے، لیکن یہ ٹکڑے ڈھلے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

(۳) اس کے بعد فلوس باقاعدہ ڈھلنے لگے، اور ان کو ایک قانونی شکل دی گئی، ہر فلس کی ایک جانب اس وقت کے بادشاہ کا نام اور لقب کندہ ہوتا تھا، اور دوسری جانب متعلقہ ملک کا نام درج ہوتا تھا، نیز جس سن میں سکہ ڈھلا ہے، وہ سن درج ہوتا تھا، یہاں سے باقاعدہ فلوس کا آغاز ہوا۔

۸۰۱ھ میں ملک ظاہر برقوق کے زمانہ میں فلوس کا بہت زیادہ رواج ہوگیا، اور فلوس میں رواج اور تعامل اس حد تک بڑھنے لگا کہ قریب تھا کہ درہم کا وجود ہی ختم ہو جاتا، بعض روایات میں ہے کہ اس وقت کے امیر نے بہت بڑی تعداد میں فلوس ڈھالے، اور دراہم میں تعامل کو معطل کر دیا۔

فلوس میں تعامل وزناً بھی ہوتا تھا، اور عدداً بھی، بعد میں فلوس عددی اشیاء میں شمار ہونے لگے، چنانچہ احکام شرعیہ میں فلوس کا عددی ہونے کے لحاظ سے اعتبار ہے۔(۱)

---

(۱) تطور النقود فی اطار الفکر الاسلامی، الحسنی (الدکتور احمد حسن احمد الحسنی) طبع اول ۱۴۱۰ ھج، دارالمدنی۔

فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلافِ فقہاء:

''زر'' کے استعمال اور اس کے اطلاق کے سلسلہ میں باب اول میں تین موقفوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تھا، وہاں یہ بات ذکر ہوئی تھی کہ بعض فقہاء کرامؒ کے ہاں زر کے اطلاق کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور ان کے ہاں زر یا ثمن کا اطلاق ''فلوس'' پر بھی ہوتا ہے، یہیں سے فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلافِ فقہاء کا آغاز ہو جاتا ہے، کہ بعض حضرات فلوس کو ثمن اور زر کہتے ہیں، جبکہ دیگر حضرات فلوس کو زر یا ثمن نہیں کہتے، ہم یہاں قدر تفصیل سے ان اقوال کو بمع ادلہ اور تفریعات کے ذکر کرتے ہیں۔

فقہاء کرام کی عبارات کے تتبع اور استقراء سے اور ان پر غور کرنے سے اس سلسلہ میں تین اقوال سامنے آتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱..........حضرات حنفیہ میں سے امام محمد، محمد بن الفضل، علامہ سرخسی، علامہ حلوانی، حضرات مالکیہ، علامہ ابن تیمیہ، اور علامہ ابن القیم، ان حضرات کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں۔

۲..........حضرات حنفیہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اور حضرات شافعیہ کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان نہیں۔

۳..........حضرات حنابلہ کی اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، یہی امام احمد بن حنبل سے منصوص قول ہے، اور یہی ان کے ہاں راجح ہے، اور دوسری روایت بعض حنابلہ علماء کی ہے، اور وہ یہ کہ فلوس اثمان نہیں ہیں، گویا کہ حنابلہ ایک روایت میں فریق اول کے ساتھ ہیں، اور دوسری روایت کے مطابق فریق ثانی کے ساتھ ہیں۔

فریق اول: امام محمدؒ کا مذکورہ موقف ان احکام سے معلوم ہوتا ہے، جو ربا، سلم، مشارکہ اور مضاربہ کے ضمن میں فقہاء کرامؒ نے بیان کئے ہیں، مثلاً ''ربا'' (Interest) کے مسئلہ میں علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''ویجوز بیع المعدودات المتقاربة من غیر المطعومات بجنسها متفاضلاً عند ابی حنیفة و ابی یوسف بعد ان یکون یداً بید کبیع الفلس بالفلسین باعیانهما، وعند محمد لایجوز.

وجه قوله، ان الفلوس اثمان فلایجوز بیعها بجنسها متفاضلا کالدراهم والدنانیر، ودلالة الوصف عبارة عما تقدر به مالیة

الاعيان ومالية الاعيان كما تقدر بالدراهم والدنانير تقدر بالفلوس فكانت اثمانا ، ولهذا كانت اثمانا عند مقابلتها بخلاف جنسها ، و عند مقابلتها بجنسها حالة المساواة، وان كانت ثمنا فالثمن لايتعين وان عين كا الدراهم والدنانير فالتحق التعين فيهما بالعدم فكان بيع الفلس بالفلسين بغير اعيانهما، وذا لايجوز ، ولانها اذا كانت اثمانا فالواحد يقابل الواحد فبقی الآخر فضل مال لا يقابله عوض فی عقد المعاوضة وهذا تفسير الربا الخ"(۱)

"کھائی جانے والی اشیاء کے علاوہ جو اشیاء "معدودات متقاربہ" میں سے ہوں، ان کی بیع بجنسھا زیادت کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ہاتھ در ہاتھ ہو، جیسا کہ ایک فلس کے مقابلہ میں دو فلسوں کی بیع جائز ہے، جبکہ یہ دونوں معین ہوں، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، لھذا دراھم اور دنانیر کی طرح ان کی بیع بجنسھا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں، اور وصفِ (ثمنیت) کی دلیل یہ ہے کہ

---

(۱) بدائع الصنائع ، الكاسانی (الامام العلامة علاء الدين ابی بكر بن مسعود الكاسانی) كراچی ، ايچ ايم سعيد كمپنی ، طبع اول ۱۳۲۸ هج

مراجع اضافيه:

البحر الرائق شرح كنز الدقائق ، ابن نجيم (الشيخ العلامة زين الدين بن ابراهيم متوفی ۹۷۰ هج) بيروت ، دارالكتب العلمية ، طبع اول ۱۴۱۸ هج(۲۱۹/۶)

فتح القدير شرح الهداية ، ابن الهمام (كمال الدين محمد بن عبدا لواحد المعروف بابن الهما م) كوئٹه ، المكتبة الرشيديه ، كوئٹه باكستان، (۲۰۸/۶)

الفتاوی العالمگيرية ، جماعة من العلماء الكبار ، كوئٹه ، مكتبه رشيديه ، طبع دوم ، ۱۴۰۲ هج(۲۲۴/۳)

جس چیز سے اشیاء کی مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، اور اشیاء کی مالیت کا اندازہ جس طرح دراھم اور دنانیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس طرح فلوس کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے، لھذا فلوس اثمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلوس کا مقابلہ جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو، لیکن دونوں طرف مساوی ہوں، تو فلوس کو اثمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلوس اثمان ہیں، تو ثمن تعیین سے متعین نہیں ہوتے، جیسا کہ دراھم اور دنانیر کا معاملہ ہے، لھذا ان میں "تعیین" کالعدم ہوگئی، تو اب یہ سمجھا جائے گا، کہ یہاں غیر معین فلس کی غیر معین فلسین کے ساتھ بیع ہوئی، اور یہ جائز نہیں، اور اسی لئے بھی کہ جب یہ اثمان ہیں، تو ایک فلس ایک فلس کے مقابلہ میں آجائے گا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ جائے گا، اور یہی ربا کی تفسیر ہے۔"

علامہ کاسانیؒ کی یہ عبارت کئی مفید نکات پر مشتمل ہے:

١/ اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد کے نزدیک فلس کی بیع فلسین کے ساتھ ناجائز ہے۔

٢/ عدمِ جواز کی وجہ ان کے نزدیک فلوس کا ثمن ہونا ہے۔

٣/ ثمن کے فلوس ہونے کی دلیل فلوس کے وظائف ہیں، چونکہ فلوس کے وظائف وہی ہیں جو دراھم ودنانیر کے ہیں، اس لئے فلوس وصفِ ثمنیت کے ساتھ متصف ہونگے۔

٤/ فلوس کے ثمن ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ جب بیع میں ایک طرف فلوس ہوں، اور دوسری طرف مثلاً غلام ہو، یا جب ایک فلس کا مقابلہ ایک فلس کے ساتھ ہو، تو ان صورتوں میں بالاتفاق فلوس کو ثمن قرار دیا جاتا ہے، لھذا فلس بفلسین کی صورت میں بھی فلوس اثمان ہوں گے۔

٥/ اور جب فلوس اثمان ہوگئے، تو ثمن تعیین سے متعین نہیں ہوتے، لھذا فلوس میں عاقدین یعنی بائع اور مشتری کی تعیین کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور عدمِ تعیین کے وصف میں فلوس درھم ودینار کی طرح ہونگے۔

٦/ اب یہ سمجھا جائے گا کہ ایک فلس ایک فلس کے مقابلہ میں آگیا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ گیا، اور یہی تو ربا کی تعریف اور تفسیر ہے، لھذا فلس کی بیع بفلسین ناجائز ہوگی۔

٧/ البتہ بیع فلس بفلسین کی صورت میں چونکہ جنس ایک ہے، اسلئے علت قاصرہ کے تحقق کی وجہ سے "نساء" بالاتفاق ناجائز ہوگا۔

شرکت اور مضاربت کے بارے میں علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"واما الفلوس فان كانت كاسدة فلاتجوز الشركة ولاالمضاربة بها ، لانها عروض ، وان كانت نافقة فكذلك في الرواية المشهورة عن ابي حنيفة وابي يوسف وعند محمد تجوز.

والكلام فيها مبنى على اصل وهو ان الفلوس الرائجة ليست اثمانا على كل حال عند ابي حنيفة وابي يوسف لانها تتعين بالتعيين في الجملة وتصير مبيعا باصطلاح العاقدين ، وعند محمد الثمنية لازمة للفلوس النافقة فكانت من الاثمان المطلقة ، لهذا ابى جواز بيع الواحد منهما باثنين ، فتصير رأس مال الشركة كسائر الاثمان المطلقة الخ"(۱)

"فلوس اگر کھوٹے ہوں (یعنی رواج میں نہ ہوں)، تو ان میں شرکت اور مضاربت جائز نہیں، کیونکہ یہ عروض ہیں، اور اگر کھرے ہوں، (یعنی رواج میں ہوں) بھی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان شرکت جائز نہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔

فلوس میں یہ بحث ایک اور اصل پر مبنی (Based) ہے، اور وہ یہ کہ فلوس رائجہ ہر حال میں اثمان نہیں، کیونکہ یہ کسی نہ کسی درجہ میں تعین سے متعین ہو جاتے ہیں، اور عاقدین کے کی اصطلاح سے فلوس مبیع بھی بنتے ہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کو وصفِ ثمنیت لازم ہے، لھذا فلوس اثمان مطلقہ میں سے ہیں، اسی وجہ سے امام محمدؒ ایک فلس کی بیع دو کے مقابلہ میں جائز قرار نہیں دیتے ہیں، لھذا شرکت میں فلوس دوسرے اثمان مطلقہ کی طرح کا رؤس المال (Capital) بننا درست ہوگا۔"

جاننا چاہیئے کہ شرکت اور مضاربت میں شرعی اصول یہ ہے کہ ان دونوں میں رأس المال کا نقود ہونا

(۱) بدائع الصنائع (۶/۵۹)

ضروری ہے، سامان رأس المال نہیں بن سکتا، اسی اصول کی بناء پر امام محمدؒ کے نزدیک فلوس کے ساتھ شرکت اور مضاربت درست ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک درست نہیں۔

علامہ کاسانیؒ نے "فی الروایۃ المشھورۃ عن ابی حنیفۃ وابی یوسف" کہا، کیونکہ اس سلسلہ میں ان حضرات سے ایک غیر مشہور روایت بھی مروی ہے، جس کے مطابق ان کے ہاں بھی فلوس میں شرکت اور مضاربت درست ہیں، چنانچہ تنویر الابصار متن الدر المختار میں ہے:

"ولا تصح مفاوضة وعنان بغير النقدين والفلوس النافقة الخ"

"اور شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان سونے، چاندی اور فلوس کے بغیر درست نہیں۔"(۱)

اس عبارت سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ فلوس کے ساتھ بھی شرکت درست ہے، اور اس حکم میں مضاربت شرکت کی طرح ہے، لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ مشہور اور صحیح روایت وہی ہے کہ فلوس میں ان کے نزدیک شرکت اور مضاربت درست نہیں۔

ازالہ وہم:

امام محمدؒ کی مشہور کتاب "کتاب الاصل" میں یہ مذکورہ ہے کہ فلوس میں امام محمدؒ کے نزدیک "سلم" درست ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام محمدؒ نے فلوس کے سلسلہ میں اپنا موقف ترک کر دیا، تب ہی تو فلوس میں سلم کو جائز قرار دیا، کیونکہ سلم کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ "مسلم فیہ" (مبیع) ایسی شئی ہو، جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہو، یہی وجہ ہے کہ درھم و دینار میں بیع سلم درست نہیں، کیونکہ درھم و دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، تو جب امام محمد نے فلوس میں بیع سلم کو جائز قرار دیا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے فلوس میں وصفِ ثمینت کو باطل کیا، اور فلوس کو یہاں عروض میں شمار کیا، چنانچہ مشہور کتاب فقہ "تحفة الفقهاء" میں مذکور ہے:

---

(۱) تنویر الابصار متن الدر المختار، التمرتاشی (محمد بن عبد الله بن احمد الخطیب التمرتاشی الغزی المتوفی ۹۳۹) بیروت، داراحیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۱۹ھج (۳۷۵/۶)

"واما السلم فی الفلوس فقد ذکر فی "الاصل" وقال : انه یجوز"

"فلوس میں سلم کے بارے میں امام محمد نے "الاصل" میں فرمایا کہ یہ جائز ہے۔"(۱)

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ کتاب الاصل میں ذکر کردہ یہ موقف درحقیقت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے، اور امام محمدؒ نے یہاں اپنا موقف ذکر نہیں کیا ہے، لھذا اس سے اس وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ امام محمدؒ نے اس مسئلہ میں اپنا موقف تبدیل کیا ہے، جیسا کہ صاحب تحفہ نے مذکورہ عبارت ذکر کر کے فرمایا:

"ویجب ان یکون ذلک علی قول ابی حنیفة و ابی یوسف

...وعلی قول محمد لایجوز"

"یہ ضروری ہے کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر مبنی ہو،

اور امام محمد کے قول کے مطابق یہ معاملہ درست نہیں۔"(۲)

چنانچہ علامہ کاسانیؒ سلم کے بارے میں صاف انداز میں لکھتے ہیں:

"واما السلم فی الفلوس عددا فجائز عند ابی حنیفة

وابی یوسف وعند محمد لا یجوز بناء علی ان الفلوس

اثمان عنده فلایجوز السلم فیها کما لایجوز السلم فی

الدراھم اوالدنانیر وعندھام الخ"

"فلوس میں سلم عدد کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ

کے نزدیک درست ہے، اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، اور وجہ یہ ہے کہ

فلوس امام محمد کے نزدیک اثمان ہیں، لھذا ان میں سلم ناجائز ہوگا، جیسا کہ

دراھم اور دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں ہے، اور ان کے نزدیک الخ"(۳)

---

(۱) تحفة الفقهاء ، السمرقندی ، (علامه علاء الدین المتوفی ۵۳۹ھج) ، دمشق ، مطبعة جامعه دمشق ، طبع اول ، ۱۳۷۷ ھج

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) بدائع الصنائع (۲۰۸/۵) ، کذا فی البحر الرائق (۲۶۱/۶) وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۳۴۹/۷)

خلاصہ یہ کہ ربا، مشارکت، مضاربت اور سلم کے ان ذکر کردہ مسائل سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آئی کہ فلوس امام محمد کے نزدیک اثمان مطلقہ ہیں، اور وصف ثمنیت ان کو لازم ہے، اور حضرات شیخین (یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف) کے نزدیک فلوس اثمان مطلقہ نہیں، وصف ثمنیت ان سے الگ ہو سکتی ہے۔

محمد بن الفضل، شمس الائمہ السرخسی اور شمس الائمہ الحلوانی: ان کے موقف کے بارے میں استاد الجعید فرماتے ہیں:

"ویوافق محمد بن الحسن علی ھذا الاصل بعض علماء الحنفیۃ مثل محمد بن الفضل واختارہ السرخسی وشیخہ الحلوانی"

"اس اصل میں امام محمدؒ کے ساتھ بعض علماء حنفیہ متفق ہیں، مثلاً: محمد بن الفضل، اور اسی کو علامہ سرخسی اور ان کے استاد علامہ حلوانی نے اختیار کیا ہے۔(۱)

حضرات مالکیہ:

مالکیہ کے ہاں فلوس اثمان ہیں، البتہ بیع فلس بفلسین میں ان کے ہاں اقوال مختلف ہیں، یعنی یہ کہ یہ معاملہ حرام ہے، مکروہ ہے، حلال ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے ہاں نزدیک قول راجح یہی ہے کہ یہ معاملہ ناجائز اور حرام ہے، جیسا کہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے:

"وذلک ان بیع الفلس بالفلسین حرام مطلقا وھو من الربا المحرم شرعا عند الامام مالک بن انس ومحمد بن الحسن الشیبانی الخ"

"اور یہ اس وجہ سے کہ فلس کے مقابلہ میں دو فلسوں کی بیع حرام مطلق ہے، اور

---

(۱) احکام الاوراق النقدیۃ والتجاریۃ عن البدائع والفتاوی الھندیۃ والمبسوط (ص ۳۹)

یہ شرعاً امام مالک بن انس اور امام محمد کے نزدیک ربا حرام ہے۔"(۱)

حضرات مالکیہ کے ہاں ان تین اقوال کا منشاء یہ نہیں کہ ان کے ہاں فلوس کے ثمن ہونے میں اختلاف ہے، بلکہ ان کے ہاں فلوس اثمان ہیں، اور یہی ہمارا مقصود ہے، بلکہ اس کا منشاء دو چیزیں ہیں، جو درج ذیل ہیں:

منشاء اول:

الف: فلوس کو اگر سونے اور چاندی پر قیاس کیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ ثمنیت کی علت کی وجہ سے یہ سونے اور چاندی کی طرح ہیں، تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ فلوس احکام میں سونے اور چاندی کی طرح ہو، لھذا جس طرح ایک دینار کے مقابلہ میں دو دیناروں کی اور ایک درہم کے مقابلہ میں دو درہموں کی بیع حرام ہے، اسی طرح ایک فلس کے مقابلہ میں دو فلسوں کی بیع بھی حرام ہو۔

ب :اور اگر یہ کہا جائے کہ ٹھیک ہے فلوس اثمان ہیں، لیکن سونا اور چاندی کی طرح نہیں، اور نہ ہی یہ سونا چاندی ہیں، اور احادیث نہی میں سونا اور چاندی کا ذکر ہے، تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ معاملہ حلال ہو۔

ج :اور اگر اس تذبذب کو دیکھا جائے، تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ معاملہ مکروہ ہو۔

منشاء دوم:

نقدین (سونے چاندی) میں ربا کے حرام ہونے کی جو علت ہے وہ متعدی ہوتی ہے ، یا نہیں، جو تعدی کے قائل ہیں ان کے نزدیک مذکورہ معاملہ حرام ہے، جو تعدی کے قائل نہیں، تو ان کے نزدیک مذکورہ معاملہ حلال ہے، اور جو تذبذب کا شکار ہیں، ان کے نزدیک مکروہ ہے۔(۲)

حضرت امام مالکؒ کی مشہور کتاب "المدونة" سے چند عبارات بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

"قلت : ارأيت ان اشتريت فلوسا بدراهم فافترقنا قبل ان
ان نتقابض ، قال: لايصلح هذا فى قول مالك ، وهذا فاسد ، قال:

(۱) احكام الاوراق النقدية للعثمانى (ص۱۷) ۲) احكام الاوراق النقدية و التجارية للجعيد عن شرح التلقين للمازرى فى الفقه المالكى وشرح التهذيب فى الفقه المالكى المخطوطين بمركز البحث العلمى بجامعة ام القرى ،(ص ۴۱)

لی مالک : لاخیر فیھا نظرة بالذھب ولابالورق ، ولو ان الناس اجازوا بینھم الجلود حتی تکون لھا سکة وعین لکرھتھا ان تباع بالذھب والورق نظرة .

قلت: ارأیت ان اشتریت خاتم فضة او خاتم ذھب او تبر ذھب بفلوس فافترقنا قبل ان نتقابض ایجوزھذا فی قول مالک ؟ قال: لایجوز فلس بفلسین...

قال اللیث بن سعد عن یحی بن سعید وربیعة انھما کرھا الفلوس بالفلوس وبینھما فضل اور نظرة وقالا: انھا صارت سکة مثل سکة الدنانیر والدراھم ."

''میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کی میں اگر دراہم کے بدلہ فلوس خریدوں اور پھر ہم قبضہ کئے بغیر الگ ہوجائیں، فرمایا: یہ امام مالک کے قول میں درست نہیں، اور یہ فاسد ہے، مجھے امام مالکؒ نے فرمایا: فلوس اگر سونے یا چاندی کے مقابلہ میں ادھار ہوں، تو اس معاملہ میں کوئی خیر نہیں، اور اگر لوگ کھالوں میں میں تعامل شروع کریں، یہاں تک کہ یہ سکہ اور ذات بن جائیں، تو میں ان کھالوں کا تبادلہ سونے چاندی کے ساتھ ادھار مکروہ قرار دوں گا۔

میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر فلوس کے بدلہ چاندی یا سونے کی انگوٹھی خریدوں، اور پھر قبضہ کئے بغیر الگ ہوجائیں، تو یہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے؟ فرمایا: یہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ امام مالکؒ نے فرمایا: فلس کا فلسین کے مقابلہ میں معاملہ جائز نہیں۔۔۔

لیث بن سعد یحی بن سعید اور ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلوس کا فلوس کے مقابلہ میں ایسا معاملہ کو مکروہ فرماتے ہیں جس میں زیادتی یا ادھار ہو، اور یہ فرمایا: کیونکہ یہ دنانیر اور دراہم کی طرح سکہ ہوگیا۔''(۱)

---

(۱) المدونة الکبری ، الاصبحی (الامام مالک بن انس الاصبحی المتوفی ۱۷۹ ، بیروت ، دارالکتب العلمیة ، طبع اول ۱۴۱۵ ھج (۳/۵، ۶)

''وقال مالک : اکرہ ذلک فی الفلوس ولااراہ حراما کتحریم الدنانیر والدراھم ، قلت : ارأیت ان اشتریت فلسا بفلسین ایجوز ھذا عند مالک ؟ قال : لایجوز فلس بفلسین .

''اورامام مالک نے فرمایا، میں اس کو فلوس میں مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں اس معاملہ کو دنانیر اور دراہم کی حرمت کی طرح حرام نہیں سمجھتا ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز نہیں۔''(۱)

علامہ ابن تیمیہؒ: علامہ ابن تیمیہؒ بھی فریق اول میں داخل ہیں، جو فلوس کو اثمان کہتا ہے، چنانچہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''الاظھر المنع من ذلک فان الفلوس النافقة یغلب علیھا حکم الاثمان وتجعل معیارا لاموال الناس .''

''ظاہر منع ہی ہے کیونکہ فلوس نافقہ پر اثمان کا حکم غالب ہے، اور فلوس کو لوگوں کے اموال کا معیار قرار دیا جاتا ہے۔(۲)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''فاذا صارت الفلوس اثمانا صارفیھا ھذا المعنی ، فلایباع ثمن بثمن الی اجل .''

''سو جب فلوس اثمان ہو گئے، تو ان میں یہ معنی آ گئے لھذا اب ثمن کو ثمن مقابلہ میں ادھار نہیں بیچا جائے گا۔''(۳)

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ فلوس علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک اثمان ہی ہیں۔

---

(۱) مرجع سابق (ص ۱۵۸)

(۲) مجموعة الفتاوی لابن تیمیةؒ (۲۹ / ۴۷۱)

(۳) حوالہ بالا

علامہ ابن القیمؒ: علامہ ابن القیمؒ بھی ان علماء میں سے ہیں، جوفلوس کوثمن قرار دیتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں:

"والثمن هو المعيار الذى به يعرف تقويم الاموال فيجب ان يكون محددا مضبوطا، لايرتفع ولا ينخفض الخ"

"ثمن وہ معیار ہے جس سے اموال کی قیمتیں معلوم کی جاتی ہوں، لھذا ضروری ہے کہ ثمن کی کوئی تحدید ہو، اور وہ منضبط ہو، یعنی اس میں اتار چڑھاؤ نہ ہو۔"(۱)

"كما رأيت من فساد معاملاتهم والضرر اللاحق بهم حين اتخذت الفلوس سلعة تعد للربح فعم الضرر وحصل الظلم ولو جعلت ثمنا واحدا لايزداد ولاينقص بل تقوم به الاشياء ولاتقوم هى بغيرها لصلح امر الناس ."

"جیسا کہ میں نے لوگوں کے معاملات کا فساد اور ان کو جو نقصان لاحق ہوا وہ دیکھا، جبکہ لوگوں نے فلوس کو سامان بنایا اور ان کو نفع کا ذریعہ بنایا، تو اس طریقہ سے نقصان عام ہو گیا، اور ظلم سامنے آگیا، اور اگر فلوس کو ثمن قرار دیا جاتا اور اسمیں اتار چڑھاؤ نہ ہوتا، بلکہ ان اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ کیا جاتا، اور یہ خود کسی شئی سے اندازہ نہ کیا جاتا، تو لوگوں کے معاملات درست ہوتے۔"(۲)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ علامہ ابن القیم فلوس کو اثمان قرار دے رہے ہیں، اور ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ فلوس کو اثمان قرار نہ دینے سے لوگوں کو نقصان اور ضرر لاحق ہو گیا، اور ظلم عام ہو گیا، اور دوسری بات علامہ ابن القیم کی عبارت سے معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے فلوس کو زر سمجھا، سامان نہیں، جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

---

(۱) اعلام الموقعين (۲/۱۳۹)

(۲) حواله بالا

فریق ثانی: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ: کا موقف یہ ہے کہ فلوس کو ثمنیت لازم نہیں، اور فلوس متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں، لھذا جو احکام امام محمدؒ کے موقف پر متفرع ہوتے تھے، وہ احکام ان حضراتؒ کے موقف کے مطابق برعکس ہو جائیں گے، تفصیل اور حوالہ جات فریق اول کے بیان کے ضمن میں گزر گئے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

امام شافعیؒ: شافعیہ کے ہاں بھی فلوس اثمان نہیں، چنانچہ علامہ کوھجیؒ علتِ ربا کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"وعلة الربا فى الذهب والفضة الثمنية وهى منتفية عن العروض والفلوس ."

"ربا کی علت سونے اور چاندی میں ثمنیت ہے، اور یہ عروض اور فلوس میں نہیں پائی جاتی۔"(۱)

اور علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"اذا راجت الفلوس رواج النقود لم يحرم الربا فيها ، هذا هو الصحيح المنصوص وبه قطع المصنف والجمهور."

"جب فلوس میں ایسا تعامل جاری ہو جائے، جیسا کہ زر میں ہے، تو بھی ان میں ربا حرام نہیں ہوگا، یہی درست ہے، اسی کو مصنف نے جزم کے ساتھ بیان کیا، اور جمہور کا یہی موقف ہے۔"(۲)

اہم تنبیہ:

عربی مصنفین نے اگر چہ یہ بات واضح انداز میں لکھی ہے کہ شافعیہ کے ہاں فلوس اثمان نہیں، اور علامہ کوھجیؒ شافعی کی مذکورہ عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرات شافعیہؒ کی فقہی عبارات پر جب

(۱) زاد المحتاج شرح المنهاج ، الكوهجى (الشيخ عبدالله بن الشيخ حسن الحسن الكوهجى) قطر ، طبع اول ۱۴۰۲ هج (۲/۲۴)

(۲) المجموع شرح المهذب ، النووى (الامام ابو زكريا محى الدين بن شرف النووى ، بيروت ، دارالفكر.

غور کیا جاتا ہے، تو ان عبارات سے فلوس میں مطلقاً ثمنیت کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ ''ثمنیت جوہریہ'' یا ''ثمنیت غالبہ'' کی نفی ہوتی ہے، کہ فلوس ثمن جوہری یا خلقی نہیں، اور ان کے ہاں چونکہ نقود میں علت حرمت ربا ''ثمنیت جوہریہ'' ہے، اور فلوس میں یہ علت نہیں پائی جاتی، اسلئے انہوں نے فلس بفلسین کی بیع کو جائز قرار دیا، تو جواز کی وجہ یہ نہیں کہ فلوس ثمن نہیں، بلکہ جواز کی وجہ یہ ہے کہ ثمنیت جوہریہ جو علت ہے، وہ فلوس میں نہیں پائی جاتی۔

حضرات شافعیہ کی فقہی عبارات سے ثمنیت جوہریہ کی نفی ہوتی ہے، یعنی مقید کی نفی ہے، اور مشہور قاعدہ ہے کہ جب مقید پر نفی داخل ہو، تو اس سے قید کی نفی ہوگی، نہ کہ ذاتِ مقید کی نفی، مثلاً جب یہ کہا جائے کہ میں نے زید کو بندھا ہوا نہیں مارا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مارا تو ہے، لیکن اس وقت وہ بندھا ہوا نہیں تھا، تو اس سے نفی باندھنے کی ہوئی، نہ کہ مارنے کی، اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں نفی ثمنیت جوہریہ کی ہے، نہ کہ ثمنیت کی، اسلئے راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ فلوس نافقہ ان کے ہاں بھی اثمان ہیں، لیکن اثمان جوہریہ نہ ہونے کی وجہ سے علت ربا نہیں اس لئے فلس بفلسین کی بیع جائز ہے، چنانچہ چند عبارات ملاحظہ ہوں:

''وقال الجمهور : العلة فيهما صلاحية الثمنية الغالبة ، وان شئت قلت : جوهرية الاثمان غالبا،...وفي تعدى الحكم الى الفلوس اذا راجت وجه ، والصحيح انه لاربا فيها لانتفاء الثمنية الغالبة . ''

''اور جمہور نے کہا کہ سونے اور چاندی میں علت ان میں ثمنیت غالبہ کی صلاحیت کا ہونا ہے، اور اگر آپ چاہے تو کہے کہ جوہریت اثمان۔۔۔اور حکم (ربا) کو فلوس رائجہ کی طرف متعدی کرنے میں ایک روایت ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان میں ربا نہیں ہے، کیونکہ ان میں ثمنیت غالبہ نہیں ہے۔''(۱)

حواشی شروانی میں ہے:

''وعلة الربا فيه جوهرية الثمن فلاربا في الفلوس وان راجت الخ''

(۱) روضة الطالبين ، النووی (علامه محی الدين بن شرف النووی) بيروت ، المكتب الاسلامی ، طبع دوم ۱۴۰۵ھ

''اور ربا کی علت اس میں ثمن کی جوہریت ہے، لھذا فلوس میں ربا نہیں ہے،
اگر چہ رائج ہوں۔''(۱)

حنابلہ:

فقہاء حنابلہ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں فلوس ثمن نہیں، اور دوسری روایت کے مطابق فلوس ثمن ہیں، اور یہی روایت ان کے نزدیک راجح اور قوی ہے، چنانچہ راجح قول کے مطابق ان کے ہاں فلس بفلسین کی بیع ناجائز ہے۔(۲)

خلاصہ یہ جمہور فقہاء و مجتہدین کے نزدیک فلوس اثمان ہیں، اور فلوس کا فلوس کے ساتھ خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ ناجائز اور حرام ہے۔

اس بارے میں قول راجح:

فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں قول راجح یہی ہے کہ:

۱..........فلوس اثمان ہیں۔

۲..........تعیین سے متعین نہیں ہوتے۔

۳..........کمی بیشی کے ساتھ ان کی بیع حرام ہے۔

---

(۱) حواشی الشروانی بن قاسم العبادی (۲۷۹/۴)

(۲) وقال: لایباع الفلس بالفلسین ولاالسکین بالسکینین ولاابرة بابرتین، اصله الوزن (المغنی مع الشرح الکبیر ۱۲۸/۴)

______ وجزم ابو الخطاب فی خلافه الصغیر: بانها (الفلوس.عصمت) مع نفاقها لاتباع بمثلها الامماثلة معللا بانها اثمان .(الانصاف، المرداوی، علاء الدین ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی الحنبلی) قاهره، مطبعة السنة المحمدیة، طبع اول ۱۳۷۶ھج (۱۵/۵)

______ فان احمد قال: لااری السلم فی الفلوس لانه یشبه الصرف وهذا قول محمد بن الحسن وابی ثور لانها ثمن فجازت الشرکة بها کالدراهم والدنانیر.(المغنی والشرح الکبیر ۱۲۵/۵)

۴.........ان میں شرکت درست ہے۔

۵.........ان میں مضاربت صحیح ہے۔

۶.........فلوس میں سلم درست نہیں۔

اس قول کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ فلوس نافقہ میں سونے اور چاندی کی طرح تعامل جاری ہے، اور سونے چاندی کے جو وظائف ہیں، وہ فلوس بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں، نیز زر کی تعریف بتمامہ فلوس پر صادق آتی ہے، لھذا فلوس کو اثمان کہنا بجا ہے، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہیئے جو نقود کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جمہور امت فلوس میں ثمنیت کے قائل ہے، جن میں:

امام محمد، امام مالک، امام احمد، شمس الائمہ السرخسی، شمس الائمہ الحلوانی محمد بن الفضل، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم واس زمانہ کے تقریباً بیشتر علماء وفقہاء شامل ہیں۔

❖

باب چہارم

بیع صرف

باب چہارم

بیع صرف

بیع صرف اوراس کی حقیقت:

بیع صرف لغۃً:

''صرف'' کے لغوی کئی معانی ہیں:

۱...... نقل : ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔

۲......پھیرنا : فلاں نے اس سے اپنا چہرہ پھیرا۔

۳......تخلیہ : چھوڑنا،مثلاً میں نے مزدورکوچھوڑ دیا۔

۴......انفاق : خرچ کرنا، میں نے پیسے صرف کئے،یعنی خرچ کئے۔

۵......بیع : زیادت اوراضافہ

۶......توبہ

۷......زینت اورخوبصورتی

۸......شور مچانا اورآواز نکالنا

لغت کے اعتبار سے ان سب معانی کے لئے لفظ''صرف'' استعمال ہوتا ہے،اوراسم فاعل اس سے ''صیرفی''،''صیروف''،اور''صرّاف'' ہے۔

''عقدِ صرف'' کوصرف اس لئے کہتے ہیں کہ اسمیں مقصود ہی اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں زر کا مقابلہ زر کے ساتھ ہوتا ہے،اورزر اجناس کی طرح بذاتِ خودتو قابلِ انتفاع ہے نہیں،جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی ، بلکہ اس صورت میں اس سے مقصود تجارت اور ربح (نفع) ہے، جوزر کی ذات پر ایک اضافہ ہے،اوربعض حضرات نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ جب سونے یا چاندی کو بوقت بیع ترازو میں رکھی جاتی ہے،تواس سے ایک قسم کی آواز نکلتی ہے،اس لئے اس کوبیع صرف کہا گیا۔واللہ اعلم (۱)

---

(۱) الدرالمختار وردالمحتار: هو(الصرف) لغةً الزيادة ، وفى ردالمحتار : (هولغة الزيادة)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیع صرف اصطلاحاً:

حضرات حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک "بیع صرف" کی تعریف درج ذیل ہے:

"ثمن (یا زر) کے مقابلہ میں ثمن (یا زر) کی خرید وفروخت، خواہ دونوں کی جنس ایک ہو، یا مختلف ہو۔"

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)" هذا احد معانيه ففى المصباح : صرفته عن وجهه صرفا من باب ضرب ، وصرفت الاجير والصبى ، خليت سبيله ، وصرفت المال: انفقته ، وصرفت الذهب بالدراهم بعته ، واسم الفاعل من هذا صيرفى وصيروف ، وصراف للمبالغة ، قال ابن الفارس: الصرف فضل الدرهم فى الجودة على الدرهم وصرفت الكلام : زينته (۴۰۲/۷)

________ فتح القدير :

" (الزيادة) وهذا العقد لايقصد به الاالزيادة دون الانتفاع بعين البدل الآخر فى الغالب لانه لاينتفع بعينه بخلاف نحو الطعام والثوب والحمار ، والمراد ان قصد كل من المتعاقدين التجارة و الربح فيه بالنقل والاخلا العقد عن الفائدة ، والزيادة تسمى صرفا وبه سميت العبادة النافلة صرفا فى قوله ﷺ: من انتمى الى غير ابيه لا يقبل الله منه صرفا ولاعدلا الخ "(۲۵۹/٦)

________ كذا فى البحر الرائق (٦/۳۲۱)

________ ومجمع الانهر فى شرح ملتقى الابحر ،

الشيخى زاده ، (العلامة عبدالرحمن بن محمد بن سلمان المتوفى ۱۰۷۸ھج) بيروت ، دارالكتب العلمية ، طبع اول ۱۴۱۹ھج (۳/۱٦۱)

________ كشاف القناع

، البهوتى ، (العلامة منصور بن يونس المتوفى ۱۰۵۱ ه) ، السعوديه العربيه ، مطبعة الحكومة بمكة ۱۳۹۴ ھج.

"سميت بذلک لصريفهماوهو تصويتهما فى الميزان" (۲۵۳/۳)

لیکن بابِ صرف میں دونوں جانبوں میں ''ثمن'' سے مراد ثمن خلقی ہے، یعنی سونا اور چاندی، خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل میں ہو، مثلاً درھم یا دینار ہو، سونے یا چاندی کا برتن ہو، یا زیور ہو، یا ڈلی ہو۔

لھذا اگر کسی ایک جانب یا دونوں جانبوں میں عوضین ثمن عرفی ہو، مثلاً کرنسی نوٹ یا فلوس، تو اس کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا، اور اس پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

''وشرعاً بیع الثمن بالثمن ای ماخلق للثمنیة ، ومنه المصوغ جنسابجنس اوبغیر جنس .''

''اور شریعت میں بیع صرف عبارت ہے ثمن کی ثمن کے ساتھ خرید وفروخت سے، یعنی جو خلقی طور پر ثمن ہو، اور اسی سے بنا ہوا برتن بھی ہے، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو، یا خلافِ جنس کے ساتھ ہو۔''(۱)

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:

''سواء کانا یتعینان کا لمصوغ اولایتعینان کالمضروب ، او یتعین احدھماولایتعین الاخر، لاطلاق ماروینا ، ولانه ان کان یتعین ففیه شبھة التعیین لکونه ثمنا خلقةً فیشترط قبضه اعتبارا للشبھة فی الربا.''

''چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلا دونوں طرف سکہ ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے، تو اس میں تعیین کے باوجود شبہ

---

(۱) الدرالمختار للحصکفی شرح تنویر الابصار للتمرتاشی ومتن رد المحتار لابن عابدین المعروف بالشامی (۴۰۲/۷)

پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔"(۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، اور دوسری طرف بھی سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، یا دونوں طرف دراہم یا دنانیر ہوں، یا ایک طرف درہم یا دینار ہو، اور دوسری طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، تو یہ تمام صورتیں بیع صرف کی ہیں، کیونکہ یہ تمام ثمن خلقی ہیں، لھذا ان تمام صورتوں میں تقابض ضروری ہوگا۔

علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں:

"وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير فيصح بيعها بجنسها متفاضلا والتبايع والاستقراض بما يروج عددا او وزنا او بهما ولايتعين بالتعيين لكونها اثمانا."

"کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ دراہم یا دنانیر کے حکم نہیں ہوں گے، لھذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید وفروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیوں کہ یہ اثمان ہیں۔"(۲)

اس پر علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"قوله : "ولايتعين بالتعيين لكونها اثمانا" يعني مادامت تروج لانها بالاصطلاح صارت اثمانا ، فمادام ذلك الاصطلاح موجودا ، لاتبطل الثمنية لقيام المقتضى."

"صاحبِ ھدایہ کی یہ بات کہ "یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، کیونکہ

(۱) الهداية مع الفتح ، المرغيناني (شيخ الاسلام برهان الدين ابو الحسن ابوبكر المرغيناني المتوفى ۵۹۳ھج) كوئٹه، باكستان، مكتبه رشيديه (۲۶۱/۶)

(۲) كنز الدقائق مع البحر ، النسفي (الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفي المتوفى ۷۱۰ ھج) بيروت، دارالكتب العلمية ، طبع اول ۱۴۱۸ھج (۳۳۵/۶)

یہ اثمان ہیں''یعنی جب تک مروج ہوں، کیونکہ یہ لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں، سو جب تک یہ اصطلاح باقی رہے گی، اس کی ثمنیت بھی باقی رہے گی، اس لئے کہ مقتضی موجود ہے۔''(۱)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ غالب ہو، اور سونا یا چاندی کم ہو، اور وہ مروج بھی ہو، تو ان کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، اگر چہ عوضین ہم جنس کیوں نہ ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں لیکن اثمان عرفیہ ہیں۔

اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن کے ساتھ ہے، لیکن چونکہ یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے اس کو بیع صرف سے نکالا اور اس میں وحدتِ جنس کے باوجود تفاضل (زیادتی) کو جائز قرار دیا۔

فقہاء حنفیہ کی ان عبارات سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ بیع صرف کے لئے صرف ثمن کا ہونا کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ ثمن خلقی ہو، البتہ ثمن خلقی کسی بھی شکل میں ہوسکتا ہے۔

البتہ عدمِ تعیین کے لئے کسی شئی کا صرف ثمن ہونا کافی ہے۔

حنابلہ کی مشہور کتاب ''کشاف القناع'' میں ہے:

''فصل فی المصارفة، وهی بیع نقد بنقد، اتحد الجنس او اختلف .''

''مصارفہ زر کے مقابلہ میں زر کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو، یا مختلف ہو۔(۲)

یہ حضرات چونکہ تفصیل میں نقدین تثنیہ ذکر کرتے ہیں، اسی طرح درہم ودینار یا سونا چاندی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی بیع صرف میں ''نقد'' سے مراد ثمن خلقی ہے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب ''مغنی المحتاج'' میں ہے:

''(النقد بالنقد) والمراد به الذهب والفضة مضروبا کان او غیر

(۱) مرجع سابق

(۲) (۲۵۳/۳)

مضروب."

"(بیع صرف نقد کے مقابلہ میں نقد کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں) اور اس سے مراد سونا چاندی ہے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا نہ ہو۔" (۱)

اور اسی کتاب میں ہے:

"تنبیه :بیع النقد بالنقد من جنسه و غیره یسمی صرفا."

"نقد کے مقابلہ میں نقد کی بیع کو صرف کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو، یا جنس مختلف ہو۔" (۲)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"والثانية لايشترط الحلول والتقابض ، فان ذلک معتبر فی جنس الذهب والفضة سواء كان ثمناو كان صرفا او كان مكسورا بخلاف الفلوس ولان الفلوس هی فی الاصل من باب لاعراض والثمنيه عارضة لها"

"اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلول (cash payment) اور تقابض ضروری نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنسِ سونا اور چاندی میں معتبر ہیں، خواہ وہ کسی قسم اور کسی شکل میں ہو، بخلاف فلوس کے (کہ وہ جنس سونا اور چاندی میں سے ہیں نہیں) اور اس لئے بھی کہ فلوس حقیقت میں سامان کے قبیل میں ہیں اور ثمنیت تو ان کو عارضی طور پر لاحق ہوگئی ہے۔" (۳)

یہ امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے، اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ "صرف" کے لئے ثمن خلقی کا ہونا ضروری ہے۔

---

(۱) مغنی المحتاج، الشربینی (الشیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت ، داراحیاء التراث العربی (۲۴/۲)

(۲) حواله بالا

(۳) (مجموعة الفتاوی ۴۵۹/۲۹)

علامہ زحیلی فرماتے ہیں:

"وشرعاً هو بيع النقد بالنقد جنسا بجنس او بغير جنس : اى بيع الذهب بالذهب او الفضة بالفضة او الذهب بالفضة مصوغا او نقداً ."

"اورشریعت صرف نقد کے مقابلہ میں نقد کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ ہو، یعنی سونا بمقابلہ سونا کے، یا چاندی بمقابلہ چاندی کے یا سونا بمقابلہ چاندی کے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو۔"(۱)

کتاب "تطورالنقود" میں ہے:

"عرف الحنفية الصرف بانه بيع الاثمان بعضها ببعض وارادوا من الاثمان ما كان ثمنا خلقة اى من القدم وهو الذهب والفضة سواء كانا مسكوكين دنانير ودراهم وهى المعروفة بالنقدين او كانا مصوغين كا لاقراط والاساور او كانا تبرا وعبر الشافعية والحنابلة عن الثمن بالنقد فقالوا: الصرف بيع النقد بالنقد من جنسه او غيره ، ارادوا بالنقد كذلك الذهب والفضة مسكوكين او مصوغين او تبرا والحكم فى المذاهب الثلاثة هو ان الذهب والفضة اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتماثل وا لتقابض (الى قوله:) والتعريف السابق للصرف عند الائمة الثلاثة يفيد انه محصور فى الذهب والفضة اللذين لايغلب عليهما الغش ، فاذا كانت الدراهم مغشوشة و رائجة او كان النقد من الجانبين فلوسا رائجة لايجرى فيهما

(۱) الفقه الاسلامى وادلته للعلامة الزحيلى (۶۳۶/۴)

حکم الصرف الخ

''حضرات حنفیہؒ نے بیع صرف کی تعریف یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے۔اوران کے نزدیک اثمان سے مراد وہ ہیں جو خلقۃً ثمن ہوں،یعنی زمانہ قدیم سے،اوروہ سونا اور چاندی ہیں،خواہ سکہ کی شکل میں ہوں دنانیر اور دراہم، جو''نقدین'' کے ساتھ مشہور ہیں،اور یا زیور کی شکل میں ہوں،جیسا کہ بالیاں اور چوڑیاں ہیں،اور یا ڈلی کی شکل میں ہوں،اور شافعیہ اور حنابلہ نے ثمن سے''نقد'' کے ساتھ تعبیر کی ہے،سوانہوں نے کہا کہ''صرف''نقد'' کے مقابلہ میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں،عوضین خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں،اوران کے نزدیک بھی''نقد'' سے مراد سونا چاندی ہی ہے،خواہ کسی بھی شکل میں ہوں،اور تینوں مذاہب کا حکم ایک ہے،اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید وفروخت جب جنس کے ساتھ ہو،مثلاً سونا کو سونا کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے کے ساتھ تو اس صورت میں حلول (ادھار نہ ہونا) تماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں۔۔۔۔ائمہ ثلاثہؒ کی صرف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے،جس میں کھوٹ غالب نہ ہو،لھذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو،یا جانبین سے نقد فلوس رائجہ ہوں،تو اس عقد کو عقدِ صرف نہیں کہا جائے گا۔''(۱)

حاصل یہ کہ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں عقد صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے،نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں،نیز ان حضرات کے نزدیک اس عقد کو''صرف''یا''مصارفہ'' یا''تصارف'' کہتے ہیں،کوئی اور اصطلاح ان کے ہاں استعمال نہیں ہوتی،خواہ صرف کی کوئی بھی شکل ہو۔

البتہ مالکیہؒ کے ہاں اس سلسلہ میں تین اصطلاحات رائج ہیں:

مراطلہ ،مبادلہ،صرف

مراطلہ :سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تول کر بیچنے کو مراطلہ کہتے ہیں،خواہ وہ کسی بھی

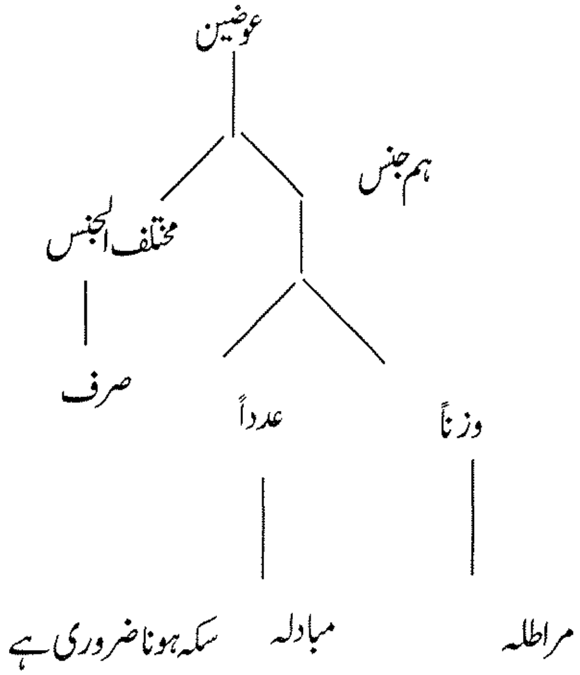
---

(۱) تطور النقود (ص ۱۴۱،۱۵۴۳)

شکل میں ہو،لھذا مراطلہ میں یہ ضروری ہے کہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو۔

مبادلہ: سکہ کو سکہ کے ساتھ عدداً فروخت کرنے کو ''مبادلہ'' کہتے ہیں،مثلاً دینار بمقابلہ دینار کے یا درہم درہم کے مقابلہ میں،نیز اس میں یہ ضروری ہے کہ عوضین ہم جنس ہوں۔

صرف: سونے کو چاندی یا چاندی کو سونے کے ساتھ خرید وفروخت کو ''صرف'' کہتے ہیں،سونا چاندی خواہ کسی بھی شکل میں ہوں،اور معاملہ خواہ وزناً ہو یا عدداً ہو۔



(۱)

(۱) عقد الجواهر الثمنية ، ابن شاس (جلال الدين عبد الله بن نجم ابن شاس المتوفى ۶۱۶هج) دارالغرب الاسلامى ، طبع اول ۱۴۱۵ هج

اس میں مصنفؒ نے صرف ، مراطلہ اور مبادلہ کے احکام بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ھے ، (۲/۳۵۱ تا ۳۹۶)

ــــــــــ الشرح الصغير على اقرب المسالك الى مذهب الامام مالك ، الدردير

(بقیه حاشیه اگلے صفحه پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (العلامة ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر) مصر ، دار المعارف (۳/۴۸ تا ۸۵)

———— کتاب الکافی فی فقه اهل المدینة المالکی ، القرطبی (ابو عمر یوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البرالنمر القرطبی) السعودیة ، الریاض ، مکتبة الریاض الحدیثیة ، طبع دوم ۱۴۰۰ هج (۲/۶۳۳)

———— تطور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیة :

"اما المالکیة فلهم اصطلاح آخر فی بیع الاثمان ، ذلک انهم یقسمونها الی ثلثة اقسام : المراطلة والمبادلة ، والصرف ،

اما لمراطلة: فهی بیع الذهب با لذهب او الفضة با لفضة وزنا ، سواء اکانا مسکوکین او مصوغین او تبرا .

واما المبادلة : فهی بیع النقد المسکوک من الذهب او الفضة بجنسه عددا .

...واما الصرف فهو بیع الذهب بالفضة او الفضة بالذهب او احدهمابالفلوس."(ص ۱۴۳)

اس عبارت کا خلاصه وهی هے جو تفصیل کے ساتھ متن میں ذکر هوا هے ، لیکن یاد رکھیں که یه صرف اصطلاح کا فرق هے ، احکام میں مالکیه کا مذهب حضرات ائمه ثلاثه سے کچھ زیادہ مختلف نهیں هے ، صرف مراطله میں یه حضرات معمولی کمی بیشی کی گنجائش دیتے هیں، باقی تقابض وغیره کے احکام میں یه ائمه ثلاثه کی طرح هے .

''بیع صرف'' اور اس کی شرطیں:

بیع صرف کے شرعاً معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں، جن میں سے دو وجودی ہیں، یعنی ان کا پایا جانا ضروری ہے، اور دو عدمی ہیں، یعنی ان کا نہ پایا جانا ضروری ہے، اور وہ چار شرائط اجمالاً درج ذیل ہیں:

۱......تقابض

۲......تماثل یا مماثلت

۳......خیار شرط

۴......اجل (تاجیل)

حقیقت میں شرطیں دو ہی ہیں، یعنی تقابض اور تماثل، کیونکہ آخری دو شرطیں تقابض ہی پر متفرع ہیں، جیسا کہ تفصیل سے واضح ہو جائے گا۔

بلکہ اگر غور کیا جائے، تو بیع صرف معتبر ہونے کے لئے ایک ہی شرط ہے، اور وہ تماثل ہے، کیونکہ مماثلت یا تماثل کے معنی یہاں برابری کے ہیں، اور جب ایک جانب قبضہ پایا جائے، اور دوسری جانب قبضہ نہ پایا جائے، تو ظاہر ہے کہ ایک جانب جو جانبِ قبضہ ہے اس کو فضیلت حاصل ہوگی، تو مماثلت نہ رہی، جیسا کہ علامہ مرغینانیؒ کی عبارت میں اسکی صراحت ہے:

''ثم لابد من قبض الآخر تحقيقا للمساواة فلا يتحقق الربا ولان احدهما ليس باولى من الآخر''

''پھر دوسری جانب قبضہ ضروری ہے تا کہ برابری ثابت ہو، اور ربا لازم نہ ہو، اور اس لئے بھی کہ ایک جانب دوسری جانب سے اولی نہیں۔''(۱)

فائدہ: بیع صرف اور ربا کا باہم گہرا تعلق ہے، کیونکہ صرف بیع ہے، اس میں اتحادِ جنس کی صورت میں کسی ایک جانب زیادتی کیصورت میں ربا الفضل وجود میں آتا ہے، اور ادھار یا کسی ایک جانب قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ربا النساء لازم آتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں ربا اور صرف ایک ساتھ اور ایک ہی باب میں

---

(۱) هداية مع فتح القدير (۲۶۰/۶)

ذکر کرتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ''صرف'' کا عنوان ان کے ہاں ہوتا ہی نہیں، ربا کا عنوان ہوتا ہے، اس میں صرف کے مسائل ذکر کرتے ہیں، گو حنفیہ کے ہاں دونوں کے لئے الگ الگ باب قائم کرتے ہیں۔

اب ہم مذکورہ شرائط کو ایک ایک کر کے قدرِ تفصیل کے ساتھ یہاں ذکر کرتے ہیں:

تقابض:(Possession)

''تقابض'' بابِ تفاعل ہے، جس کے معنی باہمی قبضہ کرنے کے ہیں، یعنی متعاقدین (Contractors) میں سے ہر ایک عوض پر مجلسِ عقد میں قبضہ کرے، تو بیع صرف معتبر ہونے کے لئے یہ سب سے اہم اور عمومی شرط ہے، جو بیع صرف کی تمام صورتوں میں بالاتفاق ضروری ہے، یعنی بیع صرف کی کوئی بھی صورت ہو، خواہ عوضین کسی بھی شکل میں ہوں، یعنی سکّی کی شکل میں ہوں، برتن یا زیور کی شکل میں ہوں، ڈلی کی شکل میں ہوں، وغیرہ، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، ان تمام صورتوں میں بیع صرف معتبر ہونے کے لئے اس شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔(۱)

---

(۱) علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:

''سواء کانا یتعینان کالمصوغ اولایتعینان کالمضروب، او یتعین احدھماو لایتعین الاخر، لاطلاق ماروینا، ولانه ان کان یتعین ففیه شبهة التعیین لکونه ثمنا خلقةً فیشترط قبضه اعتبارا للشبهة فی الربا.''

''چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلا دونوں طرف سکہ ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے، تو اس میں تعیین کے باوجود شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔''

الهداية مع الفتح ، المرغینانی (شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن ابوبکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھج) کوئٹه، باکستان، مکتبه رشیدیه (۲۶۱/۶)

(بقیه حاشیه اگلے صفحه پر)

اس شرط کو ضروری قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر بیع میں کسی جانب بھی قبضہ نہ ہو، تو یہ ''بیع الکالئی بالکالئی'' ہے یعنی ادھار کا ادھار کے ساتھ معاملہ، جو شرعاً ناجائز ہے۔

چنانچہ ابن عمرؓ کی روایت ہے، جس کے الفاظ درذیل ہیں:

اسحاق وابن شیبه والبزار عن ابن عمر: '' نهى رسول الله ﷺ ان يباع كالئى بكالئى ـــــ يعنى دينا بدين ـــــ زاد البزار: وعن بيع عاجل بآجل وعن بيع الغرر''

''حضور پاک ﷺ نے ادھار کے مقابلہ میں ادھار کی بیع سے منع فرمایا ہے، بزار کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے ادھار کے مقابلہ میں نقد کی بیع سے منع فرمایا ہے، اور بیع غرر سے بھی منع فرمایا ہے۔''(۱)

اور فقط ایک جانب قبضہ ہو، تو اس صورت میں مساوات اور برابری فوت ہو جائے گی، اور اس شرط کی اہم دلیل اشیاء ستہ والی احادیث ہیں:

''الذهب بالذهب مثلا بمثلا والفضة بالفضة مثلا بمثل، والتمر بالتمر مثلا بمثل والبر بالبر مثلا بمثل، والملح بالملح

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ) كذا فى البحر الرائق (۳۲۱/۶)

ـــــ الفقه الاسلامى وادلته للزحيلى:

''والتقابض شرط سواء اتحد الجنس او اختلف(۶۳۷/۴)''

ـــــ تطور النقود:

''والحكم فى المذاهب الثلاثة (الحنفيه والشافعيه والحنابله(عصمت) هو ان الذهب والفضة اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتماثل والتقابض، واذا بيع احدهما بالآخر وجب الحلول والتقابض وجاز التفاضل (ص ۱۴۱)''

(حاشيه صفحه هذا)

(۱) الدرايه فى تخريج احاديث الهداية، العسقلانى (العلامة ابن حجر العسقلانى المتوفى ۸۵۲ هج) پنجاب، شيخوپوره، المكتبة الاثريه پاكستان (۱۵۷/۱)

مثلابمثل ، والشعیر بالشعیر مثلابمثل فمن زاد اوازداد فقد اربی ، بیعوا الذهب بالفضة کیف شئتم یدا بید، الحدیث

''سونے کو سونے کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، چاندی کو چاندی کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، کھجور کو کھجور کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، گندم کو گندم کے مقابلہ میں برابر سرابر بیچو، نمک کو نمک کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، جو کو جو کے بدلہ میں برابر سرابر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلہ میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلہ میں جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔''(۱)

''الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلابمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن مثلابمثل ، فمن زاد او استزاد فهوربا.

''سونا سونے کے مقابلہ برابر سرابر بیچو، اور چاندی چاندی کے مقابلہ میں برابر سرابر بیچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔''(۲)

عن ابن عمر ان عمر قال: لاتبیعوا الذهب بالذهب الامثلا بمثل ، ولاتبیعوا الورق بالذهب احدهما غائب والآخر ناجز''

''سونے کو سونے کے ساتھ برابر سرابر ہی بیچو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ اس طرح مت بیچو کہ ایک حاضر ہو، اور دوسری چیز غائب ہو۔(۳)

فائدہ : بیع صرف میں ''تقابض'' کے شرط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین جسماً مجلسِ عقد نہ چھوڑیں،

---

(۱) کنزالعمال ،المتقی (علاء الدین علی المتقی الهندی) عدد الحدیث ۴۲۶۹.

(۲) اخرجه مسلم ، کتاب المساقاة ، باب الربا.

(۳) نصب الرأیة ، الزیلعی (العلامة جمال الدین ابو محمد عبد الله الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ هج)لبنان ، مؤسسة الریان ، طبع اول ۱۴۱۸ هج (۵۶/۴)

جسے عربی میں ''افتراق بالابدان'' کہتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً بیع صرف کا معاملہ ہوگیا، اور عوضین پر قبضہ سے قبل ایک عاقد اس طرف نکل گیا، اور دوسرا عاقد دوسری طرف نکل گیا، یا ایک عاقد مجلس میں موجود ہے، اور دوسرا اٹھ کر چلا گیا، تو اس صورت میں یہ عقد شرعاً باطل ہے، لیکن اگر اسی مجلس میں دونوں موجود ہیں، خواہ مجلس جتنی بھی لمبی ہوجائے، یا دونوں اس میں سو جائیں، تو اس کو ''افتراق'' نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر مجلس میں عقد ہوا، اور متعاقدین دونوں ایک ساتھ مجلس سے اٹھ گئے، اور ایک جانب ہی ایک ساتھ نکلیں، تو اس صورت کو بھی افتراق نہیں کہا جائے گا، اور اس سے عقد سے باطل نہیں ہوگا، اگر اس کے بعد عوضین پر قبضہ پایا گیا، تو صرف معتبر ہوجائے گا۔(۱)

مذکورہ شرط کی اہمیت:

بیع صرف میں ''تقابض'' کی شرط کی اہمیت حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل دو روایتوں سے معلوم ہوتی ہے:

عن ابن عمر ان عمر قال: لاتبیعو ا الذھب بالذھب الا مثلا بمثل ولاتبیعوا الورق بالذھب احدھما غائب والآخر ناجز وان استنظرک ان یلج بیتہ فلاتنظرہ الا یدا بید ھات وھات انی اخشی علیکم الربا.

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سونا کو سونے کے ساتھ مت بیچو مگر یہ کہ برابر سرابر ہو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ مت بیچو جن میں سے ایک غائب ہو، اور دوسرا حاضر ہو، اور اگر وہ تم سے گھر میں داخل ہونے کی مہلت مانگے، تو اس کو یہ مہلت

---

(۱) البحر الرائق:

''واما التقابض فالمراد التقابض قبل الافتراق بابدانھما بان یاخذ ھذا فی جھة وھذا فی جھة، فان مشیا میلا او اکثر ولم یفارق احدھما صاحبہ فلیسا بمتفرقین،،(۳۲۲/۶)

کذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ: ''کذلک لا یحصل التفرق ان ناما فی المجلس او اغمی علیھما او قاما عن المجلس فذھبا معا فی جھة واحدة وطریق واحد الخ''(۶۳۷/۴)

مت دو، مگر یہ ہاتھ در ہاتھ ہو، یہ دیا اور یہ لیا، مجھے آپ لوگوں کے بارے میں ربا کا خوف ہے۔"(۱)

غور فرمائیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرطِ تقابض کو بیع صرف میں کیا اہمیت دیتے ہیں کہ بیع صرف میں عوضین پر قبضہ سے قبل گھر میں داخل ہونے کی بھی گنجائش نہیں ہے، اور اس سے بھی زیادہ اہمیت پر دال حضرت ابن عمر کا قول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن ابن عمر رضی الله عنه انه قال: وان وثب من سطح فثب معه"

"اور اگر وہ (احد العاقدین) چھت سے کودے، تو تم بھی اس کے ساتھ ہی کودو (تاکہ مجلس ایک رہے)۔"(۲)

شرطِ تقابض پر متفرع چند اہم مسائل:

بیع صرف کے معتبر ہونے کے لئے جب جانبین سے قبضہ ضروری ہوا، تو اس پر درج ذیل اہم مسائل متفرع ہوتے ہیں:

ابراء، ھبہ، صدقہ، استبدال، مقاصہ،

تفصیل درج ذیل ہے:

ابراء، ھبہ اور صدقہ:

ان تینوں کا حکم ایک ہے، مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید اور عمرو کے درمیان ایک دینار کے مقابلہ میں ایک دینار کا معاملہ صرف ہوا، زید نے عمرو کو مجلسِ عقد میں اس کا دینار حوالہ کر دیا، تو زید بری ء الذمہ ہو گیا، لیکن عمرو نے ابھی تک زید کو اس کا دینار حوالہ نہیں کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرو کے ذمہ ابھی تک زید کا ایک دینار واجب ہے، تو زید جو صاحبِ حق ہے، اس نے عمرو سے اس مجلس میں کہا، یہ دینار میں نے تمھیں ھبہ کر دیا، یا میں نے تمھیں صدقہ کے طور دے دیا، یا میں نے تمھیں اس سے بری کر دیا، اس ابراء، یا ھبہ یا صدقہ کا تعلق"

---

(۱) نصب الرأیة (۴/۵۶) کذا فی فتح القدیر (۶/۲۶۱)

(۲) حوالہ بالا.

ثمن الصرف'' سے ہے، جو ایک دینار ہے۔

اب دو صورتیں ہیں:

۱.........اگر عمرو نے کہا کہ میں نے یہ ھبہ یا صدقہ یا ابراء قبول کیا، اس صورت میں عمرو بری الذمہ ہو جائے گا، لیکن بیع صرف باطل ہو جائے گی، کیونکہ ایک جانب سے قبضہ نہیں پایا گیا۔

۲.........لیکن اگر عمرو نے اسکو قبول نہیں کیا، تو اس صورت میں ابراء وغیرہ باطل ہو گیا، اور بیع صرف علی حالہ باقی ہے، کیونکہ یہاں ابراء وغیرہ فسخ عقد کے معنی میں ہے، گویا کہ زید اس عقد کو فسخ کرنا چاہتا ہے، اور عمرو اس پر راضی نہیں ہے، اور فسخ شرعاً یکطرفہ درست نہیں، اس میں جانبین کی رضامندی ضروری ہے، اب اگر دوسری جانب سے بھی افتراق سے قبل دینار پر قبضہ پایا جائے، تو بیع صرف درست ہو جائے گی۔

استبدال:

مثال مذکور میں اگر عمرو زید کو دینار کے بدلہ میں کپڑا دیدے، تو اس کو قبضہ نہیں کہا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا، کہ قبضہ ابھی تک ہوا نہیں، لھذا استبدال باطل ہوگا، اور بیع صرف علی حالہ باقی ہوگا، اگر افتراق سے قبل زید نے دینار پر قبضہ کرلیا، تو یہ عقد درست ہو جائے گا۔

مقاصہ: (Adjustment)

مقاصہ کے معنی برابری کے ہیں، یعنی برابر سرابر کرنا، پھر مقاصہ کی دو قسمیں ہیں:

مقاصہ جبریہ (Compulsoy)

مقاصہ اختیاریہ (Voluntary)

مقاصہ جبریہ کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین چاہیں یا نہ چاہیں، خود بخود مقاصہ ہو جاتا ہے، مثلاً زید کے عمرو پر ایک سو دینار ادھار ہے، اب کسی معاملہ میں عمرو کے زید کے پاس ایسے ہی ایک سو دینار آ گئے، تو اس دونوں کے درمیان خود بخود مقاصہ ہو جائے گا، اور دونوں کا دین ساقط ہو جائے گا، زید وعمرو اس پر راضی ہوں یا نہ ہوں، اب اگر دونوں دینوں کی مقدار ایک ہو، تو ایک دوسرے سے مطالبہ بالکل ساقط ہو جائے گا، اور اگر دونوں مقدار میں برابر نہ ہوں، تو کمی بیشی کو برابر کیا جائے گا۔

لیکن مقاصہ جبریہ میں ضروری ہے کہ:

۱.........ہر شخص ایک دوسرے کی نسبت سے دائن (Creditor) بھی ہو، اور مدین (Debtor) بھی

ہو۔

۲............دونوں دین جنس، نوع، صفت، اور کیفیت میں مماثل ہوں، جنس ایک ہو، مثلاً دونوں زر ہوں، نوع ایک ہوں مثلاً دونوں درھم ہوں، صفت اور کیفیت ایک ہوں، مثلاً دونوں کھرے یا دونوں کھوٹے ہوں۔ مقاصہ میں کمیت (مقدار) کا ایک ہونا ضروری نہیں۔

مقاصہ اختیاریہ جو اصحابِ حق کی باہمی رضامندی سے ہو، مثلاً زید کا عمرو کے ذمہ دس دینار واجب ہیں، اور عمرو کا زید کے ذمہ ایک من گندم ہے، اب دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہم ان دونوں کا مقاصہ کرتے ہیں کہ زید اپنا حق چھوڑے اور عمرو اپنا حق چھوڑے، تو یہ جائز ہے۔

جب یہ تمھید سمجھ میں آ گئی تو اب اصل مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ:

مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک دینار کے بدلہ میں دس درہم بیچے، تو دراہم دینا زید کے ذمہ واجب ہے، اور دینار دینا عمرو کے ذمہ واجب ہے۔

زید ۱۰ درہم ⇦ ⇨ دینار عمرو

عمرو نے زید کو دینار دیدیا، اور دس درہم ابھی زید کے ذمہ عمرو کے لئے واجب ہیں، لیکن عمرو کے ذمہ زید کے بھی کسی اور معاملہ میں درہم واجب الاداء ہو گئے:

زید ۱۰ درہم صرف ⇦ ⇨ ۱۰ درہم (کسی اور معاملہ میں) اور ایک دینار عمرو

اب دونوں مقاصہ کرنا چاہتے ہیں، تو کیا مقاصہ ہو سکتا ہے؟

تین صورتیں ہیں:

۱............عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقدِ صرف سے قبل کسی وجہ سے واجب ہو چکے تھے، اس صورت میں یہ مقاصہ استحساناً درست ہوگا، اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مقاصہ درست نہ ہو، کیونکہ ایک جانب قبضہ نہیں پایا گیا، اور یہ مقاصہ اختیاریہ ہوگا، یعنی اگر دونوں مقاصہ کرنا چاہیں، تو کر سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔

۲............عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقدِ صرف کے بعد کسی قبضِ مضمون (قبضہ جو موجبِ ضمان ہو مثلاً غصب وغیرہ) کے ساتھ واجب ہو گئے، مثلاً عمرو نے زید سے دس درہم غصب کئے، اس صورت میں جبری مقاصہ ہوگا۔

۳............عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقدِ صرف کے بعد کسی عقد کی وجہ سے واجب ہوں، مثلاً عمرو نے زید

سے دس درہم میں کپڑا خریدا اب یہ دس درہم عمرو کے ذمہ اس عقد بیع کی وجہ سے زید کے لئے واجب الاداء ہیں، اس صورت میں جبری مقاصہ تو بالاتفاق جائز نہیں، البتہ باہمی رضامندی سے اگر یہ دونوں مقاصہ کرنا چاہیں، تو صحیح روایت کے مطابق دونوں مقاصہ کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلی اور تیسری صورت میں مقاصہ اختیاریہ ہوگا، اور دوسری صورت میں مقاصہ جبریہ ہوگا۔(۱)

تماثل رمماثلت:(Similarity)

تماثل یا مماثلت کے معنی ''برابری'' کے ہیں، بیع صرف میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عوضین ہم جنس ہوں، مثلاً دینار کے مقابلہ میں دینار یا درہم کے مقابلہ میں درہم کی بیع ہو رہی ہو، تو اس صورت میں کسی ایک جانب کسی قسم کی کوئی زیادتی جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، اور اس سلسلہ میں جید (عمدہ) اور ردی (گھٹیا) برابر ہیں، برتن کی شکل میں ہوں، زیور کی صورت میں ہوں، ڈلی کی شکل میں ہوں، یا سکہ کی شکل میں ہوں، کیونکہ اس سلسلہ میں وارد احادیث مطلق ہیں، وہ اطلاق کی وجہ سے تمام صورتوں کو شامل ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''الذهب بالذهب و الفضة بالفضة (الى ان قال:) مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد۔''

''سونا سونا کے مقابلہ میں اور چاندی چاندی کے مقابلہ میں ۔۔۔ برابر سرابر اور ہاتھ در ہاتھ بیچو، جب یہ قسمیں مختلف ہو جائیں، تو پھر جس طرح مرضی ہو، بیچو، لیکن اس صورت میں بھی ہاتھ در ہاتھ بیچنا ضروری ہے۔''(۲)

البتہ عوضین اگر ہم جنس نہ ہوں، تو اس صورت میں تماثل ضروری نہیں، مثلاً ایک جانب درہم ہے، اور

(۱) البحر الرائق (۳۲۲/۶) فتح القدير (۲۵۸/۶) الفقه الاسلامی وادلته (۶۳۹/۴)

(۲) رواه البخاری فی کتاب البيوع باب ۸، ۸۱، ۸۴، ومسلم فی کتاب المساقاة حديث ۷۶، ۸۱، ابوداؤد فی کتاب البيوع باب ۱۲، ۱۷، الترمذی فی کتاب البيوع باب ۴۲، ۴۴، وغيره

دوسری جانب دینار ہے، تو اس صورت میں تفاضل (زیادتی) جائز ہے، جیسا کہ حدیث مذکور میں اس کی صراحت ہے کہ جب اقسام مختلف ہوں، تو جیسی مرضی ہو فروخت کیا کرو، البتہ تقابض اس صورت میں بھی ضروری ہوگا۔

اس شرط پر متفرع چند اہم مسائل:

(۱) ۲درہم + دینار = ۲دینار + درہم

یہ معاملہ جمہور احناف کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ اس میں:

دو درہم = دو دینار اور ایک دینار = ایک درہم

جنس مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں کمی بیشی جائز ہے۔

(۲) ۱۱درہم = ۱۰درہم + دینار

یہ عقد درست ہے، کیونکہ اس میں:

۱۰درہم = ۱۰درہم اور درہم = دینار

دس درہم دس درہم کے مقابلہ میں آ کر مساوات ثابت ہوگئی اور ایک درہم ایک دینار کے مقابلہ میں آیا، جس میں جنس مختلف ہونے کی وجہ سے مساوات ضروری نہیں۔

(۳) ۱۰درہم = ۹درہم + دوسری کوئی چیز (یا)

۱۰دینار = ۹دینار + دوسری کوئی چیز

اس کی تین صورتیں ہیں:

۱..........''دوسری چیز'' کی قیمت ایک درہم (پہلی مثال میں) یا ایک دینار (دوسری مثال میں) کے برابر ہے۔

۲..........''دوسری چیز'' کی قیمت ایک درہم یا ایک دینار سے کم ہے۔

۳..........''دوسری چیز'' کی کوئی قیمت نہیں۔

پہلی صورت میں یہ عقد بلا کراہت جائز ہے، دوسری صورت میں کراہت کے ساتھ جائز ہے، اور تیسری صورت میں یہ عقد درست ہی نہیں۔

اس دوسری صورت میں یہ حیلہ ممکن ہے کہ ایک جانب جو سونا یا چاندی زائد ہے، اس کو اس ''دوسری چیز'' کے مقابلہ میں رکھا جائے، تو خلاف جنس ہونے کی وجہ سے کوئی کراہت نہ ہو، لیکن اس کے باوجود یہ صورت مکروہ قرار پائی، کیونکہ اگر اس کی اجازت دی جائے، تو لوگ اس کو ربا الفضل کے جواز کے لئے ایک حیلہ بنالیں گے، اور اس طرح ربا الفضل کا دروازہ کھل جائے گا، چنانچہ حضرت امام محمدؒ سے جب اس صورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ:

كيف تجده في قلبك ؟

''آپ دل میں یہ صورت کیسی ہے؟''

تو انہوں نے فرمایا:

مثل الجبل....

''پہاڑ کی طرح''(۱)

خیارِ شرط:(optional Condition)

اس کو سمجھنے سے قبل خیار کی مشہور قسموں کا مختصر تعارف ضروری ہے، تو یاد رکھنا چاہیئے کہ خیار کی تین مشہور قسمیں ہیں:

خیارِ شرط

خیارِ رویت

خیارِ عیب

خیار(Option) کی تعریف یہ کی گئی ہے:

''حق العاقد في فسخ العقد او امضاء ه لظهور مسوغ شرعي او بمقتضى اتفاق عقدي .''

''فسخِ عقد یا تنفیذِ عقد کا وہ حق جو عاقد کو اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب معاملہ

---

(۱) الهداية مع فتح القدير (۲۶۷/۶ تا ۲۷۱)

میں کوئی شرعی مجوّز ظاہر ہوجائے، یا کسی ایسے معاہدہ کی وجہ سے جو عقد میں ہوا ہوتا ہے۔"(۱)

خیارِ شرط:

اس میں اضافت مسبب کی سبب کی طرف ہے، یعنی وہ خیار جو شرط کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، یعنی اگر یہ شرط نہ ہوتی، تو یہ خیار بھی حاصل نہ ہوتا۔ (۲)

خیارِ شرط کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"ان یشترط فی العقد او بعده الخیار لاحد المتعاقدین او کلیهما فی فسخ العقد و امضاء ه"

"عقد میں یا بعد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کے لئے فسخِ عقد یا تنفیذِ عقد کی شرط لگائی جائے۔"

یعنی خیارِ شرط کا مطلب یہ ہے کہ عقد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کا اس بات کا اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہے یا چاہیں، تو اس عقد کو اتنے دنوں میں فسخ کرے یا کریں، اور یا اس کو نافذ کرے یا کریں، اب اس شرط کی بنیاد پر جس کو اختیار حاصل ہو، وہ مقررہ مدت کے اندر اس شرط کے مطابق اپنا اختیار استعمال کر سکتا ہے، چاہے تو اس عقد کو ختم کرے، اور چاہے، تو اس کو نافذ کرے، مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں تم سے یہ گھڑی خریدتا ہوں لیکن مجھے تین دن کا اختیار رہے گا۔

خیارِ شرط کے لئے مدت مقرر کرنا ضروری ہے، اور یہ مدت امام صاحبؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن ہیں، اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک تین دن سے زیادہ بھی وہ سکتی ہے۔ (۳)

خیارِ رؤیت:

اس میں بھی اضافت سببیہ ہے، یعنی وہ خیار جو رؤیت کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو، بلکہ عدمِ رؤیت

(۱) الخیار واثره فی العقود، ابو غده (الدکتور عبد الستار ابو غده)، الکویت، مطبعة مقهوی، طبع دوم ۱۴۰۵ (۴۳/۱)

(۲) حواله بالا (۱۹۴/۱)

(۳) حواله بالا (۱ ص ۱۰۳)

کی وجہ سے حاصل ہو۔

خیارِ رؤیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:

''حق يثبت به للمتملك الفسخ او الامضاء عند رؤية محل المعين الذى عقد عليه ولم يره.''

''وہ حق ہے جس کی وجہ سے مالک بننے والے کو فسخ یا تنفیذ کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جب وہ اس معین محل کو دیکھا جائے جس پر عقد پر واقع ہو، اور اس کو دیکھا نہ ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے جو چیز کو نہ دیکھا ہو، اور بن دیکھے اس کو خریدے، تو دیکھنے کے بعد مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو اس عقد کو باقی رکھے، اور چاہے تو اس عقد کو نافذ کرے۔

خیارِ عیب:

یعنی وہ خیار جو عیب کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو۔(۱)

اور خیارِ عیب کی تعریف یہ ہے:

''ماثبت بسبب نقص يخالف ما التزمه البائع عرفا فى زمان ضمانه .''

''جو ایسے نقصان کی وجہ سے حاصل ہو، کہ جس کا بائع نے زمانہ ضمان میں عرفاً التزام کیا ہو، اس کے خلاف ہو۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع نے اس بات کو التزام کیا ہے کہ وہ مشتری کو صحیح سالم شئی دے گا، لیکن مبیع میں کوئی ایسا نقص نکل آتا ہے، جو اس بائع کے التزام کے خلاف ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائع کا التزام باقی نہ رہا لھذا ہو ضامن ہوگا۔(۲)

ان تینوں خیارات میں عقد خطرہ میں رہتا ہے، یعنی فسخ بھی وہ سکتا ہے، اور نافذ بھی ہوسکتا ہے۔

---

(۱) فتح القدير ۲/۲)

(۲) الخيار واثره عن الحطاب على الخليل ۴/۴۲۷) (۲/۳۴۷)

اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ ''بیع صرف'' میں یہ تینوں خیارات جاری ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو خوب سمجھنا چاہیئے کہ بیع صرف میں چونکہ مجلسِ عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اس میں خیارِ شرط کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، یعنی زید عمرو سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تم سے دینار کے بدلہ میں دینار یا درہم خریدتا ہوں، لیکن مجھے یا ہم دونوں کو تین دن تک فسخ یا تنفیذ کا اختیار رہے گا۔

البتہ خیارِ عیب عقد صرف میں جاری ہوسکتا ہے، کہ دونوں عوضین پر قبضہ کریں، تو ظاہر ہے کہ بیع ہوگئی، اور عقد مکمل اور حتمی ہوگیا، اور ملکیت منتقل ہوگئی، لیکن بعد میں کسی ایک جانب میں عیب نکل آیا کہ مثلاً درہم میں کھوٹ غالب تھا، تو اب اس کو خیارِ عیب حاصل ہوگا، اور اسی طرح خیارِ رؤیت بھی بیع صرف کے لئے مضر نہیں ہے، لیکن بیع صرف میں جہاں مقابلہ زر کا زر کے ساتھ ہو، یعنی تعیین سے متعین نہ ہوتے ہوں، تو اس میں خیارِ رؤیت کا تصور نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہاں عقد کا تعلق عین سے ہے نہیں، تو رؤیت کا کوئی فائدہ بھی نہیں، البتہ اگر زیور ہو، یا برتن ہو، یا ڈلی ہو، جو تعیین سے متعین ہوتی ہے، تو وہاں خیارِ رؤیت کارگر ہوگا۔(۱)

فائدہ: اگر بیع صرف میں عاقدین میں سے دونوں یا کسی ایک کے لئے خیارِ شرط رکھا گیا، تو عقد فاسد ہو جائے گا، البتہ اگر اسی مجلس میں اس خیار کو ختم کر دیا، اور جانبین سے مجلس میں قبضہ پایا گیا، تو عقد دوبارہ درست ہو جائے گا، لیکن اگر خیار کے ساتھ ہی مجلس برخاست ہوگئی، تو اب فساد پکا ہو جائے گا، بعد میں اگر خیار ساقط بھی کیا جائے، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔(۲)

اجل (Deferred Payment)

یہ بھی بیع صرف کی عدمی شرائط میں سے ہے، یعنی اس کا نہ ہونا بیع صرف کی صحت کے لئے ضروری ہے، اور اس کے ہونے سے بیع صرف باطل ہوگی، اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ بیع صرف میں جب عوضین پر قبضہ ضروری ہوا، تو اگر کسی ایک جانب ثمن مؤجل ہو، تو مجلس عقد میں قبضہ کا تحقق نہیں ہوگا، اس وجہ سے بیع صرف کسی بھی جانب اجل کو قبول نہیں کرتی۔

واضح رہے کہ ''اجل'' کا تعلق عام بیوعات میں ثمن سے ہوتا ہے، عام بیوعات اس لئے کہا کہ بیع سلم

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۲۳۸/۴)

(۲) حوالہ بالا۔

میں اجل کا تعلق مبیع (Subjet Matter) سے ہوتا، اور صرف میں عوضین میں ہر ایک مبیع بھی ہے، اور ثمن بھی ہے، لھذا جانبین کے کسی بھی ثمن اجل کو قبول نہیں کرے گا۔

خیارِ شرط کی طرح اگر معاملہ موَجل ہوا، لیکن اسی مجلس میں اجل کو ساقط کر دیا گیا، اور تقابض پایا گیا، تو اس صورت میں بیع صرف درست ہو جائے گی، اور اگر تقابض کے بغیر مجلس برخاست ہوئی، تو یہ فساد مستحکم ہو جائے گا، اور بعد میں اجل ساقط کرنا کارگر نہیں ہوگا۔(۱)

خلاصہ یہ کہ بیع صرف کے معتبر ہونے کے لئے ان چار شرطوں کا وجوداً اور عدماً ہونا نہایت ضروری ہے، یعنی تقابض اور تماثل کا وجوداً ہونا ضروری ہے، اور خیارِ شرط اور اجل کا عدماً ہونا ضروری ہے۔

چند اہم متفرق مسائل:

(۱) یہ قاعدہ ہے کہ جن اشیاء کی بیع میں تفاضل جائز ہوتا ہے، ان میں مجازفہ (تولے ناپے بغیر اندازہ سے) بھی جائز ہوگا، اور جن اشیاء میں تفاضل اور زیادتی جائز نہیں، ان میں مجازفہ بھی جائز نہیں، اور یہ قاعدہ چاروں مذاہب میں متفق علیھا ہے، لھذا سونے کی سونے کے ساتھ بیع یا چاندی کی چاندی کے ساتھ بیع یا گندم کی گندم کے ساتھ بیع مثلاً مجازفۃً حرام ہے۔ لیکن چاندی کی سونے کے ساتھ یا گندم کی جو کے ساتھ بیع مجازفۃ درست ہے۔

(۲) اگر کسی نے مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ مجازفۃ بیچا، تو یہ ناجائز ہے، لیکن اگر پھر اسی مجلس میں دونوں کو تولا گیا، اور دونوں برابر تھے، تو استحساناً یہ عقد درست ہو جائے گا، اور اگر مجلس برخاست ہوگئی، اور اس کے بعد دونوں کو تولا اور دونوں برابر نکلیں، تو اس صورت میں یہ عقد بدستور فاسد ہی رہے گا۔

(۳) تلوار تلوار کے مقابلہ میں یا تانبے کے کسی برتن کو تانبے کے دوسرے برتن کے ساتھ مجازفۃ فروخت ہوا، تو اگر عرف ودستور عدداً فروخت کرنے کا ہو، تو یہ عقد جائز ہے، کیونکہ "عددی ہونا" کسی کے نزدیک علتِ ربا نہیں، اور اگر عرف وزناً بیچنے کا ہو، تو اس صورت میں یہ عقد باطل ہے، کیونکہ وزن+جنس علتِ ربا ہے، تو اس میں مجازفت درست نہ ہوگی۔

(۴) چاندی میں اگر کھوٹ شامل ہو، یا سونے میں کھوٹ شامل ہو، اور اس کو کسی اور دھات کے ساتھ فروخت کیا، تو دیکھا جائے گا، اگر چاندی غالب ہے، تو یہ خالص چاندی کے حکم میں ہے، اور اسی طرح سونا غالب ہو، تو یہ خالص سونے کے حکم میں ہے، لھذا اسطرح کھوٹ والی چاندی یا سونے کو اپنے ہم جنس کے

ساتھ تفاضلاً فروخت کرنا درست نہ ہوگا، اور اگر کھوٹ غالب ہے، تو اس کا حکم عام دھات کا ہے، لھذا جس دھات کے ساتھ اس کا مقابلہ ہو رہا ہے، وہ اگر اس کا ہم جنس ہو، تو اس عقد میں تفاضل جائز نہ ہوگا، ورنہ جائز ہوگا۔

یادرہے کہ ان مسائل میں ''برابر'' غالب کے حکم میں ہے، یعنی اگر سونے یا چاندی میں سونا یا چاندی کھوٹ کے برابر ہو، تب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خالص چاندی یا خالص سونا ہے، اور اس پر وہی چاندی اور سونے کے احکام جاری ہوں گے۔

(۵) جس تلوار پر چاندی چڑھائی گئی ہو، اس کو ''سیف مُفَضَّض'' کہا جاتا ہے، اور جس تلوار پر سونے کا کام ہوا ہو، اس کو ''سیف مُذَہَّب'' کہا جاتا ہے، اس قسم کی تلوار کی بیع اگر سونے یا چاندی کے ساتھ ہو، تو اگر تلوار میں لگا زیور ثمن والے زر کے جنس سے مختلف ہو، مثلاً سیف مفضض ہے، اور اسکی بیع سونے کے ساتھ ہوئی، یا سیف مذہب ہے اور اس کی بیع چاندی کے ساتھ ہوئی، تو یہ بیع تو درست ہے، کیونکہ یہاں کمی بیشی جائز ہے، لیکن اگر ہم جنس کے ساتھ ہوا ، یعنی تلوار کے زیور اور ثمن والا زر ہم جنس ہیں، تو اس صورت میں دیکھا جائے گا، اگر:

ا..........تلوار میں سونا اس سونے سے یا تلوار میں چاندی اس چاندی سے زیادہ ہے، جو ثمن ہے، تو یہ بیع جائز ہے، یعنی ثمن کی مقدار تلوار والے سونے یا چاندی سے زیادہ ہے، تو یہ معاملہ جائز ہے، یہ شکل بنے گی:

تلوار کا سونا یا چاندی	=	ثمن کا سونا یا چاندی
بقیہ ثمن	=	تلوار کا نیام وغیرہ

تلوار میں جتنا سونا یا چاندی ہے، ثمن میں سے اس کی بقدر سونا یا چاندی اس سونے یا چاندی کے مقابلہ میں ہو جائے گی، اور ثمن میں سے جو باقی زائد حصہ ہے، وہ تلوار کے نیام وغیرہ کے مقابلہ میں آجائے گا، جو مختلف جنس ہیں، تو اس طرح عقد درست ہوگا، اس سلسلہ میں حضرات حنفیہ کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ:

''مبیع جب مختلف اشیاء پر مشتمل ہو، جن میں کوئی شئی ثمن کی ہم جنس ہو، اور کوئی شئی ثمن کی ہم جنس نہ ہو، تو اس صورت میں ثمن اپنے ہم جنس کے ساتھ لگے گا، اور اس طرح بیع درست ہو جائے گی۔''

مثلاً سیف مفضض میں پچاس درہم کی چاندی تھی، اور اس کو سو درہم میں خرید ا، یعنی:

سیف +۵۰ = ۱۰۰ درہم

اور مشتری نے ۱۰۰ درہم میں سے صرف ۵۰ درہم ادا کیئے، اور پچاس درہم ابھی ادا نہیں کئے، تو یہ معاملہ جائز ہے، کیونکہ اس میں:

۵۰ = ۵۰ ⇦ صرف

بقیہ ۵۰ = تلوار ⇦ عام بیع

صرف پچاس درہم تک یہ معاملہ صَرف کا ہے، جس میں تقابض پایا گیا، لھذا یہ معاملہ درست ہوا، اور تلوار کی حد تک یہ معاملہ عام بیع ہے، جس میں قبضہ ضروری نہیں۔

(۶) اسی سیف مفضض کے مسئلہ میں اگر پچاس درہم پر قبضہ نہیں پایا گیا، تو ۵۰ = ۵۰ درہم کی حد تک چونکہ یہ معاملہ صرف کا ہے، لھذا عدمِ تقابض کی وجہ سے پہلا معاملہ باطل ہوگیا، لیکن دوسرا معاملہ جو تلوار کا ہے، اس میں معاملہ میں درست ہے، یا نہیں؟ تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر:

الف: چاندی کو الگ کرنے سے تلوار کو غیر معمولی نقصان پہنچتا ہے، تو تلوار میں معاملہ بھی فاسد ہے، گویا اس صورت میں دونوں معاملہ فاسد ہو گئے۔

ب: لیکن اگر چاندی تلوار سے بآسانی الگ ہوسکتی ہے، تو اس صورت میں تلوار کا معاملہ درست ہوگا، اور بائع تلوار سے اپنی چاندی الگ کر کے تلوار کو ۵۰ درہم کے بدلہ میں مشتری کے حوالہ کردیگا۔

(۷) لیکن اگر مذکورہ مسئلہ میں ثمن تلوار والے سونے یا چاندی کے برابر یا اس سے کم ہو، تو اس صورت میں یہ عقد جائز نہ ہوگا، اور اسکا جائز نہ ہونا بالکل ظاہر ہے، کیونکہ اس میں ربا الفضل ہے۔

(۸) ایک باندی ہے، جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے، اور اس کے گلے میں ایک ہزار کا ہار بھی ہے، اس باندی کا سودا دو ہزار درہم میں ہوگیا، پھر مشتری نے صرف ایک ہزار درہم مجلس میں بائع کو ادا کیئے، تو یہ عقد درست ہے، کیونکہ:

۱۰۰۰ درہم = ۱۰۰۰ درہم (ہار)

بقیہ ۱۰۰۰ درہم = باندی

پہلا معاملہ صرف کا ہے، اور اس میں تقابض پایا گیا، لھذا وہ درست ہوا، اور دوسرا معاملہ عام بیع

کا ہے، جس میں تقابض شرط نہیں، اور یہاں دوسرا معاملہ بہر حال درست ہے کیونکہ ہار باندی سے الگ کرنا ہر حال میں آسان ہے، بخلاف سیف مفضض کے۔

(۹) اسی مسئلہ میں اگر ایک ہزار مشتری نے ادا کئے اور ایک ہزار ادھار رکھ لئے، تو اجل کا تعلق صَرف سے نہیں ہوگا، لھذا صرف درست ہو جائے گا، اور باندی کے مقابلہ میں جو ایک ہزار درہم ہیں وہ مؤجل ہیں، جو کہ عام بیع ہے، لھذا وہ مؤجل ہونے کے باوجود درست ہوگی۔

(۱۰) ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ چاندی کا ایک برتن ہے، اسکو کسی نے مثلاً ایک سو میں فروخت کیا، پھر مجلس میں ۵۰ پر قبضہ پایا گیا، اور ۵۰ پر نہیں، تو ۵۰ کی حد تک یہ معاملہ درست سمجھا جائے گا، اور ۵۰ کی حد تک نہیں، لھذا یہ برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہوگا۔(۱)

ضمیمہ: (Appendix) سونے چاندی، اور زیورات کے چند اہم مسائل

چونکہ ان مسائل کا ''صرف'' سے گہرا تعلق ہے، اور ان کو ذکر کرنا اس مقام پر مفید ہے، اس لئے ان مسائل کو بعنوان ضمیمہ بیان کئے جاتے ہیں، لیکن اصل مسائل ذکر کرنے سے قبل چند مقدمات بیان کرنا ضروری ہے، تا کہ ان سے اصل مسائل سمجھنے میں آسانی ہو:

چند ضروری مقدمات:

مقدمہ نمبر ا

جب دونوں طرف سونا یا دونوں طرف چاندی ہو، تو لین دین میں ضروری ہے کہ ہاتھ در ہاتھ اور مقدار میں برابر ہو۔ البتہ اگر ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو، تو مقدار میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، لیکن ہاتھ در ہاتھ ہونا اس میں بھی ضروری ہے۔

''الذهب بالذهب مثلابمثلا و الفضة بالفضة مثلابمثل ، و التمر بالتمر مثلابمثل و البر بالبر مثلابمثل ، و الملح بالملح مثلابمثل ، و الشعير بالشعير مثلابمثل فمن زاد او ازداد فقد اربى ، بيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يدا بيد، الحديث (۱)

''سونے کو سونے کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، چاندی کو چاندی کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، کھجور کو کھجور کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، گندم کو گندم کے مقابلہ میں برابر سرابر بیچو، نمک کو نمک کے بدلہ میں برابر سرابر بیچو، جو کو جو کے بدلہ میں برابر سرابر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلہ میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلہ میں جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔''

---

(۱) كنز العمال ،المتقى (علاء الدين على المتقى الهندى) عدد الحديث ۹۶۶۹۔

مقدمہ نمبر۲:

جب سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کیا جائے، تو مقدار کا برابر ہونا واجب ہے اگر چہ ایک طرف سونا چاندی خالص ہو، اور دوسری طرف سونے چاندی میں کچھ کھوٹ ملا ہو۔

عن الشعبی ان عبدالله بن مسعود باگ نفایة بیت المال زیوفا وقسیانا دراهم دون وزنها فنهاه عمر عن ذلک وقال: اوقد علیها حتی یذهب مافیها من حدید او نحاس وتخلص ثم بع الفضة بوزنها.

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی ردی یعنی کم و زیادہ کھوٹ ملے دراہم کو کھرے دراہم کے عوض کمتر وزن میں فروخت کیا، تو حضرت عمرؓ نے انہیں اس سے منع کیا، اور فرمایا کہ اس کو آگ پر تپاؤ یہاں تک کہ اس میں ملا ہوا لوہا اور تانبا علیحدہ ہو جائے اور خالص چاندی رہ جائے، پھر اس کو برابر وزن کی چاندی کے عوض فروخت کرو۔(۱)

محمد بن سیرین قال: خطب عمربن الخطاب فقال: الاان الدرهم بالدرهم والدینار بالدیناعینا بعین سواء بسواء مثلا بمثل فقال له عبدالرحمن بن عوف: تزیف علینا اوراقنا فنعطی الخبیث وناخذ الطیب فقال عمر: لا، ولکن ابتع بها عرضا فاذا قبضته وکان لک فبعه واهضم ماشئت وخذ ای نقد شئت .

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے خطبہ دیا اور کہا کہ خبردار درہم کی بیع درہم کے عوض اور دینار کی بیع دینار کے

(۱) اعلاء السنن، العثمانی، (علامه ظفر احمد العثمانی) کراتشی، ادارةالقرآن والعلوم الاسلامیة (۲۹۸/۴۱)

عوض میں نقد ونقد اور برابر سرابر ہونی چاہیئے ،عبدالرحمن بن عوفؓ نے پوچھا کہ ہماری چاندی کھوٹی ہوجاتی ہے ہم گھٹیا چاندی دے کر (کم مقدار میں) عمدہ چاندی عوض میں خرید لیتے ہیں ،حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں ،البتہ اپنی گھٹیا چاندی کے عوض کچھ سامان خریدلو، جب تم اس پر قبضہ کرلو، اور وہ تمھارا ہوجائے، تو اس کو فروخت کردو۔(۱)

مقدمۃ نمبر۳:

ہمارے موجودہ رواج میں روپیہ دھات کے سکے کا نام ہے، یہ سکہ ایسے ہی جیسے پچیس پیسے یا پچاس پیسے کے سکے ہوتے ہیں، دس روپے کے کاغذ کا نوٹ دھات کے روپے کے سکے کا متبادل ہے، قیامِ پاکستان قبل روپے کا سکہ چاندی کا ہوتا تھا، لیکن موجودہ دور میں روپے کا چاندی یا سونے کا تعلق نہیں ہے، اس لئے یہ فلوس یعنی تانبے کے سکوں کے حکم میں ہے، جب روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اس وقت اس سے متعلق احکام اور تھے ،اور اب جب وہ تانبے پیتل کا ہے، اسکے احکام مختلف ہیں۔

مقدمہ نمبر۴:

سونے چاندی کے روپوں کے عوض ادھار خرید وفروخت جائز ہے، لیکن سودے کے وقت ایک جانب سے قبضہ ضروری ہے۔

”وفی شرح الطحاوی : لو اشتری مائة فلس بدرهم وقبض الفلوس او الدراهم ثم افترقا جاز البيع لانهما افترقا عن عين بدين .“

”اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلہ سو فلس خریدیں، اور فلوس یا دراہم پر قبضہ کرلیا، اور پھر دونوں الگ الگ ہوگئے، تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ اس میں دین کے بدلہ میں عین کا سودا کرکے جدا ہوگئے۔“(۲)

---

(۱) اعلاء السنن، العثمانی،(علامہ ظفر احمد العثمانی) کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ (۲۹۸/۱۴)

(۲) فتح القدیر (۲۷۸/۶)

”سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسئیة

فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیة:

”علامہ حانوتیؒ سے فلوس کے بدلہ سونے کو ادھار فروخت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا، توانہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے، بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص سو فلس ایک درہم کے بدلہ خریدے، تو ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، فرمایا، اسی طرح اگر فلوس کے بدلہ چاندی یا سونے کو بیچا۔“

علامہ سرخسیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ فرمایا:

واذا اشتری الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز ، لان الفلوس الرائجة ثمن کا لنقود ، وقد بینا ان حکم العقد فی الثمن وجوبها ووجودها معا ولایشترط قیامها فی ملک بائعها لصحة العقد کما لایشترط ذلک فی الدراهم والدنانیر .

”جب ایک آدمی دراہم کے بدلہ میں فلوس خریدے، اور ثمن (دراہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز ہے، کیونکہ فلوس رائجہ نقود کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحتِ عقد کے لئے ضروری نہیں، جیسا کہ یہ دراہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“(۱)

چونکہ روپے بھی فلوس کے حکم میں ہے، لھذا مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں سونے چاندی کی خرید و

---

(۱) المبسوط للسرخسی(شمس الدین السرخسی) بیروت ، لبنان ، دارالمعرفة ، طبع ۱۴۱۴ھج (۲۴/۴)

وفروخت روپے کے عوض مین جائز ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ ایک جانب سے مال پر قبضہ جدا ہونے سے پہلے کرلیا جائے، دونوں طرف ادھار ہو، تو یہ جائز نہیں، خواہ کتنی ہی تھوڑی مدت کے لئے ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ بیع الکالی بالکالی کے حکم میں ہوگا، اوراس سے احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

عن ابن عمر رضی الله تعالی عنه: ان النبی ﷺ نهی عن بیع الکالی بالکالی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ادھار کی ادھار کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے۔(۱)

(۱) الدرایة فی تخریج احادیث الهدایةللعسقلانی(شهاب الدین احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ)المکتبة الاثریة شیخوپوره پنجاب (۱۵۷/۱)

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض خرید وفروخت:

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔

عن ابی رافع قال مربی عمر بن الخطاب ومعه ورق فقال : اصنع لینا اوضاحا لصبی لنا، قلت: یا امیر المؤمنین عندی اوضاح معمولة فان شئت اخذت الورق واخذت الاوضاح فقال عمر مثلا بمثل ، فقلت: نعم فوضع الورق فی کفة المیزان والاضاح فی الکفة الاخری فلما استوی المیزان اخذ باحدی یدیه واعطی بالاخری.

ابورافع کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ میرے پاس آئے، آپ کے پاس چاندی تھی، اور کہا کہ ہماری ایک بچی کے لئے پازیب بنادو، میں نے کہا کہ اے امیر المومنین میرے پاس بنے ہوئے پازیب رکھے ہیں، آپ چاہیں تو چاندی میں لے لیتا ہوں، اور آپ پازیب لے لیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا، برابر وزن دینے میں تیار ہو، میں نے کہا جی ہاں، تو حضرت عمرؓ نے چاندی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی، اور پازیب دوسرے میں، جب ترازو سیدھی ہوگئی، تو اپنے ایک ہاتھ سے پازیب کو لیا، اور دوسرے ہاتھ سے چاندی پکڑائی۔ (معانی الآثار)

عن ابی رافع انه قال لعمر انی اصوغ الذهب فابیعه بوزنه واخذ عمالة یدی اجرا قال لاتبع الذهب بالذهب الا وزنا بوزن والفضة بالفضة الا وزنا بوزن ولاتاخذ فضلا.

ابورافع سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں سونے کو ڈھالتا ہوں، یعنی اس کا زیور بناتا ہوں، اور اس کو اتنے ہی وزن کے سونے کے عوض فروخت کرتا ہوں، اور ساتھ ہی

میں اپنی مزدوری لیتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض میں اور چاندی کو چاندی کے عوض میں مت فروخت کرو مگر برابر سرابر اور زائد مت لو۔

عن ابی رافع مولی رسول اللہ ﷺ قال: احتجنا فاخذت خلخال امرأتی فی السنة التی استخلف فیھا ابوبکر فلقینی ابوبکر فقال ما ھذا فقلت : احتاج الحی الی نفقة فقال ان معی ورقا ارید بھا فضة فدعا بالمیزان فوضع الخلخالین فی کفة ووضع الورق فی کفة فشف الخلخالین نحو امن دانق فقرضه ، فقلت: یا خلیفة رسول اللہ ﷺ ھو لک حلال ، فقال : یاابارافع انک ان احللته فان اللہ لا یحله سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : الذھب بالذھب وزنا بوزن والفضة بالفضة وزنا بوزن الزائد والمستزید فی النار.

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابورافع کہتے ہیں کہ جس سال حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے، اس سال ہمیں ضرورت لاحق ہوئی، تو میں نے اپنی بیوی کا پازیب لیا، راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ملے، تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے میں نے جواب دیا کہ گھر والے خرچے کے محتاج ہوگئے ہیں، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میرے پاس چاندی کے سکے ہیں، میں ان کے بدلے چاندی کا زیور لینا چاہتا ہوں، پھر انہوں نے ترازو منگوائی اور دونوں پازیب ایک پلڑے میں رکھے، اور چاندی دوسرے پلڑے میں، پازیب ایک دانق کے بقدر وزن زائد ہوگئے، تو حضرت ابوبکرؓ نے پازیب میں سے اتنی چاندی توڑ دی، میں کہا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! یہ آپ کے لئے حلال ہے، تو

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ابورافع اگر تم اس کو حلال کر دو، تو اللہ اس کو حلال نہیں کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سونے کو ہم وزن سونے کے عوض فروخت کرو، اور چاندی کو ہم وزن چاندی کے عوض فروخت کرو، زائد وزن دینے والا اور زائد وزن لینے والا جہنم میں ہوں گے۔

عن مجاهد انه قال : كنت مع عبدالله بن عمر فجاء ه صائغ فقال يا اباعبدالرحمن انى اصوغ الذهب ثم ابيع الشئى من ذلک باكثر من وزنه فاستفضل من ذلک قدر عمل يدى فنهاه عبدالله بن عمر فجعل الصائغ يردد عليه المسئلة وعبدالله ينهاه حتى انتهى الى باب المسجد او الى دابته يريد ان يركبها ثم قال عبدالله : الدينار بالدينار والدرهم بالدرهم لافضل بينهما هذا عهد نبينا الينا وعهدنا اليكم

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا کہ ایک سناران کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن میں زیور بناتا ہوں، پھر اس کو زائد سونے کے عوض فروخت کرتا ہوں، اور زائد وزن اپنی مزدوری کے بقدر طے کرتا ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو اس طرح کرنے سے منع فرمایا، سنار بار بار اپنا سوال دہراتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بار بار اس کو منع کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد کے دروازے تک آئے یا اپنی سواری تک آئے جس پر ان کو سوار ہونا تھا، پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ دینار کو دینار کے عوض اور درہم کو درہم کے عوض فروخت کرو، مگر کسی طرف زائد نہ ہو، اسی کی تعلیم ہمیں ہمارے رسول ﷺ نے دی اور اسی کی تعلیم ہم

تمھیں دیتے ہیں۔

عن عطا بن يسار ان معاوية بن ابی سفيان باع سقاية من ذهب او ورق باكثر من وزنها فقال له ابو الدرداء سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن مثل هذا الامثلا بمثل فقال له معاوية : ماارى بمثل بذا باسا فقال ابوالدرداء : من يعذرنی من معاوية انا اخبره من رسول الله ﷺ ويخبرنی عن رايه لااساكنک بارض انت بها ثم قدم ابو الدرداء على عمر بن الخطاب فذكر له ذلک فكتب عمر الى معاوية الا يبيع مثل ذلک الامثلا بمثل وزنا بوزن

عطا بن یسارؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے سونے یا چاندی کا کٹورا اس سے زائد وزن کے عوض میں فروخت کیا، تو ان سے حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس جیسے سودے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے، الا یہ کہ برابر برابر وزن کے ہوں، جواب میں حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا کہ میں تو اس میں کچھ حرج نہیں پاتا، اس پر حضرت ابودرداءؓ نے کہا کہ کون مجھے معاویہؓ سے معذور رکھتا ہے میں ان کو رسول اللہ ﷺ کی بات بتاتا ہوں، اور یہ مجھے اپنی رائے بتلاتے ہیں، پھر حضرت معاویہؓ سے کہا کہ جس جگہ آپ ہوں گے تو وہاں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گا، پھر حضرت ابودرداءؓ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس (مدینہ منورہ) چلے آئے، اور ان سے ساری بات ذکر کی، تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا ایسے سودے نہ کرو، مگر ہم وزن اور برابر سرابر۔

الکل ماخوذ من اعلاء السنن (۲۸۸،۲۸۹/۱۴)

نتیجہ:

ان تمام آثار وروایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ سونے کے تیار زیور کو زائد سونے کے عوض میں اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے عوض میں فروخت کرنا جائز نہیں، اگر چہ اس اضافہ کو مزدوری کا نام دیا جائے، اس اضافہ کو مزدوری کے طور پر لیا جائے۔

آج کل بھی مسئلہ یہی ہے کہ سونے کے تیار زیور کو زیادہ سونے اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز نہیں، اگر چہ اضافہ مزدوری کے طور پر ہو، بلکہ مزدوری کی صورت یہ ہے کہ بجائے سونے یا چاندی میں اضافہ کرنے کی نقد رقم لی جائے، جسے بنوائی کہتے ہیں۔

تفریعات:

۱۔ ایک سنار اپنے یہاں کچھ زیور تیار کرتا ہے جس میں ۲۲ کیرٹ کا سونا لگا تا ہے، نگینے وغیرہ لگا تا ہے، پھر اس زیور کو دکاندار کے پاس فروخت کرنے کے لئے لے جاتا ہے، دکاندار اس زیور کو پسند آنے پر اپنے یہاں رکھ لیتا ہے، پھر مزدوری تو اسی وقت یا کچھ دن کے بعد دے دیتا ہے، اور زیور کے وزن کے مساوی خالص سونا کچھ دن بعد یکمشت یا قسطوں میں ادا کرتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ جس میں کچھ کچھ کھوٹ ملا ہو، لیکن کھوٹ مغلوب ہو، یعنی سونے کی مقدار سے کم ہو، اس کی خرید وفروخت میں اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو خالص سونے کا ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مقدمہ نمبر ۲ میں گزرا۔ اور اس میں چونکہ دونوں طرف سونا ہے، اس لئے اس کی ادھار بیع ناجائز ہے، جیسا کہ مقدمہ نمبر ا میں گزرا۔

اس کی متبادل جائز صورت یہ ہے کہ دکاندار سنار سے زیور ادھار روپوں میں خرید لے، اور پھر قیمت یکمشت یا قسطوں میں ادا کرے، یہاں ادھار جائز ہے، کیونکہ ایک طرف سونا ہے، جو ثمن خلقی ہے، اور دوسری طرف کرنسی ہے جو ثمن عرفی ہے، جس کا لین دین بیع صرف نہیں، لھذا اس میں ادھار جائز ہے، بشرطیکہ زیور پر قبضہ ہو جائے، تا کہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے۔

۲۔ سنار حضرات دکاندار سے آرڈر لے کر یا خود اس کے آرڈر دینے پر اپنے سونے سے مختلف چیزیں بنا کر اسے دے دیتے ہیں، وہ اسے مزدوری اسی وقت یا بعد میں جب سنار کو ضرورت ہو دے دیتا ہے، اور سونا

جب سنار کو ضرورت ہو، اور وہ مطالبہ کرے، اس وقت یکمشت یا تھوڑا تھوڑا کر کے دیتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ سونے کی سونے کے عوض بیع ہے، اور اس میں ادھار ہو رہا ہے، جو بیع صرف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس کا بھی متبادل طریقہ وہی ہے، جو نمبر ۲ میں گزر چکا۔

۳۔ بہت سے لوگ اپنی رقم لگا کر مکمل زیورات تیار کرنے کا کام کرتے ہیں، ان زیورات میں اصلی جواہرات یا نقلی نگینے جڑے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ زیورات بغیر نگینوں کے ہوتے ہیں یعنی سادہ ہوتے ہیں، تیار زیورات عام طور پر بنانے والے دکانداروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں، ان کے لین دین کا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ تمام زیورات کل وزن کی بنیاد پر فروخت کئے جاتے ہیں۔

کل وزن کے بدلے خالص سونا لیا جاتا ہے، اور مزدوری بھی وزن کے حساب سے مقرر ہوتی ہے، عام طور پر فروخت کرنے والے کو خالص سونا اور رقم حاصل ہوتی ہے، اس کا تصور یہ ہے کہ کل وزن کے بدلے جو خالص سونا مل رہا ہے، وہ زیور میں موجود ملاوٹ شدہ سونا اس کی چھیجت اور نگینوں کی قیمت کے عوض ملتا ہے، اور نقد رقم مزدوری کے بدلے مل رہی ہے، واضح رہے کہ مزدوری کی رقم کا تعین نگینوں کی عمدہ یا ناقص اقسام اور کام کی عمدہ بناوٹ اور خوبصورتی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ تو کیا ملاوٹ شدہ سونے کے بدلے خالص سونا لینا اور نگینوں کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے؟

اس کو جواب یہ ہے کہ پہلے تو یہ بات معلوم کر لینا ضروری ہے کہ سنار اپنا زیور دکاندار کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، دکاندار کے سونے کے دکاندار کا مطلوبہ عمل نہیں کر رہا، لھذا مزدوری کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ حقیقت میں مزدوری نہیں ہے بلکہ زیور کی قیمت ہی کا ایک حصہ ہے۔

مثلاً پانچ تولے جڑاؤ زیور کے بدلے پانچ تولے سونا اور دو ہزار روپے مزدوری کے نام جو طے ہوئے ہوں، تو درحقیقت پانچ تولے جڑاؤ زیور کی قمت پانچ تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے ہوئی۔

اب اگر زیور جڑاؤ ہے اور نگینے جڑے ہوئے ہیں، اور اس میں ملاوٹ شدہ سونا مثلاً تین تولہ ہو، اور نگینوں کا وزن دو تولہ ہو، تو بشرطیکہ دونوں طرف لین دین نقد و نقد ہو، یا کم از کم زیور کے ساتھ ساتھ اس میں موجود ملاوت شدہ سونے کے وزن کے مقابل خالص سونے پر بھی قبضہ جدا ہونے پہلے ہو جائے، تو یہ سودا

درست ہے کیونکہ زیور میں موجود ملاوٹ شدہ سونے کے مقابلے میں اتنی مقدار میں خالص سونا ہو جائے گا، اور نگینوں کے مقابلے میں دو تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے بن جائیں گے۔

لیکن اگر زیور سادہ ہو، تو پھر یہ معاملہ ناجائز اور سودی ہو جائے گا، کیونکہ اس وقت پانچ تولے سادہ زیور کے مقابلہ میں پانچ تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے ہوں گے، یہ دو ہزار روپے بلا بدل ہو کر سود بن جائیں گے۔

میناکاری والے زیورات کی سونے چاندی کے عوض خرید وفروخت

کچھ زیورات پر میناکاری کی جاتی ہے، مینا ایک خالص قسم کا رنگ دار شیشہ ہوتا ہے، جس کو باریک پیس کر سونے پر چپکایا جاتا ہے، اور بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں، ان زیورات کے لین دین میں بھی پورے وزن کے بدلے سونا دیا جاتا ہے، یعنی مینا کاری کا وزن کاٹ کر نہیں دیا جاتا، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ دونوں طرف سے لین دین نقد ہو، ادھار نہ ہو، قیمت میں سے کم سے کم اتنی مقدار کے سونے پر قبضہ ضروری ہے جتنا کہ زیور میں کھوٹ ملا سونا موجود ہے۔

چند مزید مسائل:

۱۔ دو تولے سونا اور ایک تولہ چاندی کو ایک تولہ سونا اور پچاس تولہ چاندی کے عوض فروخت کرنا صحیح ہے، اور یوں سمجھیں گے کہ دو تولے سونا پچاس تولے چاندی کے عوض میں ایک تولہ چاندی ایک تولہ سونا کے عوض میں ہے، ایسا ہم اس وقت سمجھیں گے جب خرید وفروخت کرنے والوں نے اپنی زبان سے کچھ اور نہ کہا ہو، اور اگر انہوں نے کہا کہ دو تولہ سونا ایک تولے سونے کے عوض میں اور ایک تولہ چاندی پچاس تولے چاندی کے عوض میں ہے، تو اب ان کی تصریح کا اعتبار ہوگا، اور یہ معاملہ سودی ہو جائے گا۔ (سونا، چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام، مفتی عبدالواحد، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور، تاریخ اشاعت ۱۹۹۷ء)

۲۔ اپنی انگوٹھی کسی کی انگوٹھی سے بدل لی، تو دیکھو:

الف: اگر دونوں پر نگ لگا ہے، تب تو بہرحال یہ بدل لینا جائز ہے، چاہے دونوں کی چاندی یا دونوں سونا برابر ہو یا کم زیادہ، سب درست ہے، البتہ ہاتھ در ہاتھ ہونا ضروری ہے۔

ب: اور دونوں بے نگ ہوں، تو برابر ہونا ضروری ہے، اگر ذرا کمی بیشی ہوگئی ہو، تو سود ہو جائے گا۔

ج: اگر ایک پر نگ ہو، اور دوسری سادی ہو، تو اگر سادی میں زیادہ چاندی ہو یہ بدلنا جائز ہے ورنہ حرام اور سود ہے، اسی طرح اگر اسی وقت دونوں طرف لین دین نہ ہو، ایک نے تو ابھی دے دی، دوسرے نے کہا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں فلاں جگہ سے آ کر دے دوں گا، تو یہ بھی ناجائز ہے۔ (بہشتی زیور)

۳۔ ایک (چاندی کا) کامدار دوپٹہ یا ٹوپی وغیرہ دو تولے چاندی کے عوض خریدی گئی، تو دیکھیں گے

کہ اس دوپٹہ یا ٹوپی میں کتنی چاندی لگی ہے، اگر اس میں مثلاً پانچ تولے چاندی کا کام ہوا ہے، تو پانچ تولے چاندی تو اسی وقت دینا ضروری ہے، اور باقی پانچ تولے چاندی بعد میں بھی دے سکتے ہیں۔

یہی حکم جڑاؤ زیور وغیرہ کی خرید کا بھی ہے، مثلاً جڑاؤ زیور جس میں دو تولے چاندی ہے، پانچ تولے چاندی کے عوض خریدا، تو خریدار پر لازم ہے کہ وہ دو تولے چاندی تو اسی وقت دے دے، قیمت کے باقی تین تولے بعد میں بھی دے سکتا ہے۔(۱)

چند ناجائز صورتوں کی متبادل جائز صورتیں:

۱۔ کھوٹی اور خراب چاندی دے کر اچھی چاندی خریدنا ہے، اور اچھی چاندی وزن میں کھوٹی کے برابر نہیں مل سکتی، تو اسکی تدبیر یہ ہے کہ پہلے خراب چاندی روپوں میں فروخت کی جائے، اور جو رقم ملے، اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس سے اچھی چاندی خریدی جائے۔(۲)

۲۔ اگر کوئی ایسی چیز ہے کہ چاندی کے علاوہ اس میں کچھ اور بھی لگا ہے، مثلاً جوشن (بازوبند) کے اندر لاکھ بھری ہوئی ہے، اور نوںگوں پر نگ جڑے ہیں، انگوٹھیوں پر نگینے رکھے ہیں یا جوشنوں میں لاکھ تو نہیں ہے لیکن تاگوں میں گندھے ہوئے ہیں، ان چیزوں کو چاندی کے عوض خریدا، تو دیکھو اس چیز میں کتنے وزن چاند ہے، قیمت کی چاندی کے برابر ہے یا اس سے کم ہے یا زیادہ ہے، اگر قمت کی چاندی سے اس چیز کی چاندی یقیناً کم ہو، تو یہ معاملہ جائز ہے، اور اگر برابر یا زیادہ ہو، تو سود ہوا، سود سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ قیمت کی چاندی زیور کی چاندی سے کم رکھو اور قیمت میں باقی روپے شامل کر دو، مثلاً دونوں طرف پانچ پانچ تولے چاندی ہو، تو قیمت کی چاندی کو پانچ تولے سے کچھ کم کر دو مثلاً ساڑھے چار تولہ کر دو اور قیمت میں آدھا تولہ چاندی کے بجائے کچھ روپے مثلاً پچاس روے ملا لو، تو یہ معاملہ جائز ہو جائے گا۔(۳)

۳۔ اگر سونے یا چاندی کا زیور یا برتن سونے چاندی کے عوض خریدا، اور اس وقت قیمت دینے کے لئے نہیں ہے، یا ادھار کرنا مقصود ہے، تو اس کے جائز ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ سے اتنا سونا یا چاندی قرضہ لے لو، اور اس قرض سے قیمت کی ادائیگی کر دو، پھر قرض بعد میں اتار دو۔(۴)

(۱،۲،۳،۴) بہشتی زیور التھانوی (مولانا اشرف علی) کراچی، دارالاشاعت آرام باغ، (ص ۳۹۵)

نیارا (زرگروں کی مٹی) کی خرید وفروخت کا مسئلہ

زرگروں کی مٹی جس میں سونے یا چاندی کے ذرات شامل ہوتے ہیں، اور بعض لوگ اس کو خرید کر اس میں سے سونا چاندی علیحدہ کر لیتے ہیں، اس سے متعلق چند اہم مسائل درج ذیل ہیں:

۱۔ روپوں کے عوض میں اس مٹی کی خرید وفروخت جائز ہے۔

۲۔ مخالف جنس کے عوض بھی خرید وفروخت ہر طرح سے جائز ہے، مثلاً سونے کی مٹی چاندی کے عوض اور چاندی کی مٹی سونے کے عوض اگر چہ دونوں طرف کے وزن میں فرق ہو، جائز ہے، البتہ ہاتھ در ہاتھ لین دین ضروری ہے۔

۳۔ سونے کی مٹی سونے کے عوض میں اور چاندی کی مٹی چاندی کے عوض صرف اسی وقت جائز ہے جب دونوں طرف سونے چاندی کا وزن یکساں ہو، اور لین دین بھی ہاتھ در ہاتھ ہو، اگر کسی طرف بھی سونا یا چاندی زیادہ ہو، تو بیع درست نہیں، خالص سونے چاندی کا وزن بھی مٹی میں ملے سونے چاندی سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ اس مٹی کی اپنی کچھ قیمت نہیں ہوتی، لھذا اس کے مقابلے میں سونے چاندی میں کچھ کو قیمت کے طور پر نہیں سمجھا جائے گا۔

پرانے زیور سے نئے زیور کا تبادلہ

۱۔ گاہک پرانا مال لاتا ہے، تو اس کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے، اور نئے مال کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے، اس میں جو فرق ہوتا ہے، صرف اس کا لین دین کر لیا جاتا ہے، تبادلہ میں بسا اوقات ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ مثلاً پرانے مال کا کل وزن ۶ تولہ ہوتا ہے، اور قیمت پندرہ ہزار روپے مقرر ہوتی ہے، اور نئے مال کا وزن ۴ تولہ ہوتا ہے، اور قیمت پندرہ ہزار روپے مقرر طے ہوتی ہے، یعنی صرف مال کا تبادلہ ہوتا ہے، نقد روپوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا، واضح رہے کہ پرنے کا مال کا وزن ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے، یہ طریقہ ناجائز ہے۔

۲۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ صورت ناجائز ہوگئی، تو پرانے زیور کے نئے زیور سے تبادلہ کی جائز صورت کیا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کہ جو عام فہم اور آسان طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ دکاندار گاہک سے روپوں میں

اس کا پرانا زیور خرید لے، اور گاہک کو روپے ادا کردے، اس کے بعد گاہک جو نیا زیور خریدے اس کی قیمت اس وصول کرلے، اسکے لئے دکاندار کو صرف اتنا اہتمام کرنا پڑے گا کہ اپنے پاس نقدی کی ایک مقدار حاضر رکھنی پڑے گی، لیکن یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

اگر زیور کا زیور سے تبادلہ کرنا ہو، تو مندرجہ ذیل چند اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

الف: اگر دونوں طرف زیور سادہ ہو، اور دکاندار کا زیور گاہک کے زیور کے وزن کے مساوی ہو، یا اس سے وزن میں کم ہو، اور دکاندار مزید گاہک سے کچھ لینا چاہتا ہو، تو اپنے زیور کے ساتھ (Immitation) کی مثلاً بالیاں ساتھ کردے۔

اور اگر دکاندار کا زیور گاہک کے زیور سے زیادہ وزن کا ہے، تو دکاندار گاہک سے زائد روپے بھی لے سکتا ہے۔

ب: اگر زیور جڑاؤ ہو، تو ہر طرح سے زیور کا زیور کے بدلے تبادلہ جائز ہوگا، اس وقت ایک طرف کا زائد سونا بمعہ روپے کے (اگر ہو) دوسرے کے نگینوں کی قیمت ہو جائے گی، ایسا دونوں طرف سے سمجھا جائے گا۔

ج: اگر ایک طرف سادہ زیور ہو اور دوسری طرف جڑاؤ ہو، اور دکاندار گاہک سے مزید لینا چاہتا ہو تو:

۱۔ اگر جڑاؤ زیور دکاندار کا ہو، اور سادہ زیور گاہک کا ہو، تو خواہ گاہک کے زیور کا سونا دکاندار کے زیور میں موجود سونے سے کم ہو یا زیادہ ہو، یا اس کے برابر ہو، ہر صورت میں زائد روپے لینا جائز ہے۔

۲۔ اگر سادہ زیور دکاندار کا ہو، اور جڑاؤ گاہک کا ہو، تو اگر گاہک کے زیور میں سونا دکاندار کے سونے سے کم ہو، تو دکاندار گاہک سے روپے لے سکتا ہے، اور اس کے زیور میں موجود مساوی سونا ہو، یا زائد ہو، تو دکاندار گاہک سے مزید روپے نہیں لے سکتا۔

پیشگی سودالیکن لین دین بیک وقت:

۱۔ آج سونے کا بھاؤ مثلاً دس ہزارروپے فی تولہ ہے، سودا بھی کریں، مال تھوڑی دیر بعد ملے گا، ادائیگی جس وقت مال ملے گا فوری ہوگی، ادائیگی کے وقت تک اکثر بھاؤ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں ادائیگی کے وقت جو بھاؤ ہے اس کے مطابق ادائیگی ہوگی یا طے شدہ بھاؤ سے ہوگی، اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ طریقہ اگر بیع کے طریقہ پر ہو، تو ناجائز ہے، کیونکہ یہ دین کے عوض دین کی بیع ہے، جو ممنوع ہے، البتہ اگر اس کو وعدہ کے طریقہ پر کیا جائے، تو صحیح ہوسکتا ہے، یعنی فریقین آپس میں یہ وعدہ کرلیں کہ فلاں دن ہم یہ بیع کریں گے، اور پھر اس وقت یعنی لین دین کرلیا جائے، جس قیمت کا آج وعدہ کیا ہے، لین دین کے وقت اسی کا اعتبار ہوگا، اور باہمی رضامندی سے چاہیں، تو قیمت میں کمی بیشی بھی کرسکتے ہیں۔

۲۔ اس کے علاوہ مختلف طریقوں سے سودے کئے جاتے ہیں، مثلاً:

الف: یہ کہ سونے کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے دس پندرہ روپے فی تولہ سے کم یا زیادہ لیا جائے گا، لیکن مال اگلے روز ملے گا، اور ادائیگی مال ملنے پر کل ہی کی جائے گی۔

ب: سونے کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے ۲۵ روپے تولہ کم یا زیادہ ہوگا، لیکن مال سات دن کے اندر اندر فروخت کرنے جب چاہے خریدار کے حوالے کرے گا، اور ادائیگی اسی وقت کرنا ہوگی۔

ج: سونے کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے مزید کچھ کم یا زیادہ لیا جائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ سودا ابھی طے کریں، لیکن مال سات دن کے اندر اندر خریدنے والا جب چاہے منگوا سکتا ہے، ادائیگی مال ملنے پر فوراً ہوگی۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تمام سودے زبانی ہوتے ہیں، اور کوئی گواہ بھی نہیں ہوتا، مندرجہ بالا معاہدوں میں کسی ایک فریق کی طرف سے انکار کی صورت میں بھاؤ کا فرق مانگ لیا جاتا ہے، معاملے کے یہ تمام طریقے ناجائز ہیں، اور کسی ایک فریق کے انکار پر دوسرے کا اس سے بھاؤ کا فرق لینا کھلا سود ہے۔

ٹانکے کا مسئلہ:

زیور بنانے کے لئے سونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف چیزیں تیار کی جاتی ہیں، جوڑنے کے لئے ٹانکا استعمال ہوتا ہے جو کہ ضروری ہے، ٹانکہ کی تفصیل یہ ہے کہ وہ ایسا سونا یا ایسی دھات ہو جو زیور کے سونے سے پہلے پگھل جائے، اور دو ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ دے۔

ٹانکہ بنانے کے لئے سونے میں مزید ملاوٹ کرنی پڑتی ہے جو زیورات کو جوڑنے کے بعد ان میں موجود رہتی ہے، کاریگر حضرات سے جب زیورات لئے جاتے ہیں، تو مکمل وزن کر کے لئے جاتے ہیں، اور ان کے بدلے پورا سونا دیا جاتا ہے، نظریہ یہ ہوتا ہے کہ ٹانکہ کے بدلے کا سونا زیور بنانے کی چھیجت کے طور پر دیا جاتا ہے۔

ٹانکہ کی دوسری قسم بھی ہے، کاڈیم (Cadamium) ایک قسم کی دھات ہے جس کی تھوڑی سی مقدار سونے میں ملانے سے حسب ضرورت ٹانکہ حاصل ہو جاتا ہے، زیور بنانے کے لئے بہت سے لوگ مذکورہ ٹانکہ استعمال کرواتے ہیں، اور چھیجت کی مد میں مقررہ شرح سے کاریگر کو اضافی سونا دیتے ہیں۔

ٹانکے کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے، لیکن مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ زیور اور ٹانکے کے بدلے خالص سونا اتنے ہی وزن کا لیا جاتا ہے، اور مزدوری اس کے علاوہ ہوتی ہے، چونکہ دکاندار کاریگر کو اپنا سونا دے کر زیور نہیں بنوا رہا ہے بلکہ کاریگر کو زیور کے بدلے سونا دے رہا ہے، لھذا یہ زیور کی سونے کے عوض میں بیع ہے، جس میں برابری اور نقد در نقد ہونا ضروری ہے، اور وزن جب دونوں کا طرف کا برابر ہوگیا، تو مزدوری بلاعوض ٹھہرے گی، اور سود بن جائے گی، لھذا یہ سودا روپوں میں ہونا چاہیئے ، ورنہ معاملہ سود کا ہو جائے گا اور سود کا گناہ ہوگا۔

اگر بغیر ٹانکہ لگائے زیور تیار ہوسکتا ہے پھر بھی کوئی اپنے فائدے کے لئے مناسب حد تک ٹانکہ لگائے، کیا یہ جائز ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ سنار ٹانکہ کے مقابلہ میں خالص سونا لیتا ہے، لھذا جہاں ٹانکہ کی ضرورت ہو، وہاں تک تو جائز ہے، اور اگر ضرورت نہ ہو، تو ٹانکہ لگا کر گاہک یا دکاندار کو جہاں ٹانکہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ٹانکہ کی ضرورت ظاہر کر کے دھوکہ دیتا ہے جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے، اسلئے مذکورہ صورت ناجائز ہے۔

چھیجت (Wastage)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زیور بنانے کے ہر ہر مرحلہ میں سونا گھٹتا ہے، یعنی ضائع ہوتا ہے یہ ضیاع سونے کے باریک باریک ذرات کی شکل میں ہوتا ہے، جن کو مکمل طور پر جمع نہیں کیا جا سکتا، اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے بازار میں لوگوں نے اس گھٹت کی شرحیں مقرر کر دی ہیں مثلاً کاریگر اگر ایک تولہ کا زیور بنا کر دیتا ہے، تو اس کو اس پر ایک ماشہ چھیجت دی جاتی ہے، یعنی ایک ماشہ اضافی سونا دیا جاتا ہے۔

الف: کاریگر کو زیور بنانے کے دوران جو سونا گھٹنے کی صورت میں نقصان ہوتا ہے، اس کی مقدار کبھی مندرجہ بالا شرح سے کچھ زیادہ ہوتی ہے، اور کبھی کچھ کم ہوتی ہے۔

اگر زیور بنانے میں اس کے پاس سونا کم گھٹتا ہے، تو اس کو کچھ سونا بچ جاتا ہے اور اگر گھٹت مقررہ شرح سے زیادہ ہوتی ہے، تو نقصان ہوتا ہے، مگر چھیجت اس کو مقررہ شرح کے مطابق ہی دی جاتی ہے، واضح رہے کہ ایک زیور بنانے میں کل کتنا سونا گھٹتا ہے، اس کا پورا پورا حساب رکھنا مشکل ہے۔

ب: چھیجت کی مقررہ شرحوں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ بہت سے زیورات ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں گھٹت بالکل نہیں ہوتی، مگر دی جاتی ہے۔

ج: اور کچھ زیور ایسے بھی بنتے ہیں جن میں گھٹت ہوتی ہے مگر چھیجت نہیں دی جاتی، اب ان صورتوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

ہم نے اس مسئلہ پر خاصا غور کیا، تو معلوم ہوا کہ چھیجت کا مسئلہ بذات خود کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے، اس مسئلہ کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت:

کاریگر نے اپنے سونے سے زیور بنایا اور دکاندار کے ہاتھ فروخت کیا، پھر یا تو کل روپوں کے عوض میں فروخت کیا، یا اس کے عوض سونا لیا۔

سونے کے عوض فروخت کرنا:

کاریگر نے مثلاً تین تولہ زیور بنایا، تقریباً تین ماشہ چھیجت ہوئی، تو کاریگر کو یہ تین تولہ تین ماشہ کا پڑا، مزدوری کے دو سو روپے فی تولہ ہوئے، سونا پانچ ہزار روپے تولہ ہو تو کل لاگت = ۱۶۸۵۰ روپے ہوئی، کاریگر

ریٹ بتاتے ہوئے دکاندار کو چھیجت کی شرح بتا بھی دے، تو دیانتداری کو ملحوظ رکھتے ہوئے بتانے میں کچھ حرج نہیں ہے، البتہ زیور کا سودا کل =۱۶۸۵۰ روپے کے عوض ہو، یوں تفصیل کے ساتھ بل نہ بنائے کہ تین تولہ سونے کے =۱۵۰۰۰ روپے اور چھیجت کے تین ماشہ کے =۱۲۵۰ روپے اور مزدوری کے =۶۰۰ روپے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ چھیجت فی الواقع تین ماشہ سے کم ہو اور یوں کاریگر غلط بیانی کا مرتکب ہو جائے۔

اگر ایسا زیور ہو جس میں گھٹت نہیں ہوتی مگر دی جاتی ہے تو اس صورت میں بھی تین تولہ کے زیور کی قیمت =۱۶۸۵۰ روپے بتائی جائے، ریٹ بتائے ہوئے تفصیل کو ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب دکاندار کاریگر کو کہتا ہے کہ یہ زیور مجھے دے دو، تو اس وقت سودا =۱۶۸۵۰ روپے میں ہونا طے پائے، بہتر ہے کہ دکاندار یوں کہہ دے کہ میں نے =۱۶۸۵۰ روپے میں خریدا یا کاریگر یوں کہے کہ یہ میں نے تمھارے ہاتھ =۱۶۸۵۰ روپے میں فروخت کیا، یا یہ میں تمھیں =۱۶۸۵۰ روپے میں دیا۔

اگر زیور میں گھٹت ہوتی ہے مگر چھیجت نہیں دی جاتی، تو اس صورت میں کل روپوں میں جو قیمت طے پائے اس کے عوض فروخت کیا جائے۔

غرض کاریگر جب اپنے سونے سے زیور بنائے، تو وہ اس زیور کو جتنا ہے اور جیسا ہے کی بنیاد پر دکاندار کو فروخت کرسکتا ہے۔

سونے کے عوض فروخت کرنا:

اگر زیور سادہ ہو اور مثلاً ۲۰ کیرٹ کا ہو، تو اس کو خالص سونے کے عوض فروخت کرسکتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ دونوں طرف کا سونا برابر وزن کا ہو، اور لین دین دونوں طرف ہاتھ در ہاتھ ہو، نہ تو ادھار ہو اور نہ ہی چھیجت وغیرہ کے نام پر زائد سونا یا رقم ہو۔

اور اگر زیور جڑاؤ ہو، تو زائد وزن پر بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، لیکن زیور میں جتنا سونا ہے اس کے بقدر عوض کے سونے پر قبضہ کرنا آپس میں جدا ہونے سے پہلے ضروری ہے۔

دوسری صورت:

کاریگر نے دکاندار کے سونے سے زیور بنا کر دکاندار کو دیا ہو، اس صورت میں چونکہ کاریگر اجیر ہے، اور اس کو اپنے کام کی اجرت ملتی ہے، لھذا چھیجت کا اعتبار کرتے ہوئے اجرت طے کی جاسکتی ہے، البتہ چھیجت کو اجرت کا جزو نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ چھیجت میں کمی بیشی ہوتی ہے، لھذا مجھول مقدار

میں ہے، پھر دکاندار کاریگر کو چھیجت کا سونا ھبہ کرے۔

تیسری صورت:

یہ ہے کہ دکاندار نے کاریگر کو زیور بنانے کے لئے سونا دیا اور کاریگر نے اپنے سونے سے زیور بنایا، چونکہ اس طرح کا بھی رواج ہے، اس لئے رواج وعرف کو دلیل بنا کر سمجھا جائے گا کہ دکاندار نے اپنا سونا کاریگر کو قرض دیا ہے، اور بنے ہوئے زیور کو قرض میں سے وصول کیا ہے، یہ صورت بھی دوسری صورت کی طرح ہوگی اور دکاندار چھیجت کاریگر کو ہبہ کردے۔

دکاندار جب آگے گاہک کو زیور فروخت کرتا ہے، تو وہ بھی تفصیلی بل بناتے ہوئے پالش یا چھیجت اور مزدوری ذکر کرتا ہے، اور دکاندار نے کاریگر کو ایک تولہ پر ایک ماشہ چھیجت دی ہوتی ہے، جبکہ وہ خود گاہک سے ڈیڑھ ماشہ چھیجت وصول کرتا ہے، چونکہ چھیجت کا ایک خاص مطلب ہے یعنی زیور بناتے ہوئے سونے میں جو گھٹت ہوئی لھذا یہ صحیح نہیں کہ دکاندار اپنے گاہک کو چھیجت میں واقع سے زیادہ مقدار بتائے، وہ اپنی مزدوری یا نفع کے نام سے عوض لے سکتا ہے، مثلاً تین تولہ سونا ہے اور تین ماشہ چھیجت ہے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ دکاندار تین تولہ سونا اور ساڑھے چار ماشہ چھیجت لگائے اور مزدوری کے ڈیڑھ ہزار روپے لگائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تین تولہ سونا اور تین ماشہ چھیجت اور ۲۱۲۵ روپے مزدوری کے لگائے، نتیجہ ایک ہی ہے، لیکن پہلی صورت میں غلط بیانی ہوگی کہ بجائے ایک ماشہ تولی کے ڈیڑھ ماشہ تولہ چھیجت لگائی، متبادل جائز طریقے کو اختیار کرنا کچھ مشکل نہیں۔

سونے چاندی کے کاروبار میں بعض مروج جدید طریقے:

پہلا طریقہ:

آج کل فاریکس (Forex) اور کامیکس (Comex) کے نام سے کاروبار کرنے والی نئ کمپنیاں وجود میں آئی ہیں، اس کاروبار کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کاروبار کی وہ تمام تر صورتیں جو عام طور سے اختیار کی جاتی ہیں ناجائز ہیں۔

کاروبار کا طریقہ کار:

ایک شخص دس ہزار ڈالر کمپنی میں جمع کرا کے اس سکیم کا رکن بن سکتا ہے، کمپنی والے پھر اس کی رہنمائی کرتے ہیں کہ وہ کب اور کونسی کرنسی یا جنس خریدے لے کہ جس کو بعد میں فروخت کر کے نفع کی امید کی جاسکتی ہے، ہر کرنسی یا شئی کی خرید کی کم سے کم مقدار مقرر کی ہوئی ہے جس کو "لاٹ" (Lot) کہتے ہیں، مثلاً باسٹھ ہزار پانچ سو برطانوی پاؤنڈ کی یا ایک لاکھ پچیس ہزار جرمن مارک کی ایک لاٹ ہوتی ہے، اشیاء میں کپاس، چینی، اور گندم اور زر میں سونا اور چاندی شامل ہے۔ سونے کی لاٹ ایک سو اونس اور چاندی کی لاٹ پانچ ہزار اونس پر مشتمل ہوتی ہے۔

جب آپ کسی کرنسی یا مذکورہ اشیاء میں سے کسی ایک کی کوئی ایک لاٹ خریدنا چاہیں، اور کمپنی کو اپنا آڈر دیں، تو کمپنی ان جمع وہ دس ہزار ڈالر میں سے دو ہزار ڈالر بطور بیعانہ یا تحفظ کے مختص کر لیتی ہے، اور آرڈر مرکزی دفتر کو پہنچا دیتی ہے جو آرڈر کی تکمیل کر کے لاٹ کی خرید کی اطلاع دیتا ہے۔

یہ خرید بھی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک نقد جس کو (Cash trading) یا (Spot Trading) کہتے ہیں، اور دوسری مستقبلیات کی بیع ہوتی ہے، جس کو (Future Trading) کہا جاتا ہے، نقد میں تو مبیع خریدی ہوئی شئی پر فوری قبضہ مل سکتا ہے، جبکہ مستقبلیات میں یہ طے پاتا ہے کہ بائع ایک مقررہ مدت بعد طے شدہ مہینے میں فلاں تاریخ کو وہ لاٹ مہیا کرے گا، قیمت بھی طے کر لی جاتی ہے۔

اس کاروبار میں کمپنی کا کردار:

اس کردار کی وضاحت ایک کمپنی (Empire Resources) نے اس طرح کی ہے:

The objects for which the Company is established are as follows:

To install equipment operate and provide

faciliteis of communication through monitors and appratice link up to as a commission house between the clienets and brokerage house in the various finance trading centres of the world.

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کمپنی اپنے موکلین اور دنیا کے مختلف تجارتی مراکز میں موجود دلالوں کے درمیان کمیشن ایجنٹ کے طور پر کام کرتی ہے۔

ہر سودا جو کمپنی کراتی ہے اس پر وہ پچاس یا ساٹھ ڈالر کمیشن لیتی ہے، خواہ سودے میں موکل کو نفع ہو یا نقصان ہو یا نہ نفع ہو یا نہ نقصان۔

پھر جو لاٹ خریدی، اگر خریداری کے دن ہی فروخت کردی گئی، تو کمپنی صرف کمیشن وصول کرے گی، اور اگر فروخت میں کچھ دن لگ گئے، تو کمپنی کمیشن کے علاوہ پانچ یا چھ ڈالر یومیہ کے حساب سے سود بھی وصول کرے گی، بعض صورتوں میں موکل کو سود ملتا ہے، Empire Resoureces کی وضاحت یوں ہے:

Interest /Premium are paid of charged basing on the number of days for a position trade.

کاروبار کی اقسام:

قسم اول (Spot /Cash Trading)

کمپنی کی اپنی وضاحت کے مطابق وہ اپنے موکلین اور دلالوں کے درمیان رابطہ کراتی ہے، اور کمیشن پر سودے کرواتی ہے، اس صورت میں سودا موکل اور تجارتی مرکز میں موجود دلال کے مابین ہوتا ہے، لیکن چونکہ موکل پوری رقم کی ادائیگی تو کرتا ہے نہیں، لھذا کرنسی اور سونے چاندی کی خرید کی صورت میں سودا دو وجہ

سے ناجائز ہے:

الف: یہ بیع الدین بالدین ہے، بائع اور خریدار دونوں کی طرف سے قرض ہے، کیونکہ نہ تو بائع نے خریدار کو خرید کردہ پر قبضہ دیا، اور نہ ہی خریدار نے قیمت کی ادائیگی کی، اور بیع الدین بالدین ناجائز ہے ۔چنانچہ الدرالمختار میں ہے:

فی الدرالمختار: باع فلوسا بمثلھااو بدراھم او بدنانیر فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلاقبض احدھما لم یجز

فلوس فلوس کے بدلے میں فروخت کیے، یا فلوس کو دراہم کے بدلے فروخت کیے، یا دنانیر کے عوض فروخت کیے، اگر فریقین میں سے کسی ایک فریق نے ادائیگی کی، تو سودا درست ہے، اور اگر ادائیگی کے بغیر دونوں الگ الگ ہو گئے، تو یہ سودا جائز نہیں ۔(۱)

اس کی وجہ علامہ شامیؒ نے یہ بیان فرمائی:

لانہ یکون افتراقا عن دین بدین وھو غیر صحیح

کیونکہ یہ دین کے بدلہ میں دین ہے، جو درست نہیں ۔(۲)

ب: خرید پر جتنے دن گزریں گے، خریدار یعنی موکل یومیہ کے حساب سے سود ادا کرے گا، یہ بھی حرام ہے۔

اور اگر اس کے برعکس ہم یہ فرض کرلیں کہ کمپنی خود لاٹ خرید لیتی ہو، یا اس کے پاس موجود ہو، تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: کمپنی اپنے لئے خریدتی ہو اور پھر خود موکل کے ہاتھ فروخت کرتی ہو تو اس میں مذکورہ دونوں خرابیاں تو ہیں ہی، ان کے علاوہ یہاں کمپنی کمیشن بلاوجہ لے رہی ہے۔

ب: کمپنی موکل کے لئے خریدتی ہو اور اپنے پاس سے مکمل ادائیگی کر کے مبیع پر قبضہ کر لیتی ہو، اس صورت میں اگرچہ یہ بیع الدین بالدین تو نہیں بنتی، لیکن سود سے بچاؤ تو اس میں بھی نہیں۔

---

(۱) الدرالمختار (۵/۱۷۹)

قسم ثانی:Future Trading

یہ اگر چہ بیع سلم کی شکل ہے، لیکن اس میں بیع سلم کی بعض شرائط نہیں پائی جاتیں، یعنی یہ کہ سودا طے پانے کی مجلس میں راس المال کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں بیع سلم میں یہ ضروری ہے کہ جب تک مسلم فیہ (خرید کردہ سامان) پر قبضہ نہ ہو جائے، اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائے، لیکن زیرِ بحث کاروبار میں اصل یہی ہے کہ مسلم فیہ پر قبضہ کئے بغیر مہیا کئے جانے کی تاریخ سے قبل ہی اس کو آگے فروخت کر دیا جاتا ہے، الدر المختار میں ہے:

ولایجوز التصرف للمسلم الیه فی راس المال ولالرب السلم فی المسلم فیه قبل قبضه بنحو بیع الخ

مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ میں قبضہ سے قبل خرید وفروخت جیسے تصرفات جائز نہیں۔(۱)

یہ خرابیاں اس صورت میں ہیں جب خرید کردہ کرنسی یا اجناس واشیاء ہوں، اور اگر خرید کردہ چیز سونا یا چاندی ہو، تو اس میں بیع سلم جائز ہی نہیں، کیونکہ بیع سلم مثمن میں ہوتی ہے، ثمن میں نہیں ہوتی۔ بدائع میں ہے:

واما السلم فی الفلوس عددا فجائز عندابی حنیفة وابی یوسف وعند محمد لایجوز بناء علی ان الفلوس اثمان عنده فلایجوز السلم فیها کما لایجوز السلم فی الدراهم والدنانیر.

جہاں تک فلوس میں عدد کے اعتبار سے سلم کا تعلق ہے، تو یہ حضرات امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ فلوس اثمان ہیں، تو ان میں بیع سلم جائز نہیں ہوگی، جیسا کہ دراہم اور دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں۔(۲)

(۱) الدر المختار (۲۱۸/۵)

(۲) بدائع الصنائع (۲۰۸/۵)

Future contracts are firm

commitments to make or accept delivery of a specified quantity and quality of a commodity during as specific month in the future at a price agreed upon at the time the commitments was made . The unique attraction of future contracts is that they offer an efficient and affordable way of participating in the commodities markets without all the complications associated with owning the physical matereriol -such as arranging for delivery . Storage and insurance.

Less than three percent of all future contracts traded each year result in delivery of the undrlying commodity. Instead traders genrally offset their futrure positions before their contract muture realsizing the profit of loss which is the diference between the initial purchase or sale price and the price of the offsetting transaction.

دوسرا طریقہ: ایک اور مروجہ صورت:

کاروبار کی ایک شکل جو آج کل رائج ہے کہ مثلا ایک مہینے کے ادھار پر سونے کی ایک مخصوص مقدار مثلا دس تولے کا سودا کرلیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے، تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن کے سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے ، اس کی ادائیگی کردی جاتی ہے، مثلا خرید کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپے تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپے تولہ ہوگیا تو خریدار بائع سے ایک سو روپے فی تولہ کے حساب سے ایک ہزار روپے وصول کرلے گا، اور اگر نرخ گر کر چار ہزار نو سو رہ گیا تو خریدار بائع کو ایک ہزار روپے دے گا نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے اس کا لین دین کرلیتے ہیں کاروبار کی یہ شکل بالکل ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ مقدمہ نمبر چار میں اس کی وجہ گزر گئی۔(۱)

❖

(۱) سونے چاندی کے یہ مسائل زیادہ تر رسالہ ''سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام مولفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد '' سے لئے گئے ہیں، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ لاہور پاکستان

باب پنجم

کرنسی اور فلوس کا تبادلہ

باب پنجم

کرنسی اور فلوس کا تبادلہ

بیع صرف اور فلوس:

باب چہارم کے شروع میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ ''بیع صرف'' کے لئے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں عوضین کا ثمن خلقی ہونا ضروری ہے، چند عبارات بمع ترجمہ یہاں بھی ملاحظہ ہوں:

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

''وشرعاً بیع الثمن بالثمن ای ماخلق للثمنیة، ومنه المصوغ جنسابجنس اوبغیر جنس.''

''اور شریعت میں بیع صرف عبارت ہے ثمن کی ثمن کے ساتھ خرید وفروخت سے، یعنی جو خلقی طور پر ثمن ہو، اور اسی سے بنا ہوا برتن بھی ہے، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو، یا خلافِ جنس کے ساتھ ہو۔''(۱)

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:

''سواء کانا یتعینان کالمصوغ اولایتعینان کالمضروب، اویتعین احدهماولایتعین الاخر، لاطلاق ماروینا، ولانه ان کان یتعین ففیه شبهة التعیین لکونه ثمنا خلقةً فیشترط قبضه اعتبارا للشبهة فی الربا.''

''چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلا دونوں طرف سکہ ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق

---

(۱) الدرالمختار للحصکفی شرح تنویر الابصار للتمرتاشی ومتن رد المحتار لابن عابدین المعروف بالشامی (۷/۴۰۲)

ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے، تو اس میں تعیین کے باوجود شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔"(۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، اور دوسری طرف بھی سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، یا دونوں طرف دراہم یا دنانیر ہوں، یا ایک طرف درہم یا دینار ہو، اور دوسری طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، تو یہ تمام صورتیں بیع صرف کی ہیں، کیونکہ یہ تمام ثمن خلقی ہیں، لھذا ان تمام صورتوں میں تقابض ضروری ہوگا۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں:

"وغالب الغش ليس فى حكم الدراهم والدنانير فيصح بيعها بجنسها متفاضلا والتبايع والاستقراض بما يروج عددا او وزنا او بهما ولايتعين بالتعيين لكونها اثمانا."

"کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ دراہم یا دنانیر کے حکم نہیں ہوں گے، لھذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید وفروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیوں کہ یہ اثمان ہیں۔"(۲)

اس پر علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"قوله : "ولايتعين بالتعيين لكونها اثمانا" يعنى

---

(۱) الهداية مع الفتح ، المرغيناني (شيخ الاسلام برهان الدين ابو الحسن ابوبكر المرغيناني المتوفى ۵۹۳ھج) كوئٹه، پاكستان، مكتبه رشيديه (۲۶۱/۶)

(۲) كنز الدقائق مع البحر ، النسفي (الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفي المتوفى ۷۱۰ھج) بيروت، دارالكتب العلمية ، طبع اول ۱۴۱۸ھج (۳۳۵/۶)

مادامت تروج لانها بالاصطلاح صارت اثمانا ، فمادام ذلک الاصطلاح موجودا ، لاتبطل الثمنية لقيام المقتضى'."

"صاحبِ ھدایہ کی یہ بات کہ "یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ، کیونکہ یہ اثمان ہیں" یعنی جب تک مروج ہوں ، کیونکہ یہ لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں ، سو جب تک یہ اصطلاح باقی رہے گی ، اس کی ثمنیت بھی باقی رہے گی ، اس لئے کہ مقتضی موجود ہے۔"(۱)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ غالب ہو ، اور سونا یا چاندی کم ہو ، اور وہ مروج بھی ہو ، تو ان کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے ، اگر چہ عوضین ہم جنس کیوں نہ ہوں ، لیکن اس کے باوجود یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے ، کیونکہ یہ اثمان ہیں لیکن اثمان عرفیہ ہیں۔

اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن کے ساتھ ہے ، لیکن چونکہ یہ ثمن خلقی نہیں ، اس لئے اس کو بیع صرف سے نکالا اور اس میں وحدتِ جنس کے باوجود تفاضل (زیادتی) کو جائز قرار دیا۔

فقہاءِ حنفیہ کی ان عبارات سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ بیع صرف کے لئے صرف ثمن کا ہونا کافی نہیں ، بلکہ ضروری ہے کہ وہ ثمن خلقی ہو ، البتہ ثمن خلقی کسی بھی شکل میں ہوسکتا ہے۔

البتہ عدمِ تعیین کے لئے کسی شئی کا صرف ثمن ہونا کافی ہے۔

حنابلہ کی مشہور کتاب "کشاف القناع" میں ہے:

"فصل فی المصارفة، وهی بيع نقد بنقد، اتحد الجنس او اختلف ."

(۱) کنز الدقائق مع البحر ، النسفی (الامام ابو البرکات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفی المتوفی ۷۱۰ ھج) بيروت، دار الکتب العلمية ، طبع اول ۱۴۱۸ ھج (۳۳۵/۶)

''مصارفہ زر کے مقابلہ میں زر کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو، یا مختلف ہو۔(۱)

یہ حضرات چونکہ تفصیل میں نقدین تثنیہ ذکر کرتے ہیں، اسی طرح درہم ودینار یا سونا چاندی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی بیع صرف میں ''نقد'' سے مراد ثمن خلقی ہے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب ''مغنی المحتاج'' میں ہے:

"(النقد بالنقد) والمراد به الذهب والفضة مضروبا كان او غير مضروب."

''(بیع صرف نقد کے مقابلہ میں نقد کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں) اور اس سے مراد سونا چاندی ہے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا نہ ہو۔''(۲)

اور اسی کتاب میں ہے:

"تنبيه :بيع النقد بالنقد من جنسه وغيره يسمى صرفا."

''نقد کے مقابلہ میں نقد کی بیع کو صرف کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو، یا جنس مختلف ہو۔''(۳)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"والثانية لايشترط الحلول والتقابض ، فان ذلك معتبر في جنس الذهب والفضة سواء كان ثمنااو كان صرفا او كان مكسورا بخلاف الفلوس ولان الفلوس هى فى الاصل من باب لاعراض والثمنيه عارضة لها"

''اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلول (cash

---

(۱) (۲۵۳/۳)

(۲) مغنى المحتاج، الشربينى (الشيخ محمد الشربينى الخطيب) بيروت ، داراحياء التراث العربى (۲۴/۲)

(۳) حواله بالا

payment) اور تقابض ضروری نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنسِ سونا اور چاندی میں معتبر ہیں، خواہ وہ کسی قسم اور کسی شکل میں ہو، بخلاف فلوس کے (کہ وہ جنس سونا اور چاندی میں سے ہیں نہیں) اور اس لئے بھی کہ فلوس حقیقت میں سامان کے قبیل میں ہیں اور ثمنیت تو ان کو عارضی طور پر لاحق ہوگئی ہے۔''(۱)

یہ امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے، اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ ''صرف'' کے لئے ثمن خلقی کا ہونا ضروری ہے۔

علامہ زحیلی فرماتے ہیں:

''وشرعاً هو بيع النقد بالنقد جنسا بجنس او بغير جنس: اى بيع الذهب بالذهب او الفضة بالفضة او الذهب بالفضة مصوغا او نقداً.''

''اور شریعت صرف نقد کے مقابلہ میں نقد کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ ہو، یعنی سونا بمقابلہ سونا کے، یا چاندی بمقابلہ چاندی کے یا سونا بمقابلہ چاندی کے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو۔''(۲)

کتاب ''تطور النقود'' میں ہے:

''عرف الحنفية الصرف بانه بيع الاثمان بعضها ببعض وارادوا من الاثمان ما كان ثمنا خلقة اى من القدم وهو الذهب والفضة سواء كانا مسكوكين دنانير ودراهم وهى المعروفة بالنقدين او كانا مصوغين كالاقراط

(۱) (مجموعة الفتاوى ۲۹/۴۵۹)

(۲) الفقه الاسلامى وادلته للعلامة الزحيلى (۴/۶۳۶)

والاساور او کانا تبرا وعبر الشافعية والحنابلة عن الثمن بالنقد فقالوا: الصرف بيع النقد بالنقد من جنسه او غيره، ارادوا بالنقد كذلك الذهب والفضة مسكوكين او مصوغين او تبرا والحكم في المذاهب الثلاثة هو ان الذهب والفضة اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتماثل والتقابض (الى قوله:) والتعريف السابق للصرف عند الائمة الثلاثة يفيد انه محصور في الذهب والفضة اللذين لايغلب عليهما الغش ، فاذا كانت الدراهم مغشوشة ورائجة او كان النقد من الجانبين فلوسا رائجة لايجرى فيهما حكم الصرف الخ

''حضرات حنفیہؒ نے بیع صرف کی تعریف یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے۔ اوران کے نزدیک اثمان سے مراد وہ ہیں جو خلقۃً ثمن ہوں، یعنی زمانہ قدیم سے، اور وہ سونا اور چاندی ہیں، خواہ سکہ کی شکل میں ہوں دنانیر اور دراہم، جو ''نقدین'' کے ساتھ مشہور ہیں، اور یا زیور کی شکل میں ہوں، جیسا کہ بالیاں اور چوڑیاں ہیں، اور یا ڈلی کی شکل میں ہوں، اور شافعیہ اور حنابلہ نے ثمن سے ''نقد'' کے ساتھ تعبیر کی ہے، سوانہوں نے کہا کہ ''صرف'' ''نقد'' کے مقابلہ میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں، عوضین خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں، اور ان کے نزدیک بھی ''نقد'' سے مراد سونا چاندی ہی ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور تینوں مذاہب کا حکم ایک ہے، اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید وفروخت جب جنس کے ساتھ ہو، مثلاً سونا کو سونا کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے کے ساتھ تو اس صورت میں حلول (ادھار نہ ہونا) تماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں۔۔۔۔ائمہ ثلاثہؒ کی صرف کی

مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے، جس میں کھوٹ غالب نہ ہو، لھذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو، یا جانبین سے نقد فلوس رائجہ ہوں، تو اس عقد کو عقدِ صرف نہیں کہا جائے گا۔"(۱)

ان تمام عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں عقد صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں۔ اس لئے "فلوس" کی بیع صرف میں داخل نہیں، بلکہ سونے یا چاندی میں اگر "غش" (کھوٹ) غالب ہو، اور بحثیت سکہ کے یہ سونا یا چاندی رائج ہو، تب بھی اس کی بیع صرف نہیں، جیسا کہ کنز الدقائق کی عبارت سے واضح ہے:

"وغالب الغش ليس فى حكم الدراهم والدنانير فيصح بيعها بجنسها متفاضلا والتبايع والاستقراض بما يروج عددا او وزنا او بهما ولايتعين بالتعيين لكونها اثمانا."

"کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ دراہم یا دنانیر کے حکم نہیں ہوں گے، لھذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید وفروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیوں کہ یہ اثمان ہیں۔"(۲)

یاد رکھنا چاہیئے کہ "ربا" "صرف" سے مختلف ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ ربا کسی صورت میں ہو، اور وہ صرف نہ ہو، مثلاً اگر حطہ (گندم) حطہ کے مقابلہ میں تفاضلاً بیچا جائے، تو یہ ربا ہے، اور ناجائز ہے، لیکن صرف نہیں، اسی طرح اگر ایک فلس دو فلسوں کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے، اور غیر معین ہو، تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں بالاتفاق یہ ربا ہے، اور حرام ہے، لیکن حنفیہ کے ہاں یہ "صرف" نہیں، اور صرف نہ ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر

---

(۱) تطور النقود (ص ۱۴۱،۱۵۴۳)

(۲) كنز الدقائق مع البحر، النسفى (الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفى المتوفى ۷۱۰ هج) بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ هج (۳۳۵/۶)

جنس کا غیر جنس کے ساتھ مبادلہ ہو، تو تفاضل جائز ہوگا، خیار شرط قبول کریگا، اجل قبول کریگا، اور تقابض ضروری نہیں ہوگا، بلکہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہوگا، تاکہ بیع الکالئی بالکالئی نہ ہو، فتح القدیر میں مذکور ہے:

"ان یبیع فلسا بغیر عینہ بفلسین بغیر اعیانہما لایجوز لان الفلوس الرائجۃ امثال متساویۃ قطعاً لاصطلاح الناس علی سقوط قیمۃ الجودۃ منہا فیکون احدھما فضلا خالیا مشروطا فی العقد وھو الربا."

"غیر معین فلس کو اگر دو غیر معین فلسوں کے ساتھ بیچا، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ فلوس رائجہ امثال متساویہ ہیں کیونکہ لوگوں نے ان میں جودت کی قیمت کو ساقط کردیا ہے، تو ایک فلس مشروط طور پر خالی عن العوض ہوجائے گا، اور یہی ربا ہے۔"(۱)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ اگر غیر معین فلس کا غیر معین فلسین کے ساتھ تبادلہ ہو، تو اس صورت میں یہ معاملہ بالاتفاق حرام ہے، کیونکہ فلوس امثال متساویہ ہیں (یعنی ایک فلس دوسرے فلس کا ہم مثل ہے۔) تو جب ایک فلس دو کے مقابلہ میں ہو، تو ایک جانب میں ایک فلس خالی عن العوض ہوا، اور یہی ربا ہے، تو ربا کی تعریف اس پر صادق ہے، لھذا یہ صورت حرام ہے، البتہ اگر فلوس کو معاملہ کے وقت معین کیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ ایک فلس میں تم کو تمھارے ان دو فلسوں کے مقابلہ میں فروخت کرتا ہوں، تو اس صورت میں حضرات شیخینؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، کیونکہ تعیین سے فلوس سامان کے حکم میں آگئے، اور عروض میں تفاضل جائز ہے، تو فلوس میں بھی جائز ہوگا، گویا کہ فلس لوگوں کی اصطلاح سے ثمن بنا تھا، اور عاقدین کی اصطلاح سے اس کی ثمنیت باطل ہوگئی، لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ جب فلس اصطلاح سے ثمن بن گیا، تو اب صرف عاقدین کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس کی ثمنیت کو باطل کریں، البتہ سارے لوگ اس کی ثمنیت کے بطلان پر متفق ہوجائیں، تو وہ الگ بات ہے۔

---

(۱) فتح القدیر (۱۶۲/۶)

''ربا''(Interest) کے مسئلہ میں علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"ویجوز بیع المعدودات المتقاربة من غیر المطعومات بجنسها متفاضلاً عند ابی حنیفة و ابی یوسف بعد ان یکون یداًبید کبیع الفلس بالفلسین باعیانهما ، وعند محمد لایجوز .وجه قوله، ان الفلوس اثمان فلایجوز بیعها بجنسها متفاضلا کالدراهم والدنانیر ، ودلالة الوصف عبارة عما تقدر به مالیةالاعیان ومالیة الاعیان کما تقدر بالدراهم والدنانیرتقدر بالفلوس فکانت اثمانا ، ولهذا کانت اثمانا عند مقابلتها بخلاف جنسها ، وعند مقابلتها بجنسها حالة المساواة، وان کانت ثمنا فالثمن لایتعین وان عین کا الدراهم والدنانیر فالتحق التعین فیهما بالعدم فکان بیع الفلس بالفلسین بغیر اعیانهما، وذا لایجوز ، ولانها اذا کانت اثمانافالواحد یقابل الواحد فبقی الآخر فضل مال لا یقابله عوض فی عقد المعاوضة وهذا تفسیر الربا الخ"

''کھانے جانے والی اشیاء کے علاوہ جو اشیاء ''معدودات متقاربہ'' میں سے ہوں، ان کی بیع بجنسہا زیادت کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ہاتھ در ہاتھ ہو، جیسا کہ ایک فلس کے مقابلہ میں دوفلسوں کی بیع جائز ہے، جبکہ یہ دونوں معین ہوں، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز ہیں۔

امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، لھذا دراھم اور دنانیر کی طرح ان کی بیع بجنسھا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں، اور وصفِ (ثمنیت) کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے اشیاء کی

مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، اور اشیاء کی مالیت کا اندازہ جس طرح دراھم اور دنانیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس طرح فلوس کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے، لھذا فلوس اثمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلوس کا مقابلہ جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو، لیکن دونوں طرف مساوی ہوں، تو فلوس کو اثمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلوس اثمان ہیں، تو ثمن تعیین سے متعین نہیں ہوتے، جیسا کہ دراھم اور دنانیر کا معاملہ ہے، لھذا ان میں "تعیین" کالعدم ہوگئی، تو اب یہ سمجھا جائے گا، کہ یہاں غیر معین فلس کی غیر معین فلسین کے ساتھ بیع ہوئی، اور یہ جائز نہیں، اور اسی لئے بھی کہ جب یہ اثمان ہیں، تو ایک فلس ایک فلس کے مقابلہ میں آجائے گا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ جائے گا، اور یہی ربا کی تفسیر ہے۔"(۱)

اور ھدایہ میں ہے:

ويجوز بيع الفلس بالفلسين اعيانهما عند ابی حنيفة وابی يوسف ، قال محمد : لايجوز ، لان الثمنية تثبت باصطلاح الكل فلاتبطل باصطلاحهما واذا بقيت اثمانا لاتتعين فصار كما اذا كانا بغير اعيانهما ، وكبيع الدرهم بالدرهمين ولهما ان الثمنية فى حقهما تثبت باصطلاحهما اذلاولاية للغير عليهما فتبطل باصطلاحهما واذا بطلت الثمنية تتعين بالتعيين ...فصار كالجوزة بالجوزتين بخلاف النقود لانها للثمنية خلقةً .

(۱) بدائع الصنائع ، الكاسانى (الامام العلامة علاء الدين ابى بكر بن مسعود الكاسانى) كراچى ، ايچ ايم سعيد كمپنى ، طبع اول ۱۳۲۸ هج

(۲) الهداية مع الفتح (۱۶۲/۶)

اس عبارت کا حاصل وہی ہے، جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔

فلس بفلسین کی فتح القدیر وغیرہ میں چار صورتیں تحریر ہیں، ان میں سے تین صورتیں بالاتفاق حرام اور ناجائز ہیں، اور ایک صورت اختلافی ہے، جس کی تفصیل گزر گئی:

۱............	فلس غیر معین = فلسین غیر معینین		حرام اتفاقاً
۲............	فلس معین = فلسین غیر معینین		
۳............	فلس غیر معین = فلسین معینین		
۴............	فلس معین = فلسین معینین		اختلافی (۱)

فلوس میں تاجیل جائز ہونے کی صورت علامہ سرخسیؒ نے یہ بیان فرمائی ہے:

واذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع فالبيع جائز ، لان الفلوس الرائجة ثمن كالنقود ، وقد بينا ان حكم العقد في الثمن وجوبها ووجودها معا ولايشترط قيامها في ملك بائعها لصحة العقد كما لايشترط ذلك في الدراهم والدنانير .

''جب ایک آدمی دراہم کے بدلہ میں فلوس خریدے، اور ثمن (دراہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز ہے، کیونکہ فلوس رائجہ نقود کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحتِ عقد کے لئے ضروری نہیں، جیسا کہ یہ دراہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) فتح القدير (۱۶۲/۶)

(۲) المبسوط للسرخسي(شمس الدين السرخسي) بيروت ، لبنان ، دارالمعرفة ، طبع ۱۴۱۴هج (۲۴/۴)

نیز علامہ سرخسی ایک مسئلہ کے آخر میں فرماتے ہیں:

وبیع الفلوس بالدراهم لیس بصرف الخ "

"اور فلوس کی بیع دراہم کے ساتھ صرف ہے نہیں۔"(۱)

اور جب ایک جانب درہم ہو اور ایک جانب فلس ہو، تو یہ صرف نہیں، تو جب دونوں طرف فلس ہو، تو وہ بطریقہ اولی صرف نہیں ہوگا۔

یہاں تک یہ بات واضح طور پر سامنے آئی کہ ائمہ ثلثہؒ کے ہاں فلوس کی بیع صرف نہیں ہے، اب آیئے مالکیہ کی نصوص دیکھتے ہیں:

فلوس کی بیع کے صرف ہونے یا نہ ہونے سے متعلق مالکیہ کا نقطہ نظر:

"قلت : ارأیت ان اشتریت فلوسا بدراهم فافترقنا قبل ان نتقابض ، قال: لایصلح هذا فی قول مالک ، وهذا فاسد ، قال: لی مالک : لاخیر فیها نظرة بالذهب ولابالورق ، ولو ان الناس اجازوا بینهم الجلود حتی تکون لها سکة وعین لکرهتها ان تباع بالذهب والورق نظرة .قلت: ارأیت ان اشتریت خاتم فضة او خاتم ذهب او تبر ذهب بفلوس فافترقنا قبل ان نتقابض ایجوزهذا فی قول مالک ؟ قال: لایجوز فلس بفلسین...قال اللیث بن سعد عن یحی بن سعید وربیعة انهما کرها الفلوس بالفلوس وبینهما فضل اور نظرة وقالا: انها صارت سکة مثل سکة الدنانیر والدراهم ."

"میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کی میں اگر دراہم کے بدلہ فلوس خریدوں اور پھر ہم قبضہ کئے بغیر الگ ہوجائیں، فرمایا: یہ امام مالک کے قول میں درست

(۱) حوالہ بالا (۱۴/ ۲۴)

نہیں، اور یہ فاسد ہے، مجھے امام مالکؒ نے فرمایا: فلوس اگر سونے یا چاندی کے مقابلہ میں ادھار ہوں، تو اس معاملہ میں کوئی خیر نہیں، اور اگر لوگ کھالوں میں میں تعامل شروع کریں، یہاں تک کہ یہ سکہ اور ذات بن جائیں، تو میں ان کھالوں کا تبادلہ سونے چاندی کے ساتھ ادھار مکروہ قرار دوں گا۔ میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر فلوس کے بدلہ چاندی یا سونے کی انگوٹھی خریدوں، اور پھر قبضہ کئے بغیر الگ ہوجائیں، تو یہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے؟ فرمایا: یہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ امام مالکؒ نے فرمایا: فلس کا فلسین کے مقابلہ میں معاملہ جائز نہیں۔۔۔۔لیث بن سعد یحی بن سعید اور ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلوس کا فلوس کے مقابلہ میں ایسا معاملہ کو مکروہ فرماتے ہیں جس میں زیادتی یا ادھار ہو، اور یہ فرمایا: کیونکہ یہ دنانیر اور دراہم کی طرح سکہ ہوگیا۔"(۱)

"وقال مالک : اکرہ ذلک فی الفلوس ولااراہ حراما کتحریم الدنانیر والدراھم ، قلت : ارأیت ان اشتریت فلسا بفلسین ایجوز ھذا عند مالک ؟ قال : لایجوز فلس بفلسین .

"اور امام مالک نے فرمایا، میں اس کو فلوس میں مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں اس معاملہ کو دنانیر اور دراہم کی حرمت کی طرح حرام نہیں سمجھتا ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز نہیں۔"(۲)

---

(۱) المدونۃ الکبری ، الاصبحی (الامام مالک بن انس الاصبحی المتوفی ۱۷۹ ، بیروت ، دارالکتب العلمیۃ ، طبع اول ۱۴۱۵ ھج (۵/۳، ۶)

(۲) حوالہ بالا

الليث عن يزيد بن ابى حبيب وعبيد الله بن ابى جعفر قالا: وشيوخنا كلهم انهم كانوا يكرهون صرف الفلوس بالدنانير والدراهم الايدا بيد .

وقال يحى بن ايوب : قال يحى بن سعيد : اذا صرفت درهما فلوسا فلاتفارقه حتى تأخذ كله .

''ہمارے سارے مشائخ فلوس کا دنانیر اور دراہم کے ساتھ صرف کو ناپسند فرماتے تھے، مگر یہ کہ ہاتھ در ہاتھ ہو۔''(۱)

حضرات مالکیہ کی ان عبارات سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کے ہاں راجح یہی ہے کہ صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری نہیں، بلکہ فلوس کی بیع بھی صرف میں داخل ہے، اور اس میں تقابض ضروری ہے، اور ادھار ان کا معاملہ جائز نہیں۔

کیا کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف میں داخل ہے؟

باب سوم میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ''نوٹ'' کی شرعی حیثیت میں چار مشہور نظریے ہیں:

(۱) نوٹ دین (Debt) کی ''سند'' (Certificate) ہے۔

(۲) نوٹ ''سامان'' (Goods) ہے۔

(۳) نوٹ سونے اور چاندی کا ''بدل'' یا قائم مقام (Substitute) ہے

(۴) نوٹ بذات خود ''ثمن عرفی'' ہے، اور فلوس کے حکم میں ہے۔

یہ مسئلہ ان ہی نظریات پر متفرع ہوتا ہے، اور نظریات میں اختلاف کی وجہ سے یہ مسئلہ بھی اختلافی بن جاتا ہے۔

چنانچہ جو حضرات پہلے نظریہ کے قائل ہیں، ان کے نزدیک نوٹوں میں بیع صرف کا تصور نہیں، کیونکہ بیع صرف میں تقابض ضروری ہے، اور نوٹ پر قبضہ اصل پر قبضہ ہے نہیں، بلکہ اس کی سند پر قبضہ ہے، تو تبادلہ میں تقابض نہ ہوگا، تو بیع صرف متصوّر بھی نہیں۔

(۱) حوالہ بالا (۳/۵، ۶)

امدادالفتاوی میں مذکور ہے:

سوال: اگر سوروپے کے کوئی شخص یدابید کسی کے ہاتھ سو سے کم یا زیادہ کو بدلے یا فروخت کرے تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: معاملہ نوٹ حوالہ ہے، بیع نہیں، اسلئے یہ دونوں صورتیں حرام اور سود ہیں، کمی بیشی جائز نہیں، اور یہ بہت ہی ظاہر ہے۔

ایک دوسرے مفصل سوال کے جواب میں فرمایا:

الجواب: نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے، اور حوالہ میں کمی بیشی جب معروف یا مشروط ہو رہا ہے الخ (۲)

فتاوی دارالعلوم دیوبند معروف بعزیز الفتاوی میں ایک سوال کے جواب میں مذکور ہے:

الجواب: بیع اس کی زائد وکم کو اس مقدار سے جو اس کے اندر تحریر ہے درست نہیں، اور درحقیقت اس کی (نوٹ) بیع نہیں ہوسکتی بلکہ بطریق حوالہ اسکا انتقال ہوتا رہتا ہے الخ (۳)

فتاوی رشیدیہ میں تحریر ہے:

سوال: نوٹ کی خرید وفروخت کمی یا زیادتی پر جائز ہے یا نہیں؟ بالتفصیل ارقام فرمائیں۔

جواب: نوٹ کی خرید وفروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں، مگر اس میں حیلہ حوالہ ہوسکتا ہے، اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے، مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربا اور ناجائز ہے فقط (۴)

---

(۱) امداد الفتاوی، تھانوی (مولانا محمد اشرف علی تھانوی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی (۳/۷٦)

(۲) حوالہ بالا (۳/۷۸)

(۳) عزیز الفتاوی، مفتی عزیز الرحمن صاحب، کراچی، دارالاشاعت کراچی، طبع اول (ص ٦۳٦)

(۴) فتاوی رشیدیہ، مولانا مفتی رشید احمد گنگوھی (۴۰۰)

ہندوستانی علماء میں سے ان حضرات کے نزدیک چونکہ نوٹ سند دین ہے، جیسا کہ باب سوم میں اس کا تذکرہ گزر چکا ہے، اس لئے ان کے نزدیک نوٹوں میں بیع جائز ہی نہیں، مماثلۃً بھی جائز نہیں، اور تفاضلاً بھی جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی نے بیع کی، تو اس کو عقد حوالہ کہا جائے گا، اور اسی تاویل سے اس معاملہ کو درست قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ تساوی کے ساتھ تبادلہ ہو، اور حوالہ کا مطلب یہ ہے کہ زید عمرو کو دس روپے کا نوٹ دے رہا ہے، گویا زید اپنا دین اس کے حوالہ کر رہا ہے، اور عمرو اس کو دس روپے کا نوٹ دے رہا ہے، گویا وہ اپنا دین اس کے حوالہ کر رہا ہے، البتہ کمی بیشی جس طرح بیع میں ناجائز ہے، اسی طرح عقد حوالہ میں بھی ناجائز ہے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ ''نوٹ'' عروض اور سامان کے حکم میں ہے، ان کے نزدیک بھی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں، کیونکہ صرف کے لئے عوضین کا زر (نقد) ہونا ضروری ہے، ان کے ہاں صَرف صِرف سونے اور چاندی میں منحصر ہے۔

علماء ہند میں سے علماء رام پور اور احمد رضا خان بریلوی صاحب اسی کے قائل ہیں، چنانچہ وہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

سوال: هل يجوز بيع النوط بازيد من رقمه او انقص ؟ فاقول :نعم ، يجوز بيعه بازيد من رقمه وبانقص منه كيفما تراضيا(الى قوله) نص علماء نا قاطبة ان علة حرمة الربا القدر المعهود بكيل او وزن مع الجنس فان وجدا حرم الفضل والنساء ، وان عدما ، حلا، وان وجد احدهما حل الفضل وحرم النساء ، وهذه قاعدة غير منخرمة وعليها تدور جميع فروع الباب ، ومعلوم ان لا اشتراک فی النوط والدراهم فی جنس ولا قدر ، اما الجنس فلان هذا قرطاس ، وتلک فضة ، واما القدر فلان الدرهم موزونة ولاقدر للنوط اصلا لامكيل ولاموزون ، فيجب ان يحل الفضل ، والنساء جميعا، فاذن ليس النوط

من الاموال الربوية الخ

''سوال: کیا نوٹ کی بیع اسمیں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں اس کی بیع اس میں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، جس طرح عاقدین راضی ہو جائیں۔۔۔ہمارے سارے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حرمتِ ربا کی علت قدر (کیل، وزن) اور جنس ہے، دونوں باتیں اگر موجود ہوں، تو زیادتی اور نساء دونوں ناجائز ہیں، اور اگر دونوں باتیں معدوم ہوں، تو زیادتی اور نساء دونوں جائز ہیں، اور اگر ایک بات موجود ہو، تو زیادتی جائز اور نساء ناجائز ہے، یہ ٹوٹنے والا قاعدہ نہیں، اس پر بابِ ربا کے تمام جزوی مسائل کا مدار ہے، اور یہ بات بالکل معلوم ہے کہ نوٹ اور درہم میں کوئی جنسی اشتراک نہیں، کیونکہ نوٹ ایک کاغذ ہے، اور درہم چاندی ہے، اسی طرح قدر کی بھی بات ہے، کہ درہم موزونات میں سے ہے، اور نوٹ کا کوئی وزن نہیں، کیونکہ یہ نہ موزونات میں سے ہے، اور نہ مکیلات میں سے ہے، لھذا واجب ہے کہ اسمیں زیادتی اور نساء دونوں جائز ہوں، لھذا نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں۔(۱)

فتاوی رضویہ میں ایک سوال کے جواب کے آخر میں لکھتے ہیں:

''پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل ونسیئہ دونوں حلال ہونا چاہیئے۔''(۲)

---

(۱) کفل الفقیه الفاهم فی احکام القرطاس والدراهم (ص ۶۴)

(۲) فتاوی رضویه، بریلوی (مولوی احمد رضاخان بریلوی) کراچی، مدینه پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی (۲۴۵/۷ باب الصرف)

اور فتاوی سعدیہ میں مذکور ہے:

''فتعين انها سلع يثبت لها مايثبت لسائر السلع من زيادة ونقصان وجواز بيع بعضها ببعض متماثلا او متفاضلا من جنس او اجناس الخ''

''تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نوٹ سامان ہے، دوسرے سامان کی طرح اس میں بھی کمی بیشی جائز ہوگی خواہ دونوں نوٹ ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔''

اور شیخ سلیمان الحمدان اپنے ایک فتوی میں فرماتے ہیں:

''اذا علم هذا فلامانع من بيع الورق على اختلاف انواعه ومسماياته من الريالات او الدنانير او الجنيهات باحد النقدين باحد النقدين الذهب والفضة متفاضلاً او نساء ولادخل للربا في شئي من ذلك لان الورق ليس من الاموال الربوية ولان الربا مختص بالمكيلات والموزونات والورق ليس بمكيل ولاموزون .''

''..........نوٹوں کے تبادلہ میں ربا کا کوئی دخل نہیں، کیوں کہ نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں، اور اس لئے بھی کہ ربا خاص ہے مکیلات اور موزونات کے ساتھ اور نوٹ نہ مکیل ہے، اور نہ موزون۔''(۱)

اور جن حضرات کے نزدیک ''نوٹ'' سونے چاندی کا قائم مقام اور سونے چاندی کا بدیل ہے، ان کے نزدیک نوٹوں کے احکام وہی ہوں گے، جو سونے چاندی کے ہیں، لھذا ان کے نزدیک نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف میں داخل ہے۔

(۱) جريدة البلاد السعودية العدد ۲۹۱۷ (۱۳۷۸/۶/۲۲ھج)

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس نظریہ کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک نوٹ ثمن تو ہے، لیکن اس پر احکام سونے چاندی کے لاگو ہوں گے، نہ کہ فلوس کے، نوٹ کے بارے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:

''پس پیسے (فلوس) اگرچہ عرفاً ثمن ہیں، مگر عینِ ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں، بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے، گوثمنیت خلقیہ نہیں، بلکہ ثمنیت عرفیہ ہو، پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو، کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں، حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور اور عرف کے اس میں بھی ثمنیت کی صفت آگئی ہو، پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا گیا جائے گا، اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔''(۱)

شیخ عبدالرزاق عفیفی فرماتے ہیں:

"لما كان الامر كذلك كانت الاوراق النقدية بدلا عما حلت محله من عملات الذهب او الفضة التى سبقتها فى التعامل ...وعلى هذا تجب فيها الزكوة كاصلها ويقدر فيها النصاب بما قدر بها فى اصلها وتجرى فيها ربا الفضل والنسيئة (۲)

اس عبارت کا حاصل یہی ہے کہ کرنسی نوٹ جب سونے چاندی کی کرنسی کے قائم مقام ہو گئے، تو اب اس پر اس کے سارے احکام جاری ہونگے، اور کرنسی نوٹوں میں دیگر احکام کی طرح ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں قسمیں جاری ہوں گی۔ ان عبارات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہوسکتا

(۱) مجموعۃ الفتاوی، لکھنوی (مولانا عبدالحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک (۲/۱۳۷)

(۲) احكام الاوراق النقدية والتجارية للجعيد (ص ۲۱۴)

ہے۔

اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ مستقل زر ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، ان کے نزدیک کرنسی نوٹوں کا تبادلہ "بیع صرف" نہیں۔

حاصل یہ کہ مذکورہ چار موقفوں میں سے صرف تیسرے موقف کے مطابق کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہے، باقی تین موقفوں کے مطابق نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں، اور بیع صرف نہ ہونے کی وجہ الگ الگ ہے، یعنی:

موقف اول کے مطابق نوٹ پر قبضہ سند پر قبضہ ہے، تو قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے بیع صرف کیا سرے سے یہ بیع ہی نہیں، بلکہ حوالہ ہے۔

دوسرے موقف کے مطابق نوٹ سامان کے حکم میں ہے، اس لئے صرف کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، چوتھے موقف کے مطابق نوٹ اگر چہ زر ہے، لیکن چونکہ بیع صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، اور یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے ان کا تبادلہ بیع صرف نہیں، تیسرے موقف کے مطابق چونکہ کرنسی نوٹ سونے یا چاندی کے قائم مقام ہے، اور بدل کا حکم وہی ہوتا ہے، جو مبدل کا ہوتا ہے، اس لئے اس کا مبادلہ بیع صرف ہے۔

بہر حال چوتھے موقف کے مطابق بھی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ صرف نہیں۔ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

> ثم ان هذه الاوراق النقدية وان كان لايجوز فيها التفاضل ،ولكن بيعها ليس بصرف ، لان الاوراق النقدية ليست اثمانا خلقية وانما هى اثمان عرفية او اصطلاحية ولايجرى الصرف الا فى الاثمان الخلقية من الذهب والفضة.
>
> "پھر یہ نوٹ اگر چہ ان میں تفاضل جائز نہیں، لیکن ان کی خرید وفروخت صرف نہیں، کیونکہ نوٹ خلقی اثمان نہیں، بلکہ یہ تو عرفی یا اصطلاحی اثمان

ہیں، اور بیع صرف اثمان خلقیہ یعنی سونے چاندی میں جاری ہوتی ہے

سید محمد باقر اپنی کتاب میں کرنسیوں کے تبادلہ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"وعمليات البيع والشراء هذه جائزة شرعا سواء كانت حاضرة او لاجل."

''اور ان کی خرید وفروخت کا عمل شرعا جائز ہے، خواہ نقد ہو، یا ادھار ہو۔''(۲)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کرنسی نوٹوں کی ادھار بیع کو جائز قرار دیا، لھذا یہ صرف نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔

شیخ عبداللہ بن سلمان جو دارالافتاء ریاض کے رکن ہیں، فرماتے ہیں:

"هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس في طرؤ الثمنية عليها فما ثبت للفلوس من احكام الربا والزكاة والسلم تثبت للاوراق النقدية مثلها وقد قال بهذه النظرية مجموعة كبيرة من افاضل العلماء و يعتبر القائل بها في الجملة وسطا بين القائلين بالنظرية السندية والقائلين بالنظرية العرضية ، ولاشك انه اقرب الاقوال الى الاصابة في نظرنا (النقد الورقي ص۸۳)

''اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ ثمن طاری ہونے میں فلوس کی طرح ہیں، سو ربا، زکاۃ اور سلم کے جو احکام فلوس میں جاری ہوتے ہیں، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہونگے، اس نظریہ کا قائل فاضل علماء کی ایک بڑی جماعت ہے ، اور اس نظریہ کا قائل دونظریوں

(۱) احكام الاوراق النقدية للعثماني (ص۲۷)

(۲) البنک اللاربوی فی الاسلام ، السید محمد باقر الصدر ، بیروت ، دارالتعارف ، طبع ششم ۱۴۰۰ھج (ص۱۳۸)

یعنی یہ نظریہ کہ نوٹ سند ہے، اور یہ نظریہ کہ نوٹ عرض ہے، کے درمیان فیصل اور ثالث ہے، (یا اس نظریہ کا قائل مذکورہ دونظریوں کے قائلین کے درمیان میں ہے، یعنی یہ نظریہ اعتدال پر مبنی ہے۔) اور بلاشبہ یہ نظریہ ہماری نظر میں حق اور درستگی کے زیادہ قریب ہے۔"(۱)

شیخ احمد خطیب اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

" فتبین بجمیع ذلک ان النوت کا لفلوس النحاسیة فی جمیع احکامها ظاهراً وباطناً (اقناع النفوس بالحاق النوت بالفلوس ص۴۸)

"ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوٹ ظاہرا وباطنا تمام احکام میں تانبے سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔"(۲)

ترجیح: باب سوم میں ہم نے کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں چوتھے موقف کو ترجیح دی تھی، لھذا اسی بناء پر یہاں بھی راجح یہی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں۔

فلوس کے تبادلہ کا تحقیقی جائزہ:

فلوس کے تبادلہ کا تحقیقی جائزہ اسی باب کے شروع میں "بیع صرف اور فلوس" کے عنوان کے تحت بڑی تفصیل سے لیا گیا ہے، اس لئے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) بحوالہ جدید فقہی مباحث للقاسمی۔

(۲) حوالہ بالا

ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ بیع:

جاننا چاہیئے کہ ایک ملک کی کرنسی جنس واحد ہے، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں اجناس مختلفہ ہیں، اور کرنسی کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ کہ فلوس کے حکم میں ہے، اور فلوس میں اختلاف مشہور ہے، جو تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا، امام محمدؒ اور امام مالکؒ فلوس میں تفاضل کو حرام قرار دیتے ہیں، بلکہ غیر معین ہونے کی صورت میں حضرات شیخینؒ کا بھی یہی موقف ہے، لھذا کرنسی نوٹوں سے متعلق اس قول کے مطابق ملکی کرنسی کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہ ہوگا، اور تفاضل جائز نہ ہونے کی علت وہی ہے، جو ''فلوس'' میں گزر ہو چکی، یعنی یہ کہ یہ امثال متساویہ ہیں، تو بیع کی صورت میں اگر ایک طرف زیادتی ہوگی، تو وہ زیادتی مشروط خالی عن العوض ہوگی، اور یہی ربا ہے، جو حرام ہے، اس کی مفصل عربی عبارات گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکی ہیں۔

واضح رہے کہ جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سندِ دین ہے، ان کے نزدیک ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع درست نہیں، بلکہ بطور عقدِ حوالہ درست ہوگا، تفصیلات گزر چکی ہیں، اور جو حضرات کرنسی نوٹ کو سامان کا درجہ دیتے ہیں، ان کے نزدیک نہ صرف ملکی کرنسی کی بیع درست ہے، بلکہ تفاضل بھی جائز ہے، اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سونے چاندی کا قائم مقام اور اس کا بدیل ہے، ان کے نزدیک ملکی کرنسی کی بیع بشرطِ تماثل جائز ہے، اور یہ بیع صرف ہے۔

حاصل یہ کہ ملکی کرنسی کے تبادلہ میں چار قول ہو گئے:

۱..........ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع درست نہیں، البتہ بطور حوالہ بشرطِ تماثل گنجائش ہے = علماء ہند میں سے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب، مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

۲..........ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع تفاضلاً بھی درست ہے = علماء رامپور اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اس کے قائل ہیں۔

۳..........ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع صرف بشرطِ تماثل درست ہے = علامہ عبدالحی لکھنوی صاحب اور علامہ سعدی صاحبِ فتاوی سعدیہ اسی کی طرف مائل ہیں۔

۴............ملکی کرنسی کی بطور عام بیع بشرطِ تساوی بیع جائز ہے = بعد کے اکثر علماء ہند اور علماء عرب اسی کے قائل ہیں، اور زیادہ تر دارالافتاؤں میں اسی پر فتوی اور عمل جاری ہے۔

کرنسی نوٹ کے بارے میں ایک قول جدید:

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ صاحب مرحوم کی تحقیق کے مطابق ایک روپیہ کا نوٹ بحکمِ فلوس ہے، اور بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں اور دھاتی سکوں کی رسید ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسٹیٹ بنک آف پاکستان سے تحقیق پر معلوم ہوا کہ ملکی درآمد برآمد کے حساب سے کل پیداوار کے برابر دھاتی سکے اور ایک روپے کے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، پھر ان دھاتی سکوں اور ایک روپے کے نوٹوں کے مجموعہ کی تعداد کے مطابق بطور دستاویز بڑے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، لھذا اسٹیٹ بنک کے اس بیان کے مطابق دھاتی

دھاتی سکے	=	فلوس
ایک روپے کا نوٹ	=	فلوس کے حکم میں ہے
بڑے نوٹ	=	فلوس کی دستاویز

اسلئے دس روپے کا نوٹ مثلا ایک ایک روپے کے دس دس نوٹوں یا اس کے برابر دھاتی سکوں کی دستاویز ہے، خود زر اور مال نہیں۔

اسی نظریہ کی بناء پر مفتی صاحبؒ ملکی کرنسی کے تبادلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک روپے کے نوٹ بحکم فلوس ہیں، اسلئے ان کا باہم مبادلہ جائز ہے، البتہ تفاضل اور نسا حرام ہے، اگر کہیں نساء کی ضرورت پیش آئے، تو مبادلہ کی بجائے استقراض کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ بڑے نوٹوں کے عوض ایک روپے کے نوٹ لینا اس معاملہ کو استقراض میں داخل کیا جاسکتا ہے، بڑے نوٹوں کا باہم مبادلہ یہ درحقیقت مال کا مال کا مبادلہ نہیں، بلکہ رسید کا رسید سے ہے، اسلئے جائز ہے۔(۱)

---

(۱) احسن الفتاوی، لدھیانوی(مفتی رشید احمد صاحب) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک، طبع اول ۱۴۱۵ھج (۸۲/۷، ۹۲)

اس میں ملکی کرنسی سے متعلق درج ذیل چار صورتیں آگئیں:

(۱) ایک روپے کے نوٹوں کے بطور بیع باہمی مبادلہ، یہ تماثل اور تقابض کے ساتھ جائز ہے۔

(۲) ان کی بیع نساء اجائز نہیں، البتہ قرضاً درست ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ زید عمرو کو آج ایک ایک روپے کے سو نوٹ بطور قرض دیدے، اور ماہ بعد عمرو پھر واپس کرے۔

(۳) ۱۰۰ کا نوٹ مثلاً ایک ایک روپے کے ۱۰۰ نوٹ، اسکی بیع درست نہیں، لھذا اس میں قرض کا حیلہ کیا جائے گا، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

(۴) ۱۰۰ روپے کا نوٹ = ۱۰۰ روپے کے نوٹ کے ساتھ تبادلہ بطور بیع درست ہے۔

مناقشہ:

حضرت مفتی صاحب مرحوم کا کرنسی نوٹوں سے متعلق مذکورہ موقف درست نہیں، کیونکہ یہ کہنا کہ ملک میں ایک روپے کے جتنے نوٹ ہوتے ہیں اس کی بقدر بڑے نوٹ بطور دستاویز جاری ہوتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ تحقیق کرنے سے نیز مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ملک میں بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں کے مقابلہ کئی گنا زیادہ گردش میں ہوتے ہیں، لھذا اس موقف کی اصل بنیاد ہی درست نہ رہی۔

نیز شروع باب سوم میں ہم نے چوتھے موقف کو راجح قرار دینے کے جو دلائل اور قرائن ذکر کئے ہیں، ان سے بھی اس موقف کا کمزور ہونا ثابت ہو رہا ہے، اور جب کرنسی نوٹ سے متعلق اصل نظریہ ہی باطل ہوگیا، تو اس پر جو تفریعات مبنی ہیں، وہ درست نہ ہوں گی۔

نیز بڑے نوٹ کو بڑے نوٹ کے بدلہ میں فروخت کرنے جائز قرار دینا جیسا کہ اوپر ذکر کردہ چوتھی صورت میں ہے، یہ بالکل درست نہیں، کیونکہ یہ بیع الکالئی بالکالئی ہے، وجہ بالکل ظاہر ہے، اسلئے کہ بڑا نوٹ جب مال نہیں، بلکہ مال کی رسید ہے، اور رسید پر قبضہ مال پر قبضہ نہیں، تو یہاں اس معاملہ میں ایک جانب سے بھی قبضہ نہیں پایا گیا، تو اس صورت کو بیع کی بنیاد پر کس طرح جائز کہیں گے؟ حالانکہ علماء ہند نے جب کرنسی نوٹوں کو سند دین کہا، تو بیع کے طور پر ان کے مبادلہ کو ناجائز کہا، البتہ حوالہ کی تاویل کی، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی، اسی طرح یہاں بھی ہونا چاہیئے تھا، بہرحال یہ موقف اور اس پر مبنی تفریعات قوی نہیں۔

ملکی کرنسی کے بطور بیع تبادلہ میں ''تقابض'' کا مسئلہ:

یہ مسئلہ نہایت اہم ہے، جو مفتی صاحب مرحومؒ نے بیان فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ذکر کی ہے کہ فلوس یا کرنسی نوٹ کا تبادلہ بطور بیع، بیع صرف نہیں، بیع صرف نہ ہونے کا تقاضہ یہ تھا کہ اس میں تقابض شرط نہ ہو، کیونکہ تقابض صرف کی خصوصیات میں سے ہے لیکن اس کے باوجود صحیح اور قوی کے مطابق اس میں تقابض شرط ہے، جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی ملکی کرنسیوں میں تبادلہ میں پہلے تقابض کے عدمِ اشتراط کے قائل تھے، کہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، دونوں طرف سے تقابض ضروری نہیں، لیکن انہوں نے مفتی رشید احمد صاحب مرحومؒ کا مضمون پڑھ کر اپنے سابقہ موقف سے رجوع فرمایا، اور صرف ملکی کرنسی کے تبادلہ میں ان کے ہاں بھی تقابض ضروری ہے، چنانچہ دونوں حضرات کی عبارات ذیل میں ملاحظہ ہوں:

مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ''بيع الفلوس بالفلوس بالتساوى : اس میں بالاتفاق تقابض فی المجلس شرط ہے، مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالی میں ایک قول یہ بھی ہے کہ کہ صرف تعیین البدلین بلا تقابض بھی کافی ہے، یعنی تعیین وتقابض میں کسی کا وجود شرط ہے۔
>
> قال الامام الكاساني رحمه الله تعالى : تبايعافلسا بيعنه بفلس بعينه فالفلسان لايتعينا ن وان عينا الا ان القبض فى المجلس شرط حتى يبطل بترك التقابض فى المجلس لكونه افتراقا عن دين بدين ولوقبض احد البدلين فى المجلس فافترقا قبل قبض الاخر وذكر الكرخى انه لايبطل العقد لان اشتراط القبض من الجانبين من خصائص الصرف وهذا ليس بصرف فيكتفى فى بالقبض من احد الجانبين لان به يخرج به عن كونه افتراقا عن دين بدين ، وذكر فى بعض شروح مختصر الطحاوى رحمه

الله تعالى : انه يبطل لا لكونه صرف بل لتمكن ربا النساء فى فيه لوجود احد وصفى علة ربا الفضل وهو الجنس وهو الصحيح (بدائع ص۲۳۷/۵)

وقال الامام الطحاوى رحمه الله تعالى: ولابد من التعيين فى بيع الفلوس بمثلها لاتحاد الجنس كما مر فى بيع الفلس بالفلسين (حاشية الطحطاوى على الدر ۱۱۰/۳)

مذکورہ نصوص مذہب و دیگر بے شمار تصریحات ائمہ فقہ رحمھم اللہ تعالیٰ کے مطابق بیع بالجنس میں ایک جانب کا عدم تعیین ہی نساء ہے جو حرام ہے، حرمت تفاضل و جواز نساء کی کوئی نظیر نہیں ملتی، بلکہ یہ نصوص فقہ کے سراسر خلاف ہے۔"(۱)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے "احسن الفتاوی" جلد ۷ص ۸۷ پر اس مسئلہ پر جو بحث فرمائی ہے، اسکا خلاصہ یہ ہے کہ اس صورت میں صحت عقد کے لئے احد البدلین پر قبضہ کافی نہیں، بلکہ جانبین سے تقابض ضروری ہے۔

حضرت مدظلہم کے دلائل پر غور کرنے کے بعد اب احقر بھی حضرت کی بات کو راجح سمجھتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ "بیع الفلوس بالفلوس التساوی" کی صورت میں فقہاء حنفیہ کی تصریحات میں اختلاف ہے، میں پہلے جو حکم لکھا تھا، وہ تنویر الابصار، الدر المختار اور علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق لکھا تھا، اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے

---

(۱) احسن الفتاوی (۸۷/۷)

ارشاد کا مبنی "بدائع الصنائع" میں علامہ کاسانیؒ کی عبارت ہے۔(یہ عبارت اوپر ذکر ہوئی)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جانبین سے قبضہ ضروری ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ بیع صرف ہے، بلکہ وجہ یہ ہے کہ جنس ایک ہونے کی بنا پر اس میں نسیئہ جائز نہیں، اگرچہ جن حضرات نے احد البدلین پر قبضہ کو کافی سمجھا ہے، انہوں نے غالباً ''اجل'' کی تعین کے بغیر قبضہ کے صرف مؤخر ہونے کو نسیئہ میں داخل نہیں کیا، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح القدیر'' ج ۵ ص ۲۸۸ میں اسی بناء پر اس کو نسیئہ ماننے سے انکار کیا ہے، اور چونکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نقل کیا ہے، اور اگر یہ نقل درست ہے، تو اس قول کو بھی باطل تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بڑی وزنی ہے، اور وہ یہ کہ نسیئہ سے بچنے کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو عوضین پر مجلس ہی میں قبضہ ہو جائے، یا کم از کم عوض مؤخر کی تعیین کی جائے، چونکہ راجح قول کی بناء پر فلوس میں تعیین ممکن نہیں، اس لئے قبضہ ہی متعین ہے۔

یہ دلیل چونکہ نہایت قوی ہے، اس لئے احقر" بیع الفلوس بالفلوس بالتساوی" کے سلسلہ میں اپنے سابقہ فتوے سے رجوع کرتا ہے۔الخ''(۱)

واضح رہے کہ مفتی رشید احمد صاحب مرحوم اور جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی ان عبارات کا تعلق فلوس میں تقابض سے ہے، لیکن چونکہ کرنسی نوٹ ان کے نزدیک فلوس ہی کے حکم میں ہے، اس لئے جو تفصیل فلوس میں ہوگی، وہی تفصیل کرنسی نوٹ کے تبادلہ میں بھی ہوگی، لھذا ملکی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ جب بطور بیع ہو، تو یہ اگرچہ بیع صرف نہیں، لیکن جنس متحد ہونے کی وجہ اس میں تقابض شرط ہوگا۔

(۱) البلاغ شمارہ جمادی الاولی ۱۴۲۲ھ دار العلوم کراچی ۱۴

ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض:

پچھلی بحث میں یہ بات ذکر ہوئی کہ اگر ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع ہو، تو اس میں راجح قول کے مطابق نہ تفاضل جائز ہے، اور نہ نساء، لیکن کبھی کبھی نساء کی ضرورت پڑتی ہے، لھذا اس کے لئے استقراض کا طریقہ اختیار کیا گیا، استقراض کی صورت میں نساء حرام نہیں، کیونکہ استقراض بغیر نساء کے ممکن ہی نہیں، البتہ تفاضل یہاں بھی حرام ہوگا، کیونکہ تفاضل یہاں ربا النسیئہ میں داخل ہے، جو حدیث مشہور "کل قرض جر منفعة فهو ربا" کی رو سے ناجائز اور بالکل حرام ہے، اس حدیث کی تخریج اور تشریح باب دوم میں گزر چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک ملکی کرنسی نوٹوں کی بیع درست نہیں، ان کے نزدیک بھی ان نوٹوں میں استقراض کا طریقہ درست ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

اور قرض یا استقراض کی شکل یہ ہوگی، کہ مثلاً زید کو آج اپنی کسی شخصی یا تجارتی ضرورت کے لئے ایک لاکھ روپے پاکستانی کی ضرورت ہے، تو وہ عمرو کے پاس جاتا ہے، اور اس سے بطور قرض یہ روپیہ حاصل کرتا ہے، اور ایک ماہ کی مدت مقرر ہوتی ہے، تو یہ معاملہ درست ہے، البتہ ایک ماہ بعد زید ایک لاکھ روپے ہی واپس کریگا، اس میں ایک روپیہ کا اضافہ بھی حرام ہے، اور سخت گناہ ہے، یہ تبادلہ ہے ایک لاکھ پاکستانی روپیہ کا ایک لاکھ پاکستانی روپیہ کے ساتھ جو نساء کے ساتھ ہے، اس میں نساء جائز ہے، کیونکہ یہ تبادلہ بطور بیع نہیں، بلکہ بطور قرض اور استقراض ہے۔

ایک ملک کی کرنسی میں ہنڈی کا حکم:

اس تفصیل سے یہ مسئلہ معلوم ہوگیا کہ ایک ہی ملک کی کرنسی میں ہنڈی بطور بیع درست نہیں، کیونکہ بیع میں تقابض کا ہونا ضروری ہے، اور ہنڈی میں تقابض کا تصور نہیں، بلکہ اس میں ایک جانب سے قبضہ پایا جاتا ہے، البتہ بصورتِ قرض جائز ہے۔

مثلاً زید اور عمرو دونوں سعودی عرب میں ہے، زید عمرو کو پانچ سو ریال دیتا ہے، اور اس سے کہتا ہے کہ یہ پانچ سو روپے میں آپ کو بطور قرض دیتا ہوں، لیکن اس کی ادائیگی پاکستان میں میرے والد صاحب کو کرنا، چنانچہ یہ پانچ سو ریال عمرو کے ذمہ زید کا قرضہ ہوگیا، اب عمرو ان کو اپنی ضرورت میں استعمال کرسکتا ہے، اور

ان کی جگہ دوسرے پانچ سو ریال پاکستان میں زید کے والد کو ادا کر سکتا ہے، اور اگر عمرو کا اس پر کچھ خرچہ آتا ہے، تو معروف طریقہ سے وہ زید سے لے سکتا ہے، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ قانوناً اس کی ممانعت نہ ہو۔

منی آرڈر کا حکم:

جب کوئی شخص دوسری جگہ پیسہ بھیجتا ہے، تو ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ ڈاکخانہ جاتا ہے، ڈاکخانہ سے ایک روپیہ میں منی آرڈر فارم حاصل کرتا ہے، اسکی خانہ پری کرتا ہے، اور پھر مطلوبہ رقم کے ساتھ ڈاک خانہ والوں کے حوالہ کرتا ہے، ڈاکخانہ والے یہ فارم اور رقم وصول کر کے مقدار رقم کے تناسب سے رقم بھیجنے والے سے کچھ فیس وصول کرتا ہے، اور اس کو توثیق کے لئے ایک رسید کاٹ کر دیتے ہیں، پھر ڈاکخانہ والے اپنے مخصوص طریقہ سے یہ رقم مطلوبہ شخص تک پہنچاتے ہیں، اور پہنچانے کے بعد اس کا ایک چٹ مُرسِل کے پاس آجاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ رقم بخیریت منزل تک پہنچ گئی، اور اگر یہ رقم راستہ میں تلف ہوگئی، تو اہل ڈاکخانہ اس کے ضامن ہوتے ہیں، جو رسید ڈاکخانہ نے آپ کو رقم جمع کراتے وقت دی تھی، وہ رسید درحقیقت ضمانت نامہ ہے، یہ منی آرڈر کے طریقہ کار کا خلاصہ ہے۔

اب فقہی لحاظ سے جو رقم آپ نے ڈاکخانہ والے کے ہاتھ میں دی ہے یہ قرض ہے یا امانت ہے؟ قرض کی صورت میں بعینہ یہی رقم پہنچانا ضروری نہیں، بلکہ اس کے برابر دوسری رقم پہنچانا بھی جائز ہے، اس صورت میں مرسل مقرض ہوگا، اور ڈاکخانہ مستقرض ہوگا، اور اگر یہ امانت ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرسل مستاجر ہے اور ڈاکخانہ اجیر، اور اجیر کے ہاتھ میں رقم بحکم امانت ہوتی ہے، اور امانات میں نقد متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے، لھذا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ رقم بعینہ مُرسَل الیہ تک پہنچ جائے، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ رقم بعینہ مرسل الیہ کو نہیں دی جاتی، اجارہ کی صورت میں دوسرا اشکال یہ ہے کہ اجیر امین ہوتا ہے، اور جو رقم اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ امانت ہے، لھذا اگر امین کی طرف سے کسی غفلت (Negligence) کے بغیر وہ رقم تلف ہو جائے یا ضائع ہو جائے، تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس کا ضمان اجیر پر نہیں ہوگا، حالانکہ یہاں ڈاکخانہ ضامن ہے، ان وجوہات کی بناء پر منی آرڈر کے معاملہ کو "اجارہ" کہنا مشکل ہے، گو دوسرا اشکال زیادہ وزنی نہیں، کیونکہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اجیر ضامن ہوتا ہے، لیکن چونکہ پہلا اشکال زیادہ قوی ہے، اس لئے اس معاملہ کو اجارہ نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ معاملہ قرض ہی ہے، لیکن قرض کی صورت میں بھی اس پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں:

۱............ڈاکخانہ والے جو فیس لیتے ہیں، وہ بھی بظاہر جزوِ قرض ہے، اور مرسل الیہ کو دیتے وقت اس فیس کے بغیر رقم دی جاتی ہے، تو گویا کہ قرض دیا زیادہ تھا، اور وصول کم ہوا، تو قرض میں کمی بیشی لازم آئی، جو ناجائز اور حرام ہے۔

۲............یہ معاملہ "سُفتجہ" میں داخل ہے، کیونکہ اس میں "سقوطِ خطرِ طریق" ہے، اور سفتجہ "كل قرض جر منفعة فهو ربا" کے بموجب جائز نہیں۔

چنانچہ امداد الفتاوی میں اس اشکال کو اسطرح بیان فرمایا ہے:

الجواب: قاعدہ کلیہ ہے الاقراض تقضی بامثالھا، اور منصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربا ہے، اب سمجھنا چاہیئے کہ منی آرڈر کا روپیہ جو ڈاک خانہ میں جمع کیا جاتا ہے، آیا وہ امانت ہے، اور اہل ڈاک اجیر، یا قرض ہے، اور اہل ڈاک مستقرض، سو چونکہ یقیناً معلوم ہے کہ وہ روپیہ بعینہ نہیں بھیجا جاتا، اور نیز قانون ہے کہ اگر ڈاک خانہ سے وہ روپیہ اتفاقاً ضائع ہو جائے، تو اہل ڈاک اس کا ضمان دیتے ہیں، ان دونوں امر سے معلوم ہوا کہ وہ امانت نہیں، بلکہ قرض ہے، جو دوسری جگہ ادا کیا جاتا ہے، پس فیس بھی جزوِ قرض ہوا، اور مقام وصول پر چونکہ بوضع فیس ادا کیا جاتا ہے، اس لئے قرض میں کمی بیشی لازم آئی، یہ وجہ اس کے ممنوع ہونے کی ہے، بلکہ اگر یہ فیس نہ بھی ہو، تب بھی حسب قاعدہ کلیہ کل قرض جر نفعاً فھو ربا، بوجہ منفعت سقوط خطر طریق کے داخل سفتجہ ہو کر، مکروہ ہے الخ"(۱)

ان اشکالات کا حل یہ ہے کہ:

۱............ڈاکخانہ والے جو فیس لیتے ہیں، وہ جزوِ قرض نہیں، بلکہ حق الخدمت (Service charges) کے طور پر ہے، یعنی رجسٹر میں لکھنے، رسید کاٹنے، اور فارم بھیجنے وغیرہ کی اجرت ہے۔

---

(۱) امداد الفتاوی ۳/۱۴۳)

۲..........اس اشکال کے دو جواب دیئے جاسکتے ہیں:

الف: یہ معاملہ سفتجہ نہیں، سفتجہ کی حقیقت ''سقوط خطر طریق'' ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور منی آرڈر سے مقصود سقوط خطر طریق نہیں، بلکہ اصل مقصود پیسہ پہنچانا ہوتا ہے، جیسے ''ایصال'' کہتے ہیں، اور ایصال پر رقم لینا جائز ہے۔

احسن الفتاوی میں اس کو اس طرح سمجھایا ہے:

بندہ کے خیال میں جب قرض سے اسقاط خطر طریق مقصود نہ ہو، بلکہ صرف دوسرے مقام تک ایصال مقصود ہو، تو یہ سفتجہ مکروہہ میں داخل نہیں، اگر چہ یہ سقوط خطر طریق کو مستلزم ہے، مگر مقصود اور لازم میں فرق ہے، چنانچہ مقامی قرض میں بھی حفظ مال کا نفع لازم ہے، معھذا اس کو کل قرض جر نفعا فھو ربا میں داخل کر کے حرام نہیں قرار دیا جاتا، (الی قولہ:)

بندہ کے خیال مذکور کی تائید شرح وقایہ کے حاشیہ تکملۃ عمدۃ الرعایہ'' کتاب الحوالہ میں مولانا فتح محمد صاحب تائب رحمہ اللہ تعالی کی تحقیق سے بھی ہوتی ہے، محشی موصوف نے اس مقام پر منی آرڈر اور ہنڈی کی دیگر اقسام کی تفصیل اور ان کے احکام بیان فرمائے ہیں،

ونصہ:

ویجب ان یعلم ان التی فی زماننا المسماۃ فی لساننا (بھندی منی آرڈر) لیس من ھذا ولا لہ حکم حکم السفاتج، لان السفاتج کانت لسقوط خطر الطریق وذا للوصول، فان قلت: علۃ الکراھۃ ھی النفع سواء کان لسقوط الخطر او للوصول، قلت: بلی ولکن الخطر مما لایجوز الکفالۃ بہ ولااجرعلیہ، لانہ لیس فی وسع الانسان الا دفع اللصوص والحفظ انما بفضل اللہ تعالی

واما الایصال تحل الاجرة علیه ویمکن العهدة علیه فلایلزم من النهی عن نفع سقوط الخطر کراهة اجرة الایصال الخ (۱)

اس عربی عبارت کا حاصل وہی ہے، جو مفتی صاحب مرحوم نے بیان فرمایا، البتہ اس میں ایک اشکال کیا ہے، اور پھر اس کا جواب دیا ہے، اور اشکال اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مقصود سقوط خطر طریق ہو، یا ایصال، دونوں صورتوں میں قرض دہندہ کو نفع حاصل ہورہا ہے، جو مذکورہ حدیث کی بناء پر ممنوع ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ سقوط خطر طریق کفالت کے معنی میں ہے، اور اس کی کفالت جائز نہیں، کیونکہ یہ اختیاری چیز نہیں ہے، اور نہ کفالت پر شرعا اجرت لینا جائز ہے، بخلاف ایصال کے کہ اس کی کفالت بھی درست ہے، کیونکہ یہ اختیاری چیز ہے، اور اس پر اجرت بھی درست ہے، لھذا سقوط خطر طریق کی ممانعت سے ایصال کی ممانعت لازم نہیں آتی۔

ب: اور اگر اس کو سفتجہ میں داخل بھی کیا جائے، تو عموم بلوی اور ضرور شدیدہ کی بناء پر یہاں بعض دوسرے اقوال کے مطابق فتوی دیا جاسکتا ہے، کیونکہ بعض حضرات سفتجہ کے جواز کے قائل ہیں، جیسے کہ اگلی بحث سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہوجائے گی

امدادالفتاوی میں ہے:

حتی کہ اگر یہ بھی نقل صحیح سے معلوم ہوجائے کہ سفتجہ کے جواز کی طرف ائمہ اربع میں سے کوئی امام گئے ہیں، تب بھی بضرورت اس پر عمل کرنے کو جائز کہا جاوے گا الخ'' (۲)

اور احسن الفتاوی میں مذکور ہے:

''بالفرض اس کا سفتجہ ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے، تو امام احمد رحمہ اللہ تعالی کے یہاں سفتجہ جائز ہے، ابتلاء عام واحوائج شدیدہ کے پیش نظر عمل

---

(۱) احسن الفتاوی (۱۰۷/۷، ۱۰۸)

(۲) امداد الفتاوی (۱۴۵/۳)

بمذہب غیر کی گنجائش ہے''۔(۱)

خلاصہ یہ کہ منی آرڈر کا معاملہ جائز ہے، اور اسکے ذریعہ پیسہ پہنچانا درست ہے، اور ڈاکخانہ والوں کا اس پر فیس وصول کرنا صحیح ہے، اور یہی حکم بنک ڈرافٹ کا بھی ہے۔

سُفتجہ کی حقیقت :

منی آرڈر کی بحث میں چونکہ سفتجہ کا ذکر آیا، نیز آگے بھی کئی مباحث میں اس کا دخل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ سفتجہ کی پوری حقیقت اور اس کا شرعی حکم کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، لھذا ہم یہاں سفتجہ سے متعلق چار مباحث ذکر کرتے ہیں:

۱............سفتجہ کے لغوی معنی

۲............سفتجہ کے اصطلاحی معنی

۳............سفتجہ کی فقہی حیثیت

۴............سفتجہ کا شرعی حکم اور اقوالِ فقہاء

سفتجہ کے لغوی معنی:

سُفتُجہ فارسی لفظ ہے، سین پر ضمہ ہے، اور فاء ساکن، یہ سُفتہ سے عربی بنایا گیا ہے، نیز سین کے زبر کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے، یعنی سَفتجہ، اس صورت میں یہ ''سَفتہ'' سے ہوگا۔

سفتہ یا سفتجہ کے معنی ''اِحکام'' کے ہیں، یعنی مضبوط کرنا، لھذا سفتجہ کے لغوی معنی مضبوط کرنے ہو گئے۔(۲)

سفتجہ کے اصطلاحی معنی:

سفتجہ کے اصطلاحی معنی کا حاصل ہے کہ یہ ایک مالی معاملہ ہے، جس میں مثلاً زید عمرو کو کسی شہر میں

---

(۱) احسن الفتاوی (۷/۱۰۹)

(۲) ردالمحتار (۸/۱۸ کتاب الحوالہ)

''واحدة السفاتج ، فارسی معرب ، اصله سفته وهو الشئی المحکم ، سمی هذا القرض به لاحکام امره کما فی الفتح وغیره .''

قرضہ دیتا ہے، اور یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عمرو یا اس کا نائب یہ قرضہ زید یا اس کے نائب کو فلاں شہر یا فلاں جگہ میں واپس کریگا، اس کی جمع ''سفاتج'' ہے۔(۱)

سفتجہ کی شرعی حیثیت اور فقہی تکییف:

فقہاء کرام مسئلہ ''سفتجہ'' کو دو جگہ بیان فرماتے ہیں، بعض حضرات فقہاء کرام اس کو باب القرض میں ذکر کرتے ہیں، اور بعض حضرات نے باب الحوالہ میں اس کو ذکر کیا ہے:

۱.........جمہور علماء کے نزدیک یہ قرض کا معاملہ ہے۔

۲.........بعض نے اس کو حوالہ قرار دیا ہے۔

۳.........بعض نے اس کو اجارہ قرار دیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قرض ہی کا معاملہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور جمہور علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

سفتجہ کا شرعی حکم:

''سفتجہ'' کے شرعی حکم میں علماء کرام اور فقہاء امت کا اختلاف ہے، ایک فریق اس کو مکروہ یا ناجائز کہتا ہے، اس فریق میں تابعین میں سے امام ابن سیرین، امام قتادہ، امام شعبی، امام ابراہیم نخعی، اور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور بعض تفصیلات کے ساتھ حضرت امام مالک رحمھم اللہ تعالی

---

(۱) حوالہ سابقہ (۱۸/۸)

''وصورتها ان يدفع الى تاجر مالا قرضا ليدفعه الى صديقه وانما يدفعه قرضا لاامانة ليستفيد به سقوط خطر الطريق، وقيل: هى ان يقرض انسانا ليقضيه المستقرض فى بلد يريده المقرض، ليستفيد به سقوط خطر الطريق كفايه''

______. تهذيب الاسماء واللغات، للنووى (امام ابو زكريا محى الدين بن شرف النووى المتوفى ۶۷۶هج، دمشق، ادارة الطباعة المنيرية (۲/۱۴۹)

______ تحرير التنبيه، النووى، بيروت، دارالقلم، طبع اول ۱۴۰۸هج (ص ۱۹۳)

''بفتح السين المهملة والتاء المثناة فوق بينهما فاء ساكنة والجيم، هى كتاب لصاحب المال الى وكيله فى بلد آخر ليدفع اليه بدله وفائدته السلامة من خطر الطريق ومئونة الحمل.''

شامل ہیں۔(۱)

دوسرا فریق اس کو جائز کہتا ہے، اس فریق میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ابن عباس، ابن الزبیر، حضرت علی، حضرت حسن بن علی، تابعین میں سے عبدالرحمٰن بن اسود، ایوب، امام ثوری اور امام اسحاق اور ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل، اسی طرح دیگر علماء میں سے علامہ ابن قدامہ، ابویعلی، امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم رحمھم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

فریق اول کے دلائل کا خلاصہ:

جو حضرات سفتجہ کو مکروہ یا ناجائز کہتے ہیں، ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱.......... سفتجہ سے مقصود سقوط خطر طریق ہوتا ہے، یہ ایک منفعت ہے، جو قرض دہندہ کو اپنے دئے قرض کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، جس احادیث مبارکہ میں صریح ممانعت آئی ہے، مشہور حدیث ہے:

"کل قرض جر منفعة فھو ربا"

یہ حدیث اس مقالہ میں متعدد مقامات پر گزری ہے، اور باب دوم میں اس کی مکمل تشریح اور تخریج ذکر چکی ہے۔

---

(۱) مصنف عبد الرزاق، الصنعانی (حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھج، جنوبی افریقه، المجلس العلمی، طبع اول ۱۳۹۲ھج (۱۴۰/۸)

______ الفتاوی الهندية (العالمگيرية) (۲۹۴/۳)

"وكره السفاتج وهو قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق وقد نهى رسول ﷺ عن قرض جر نفعا"

______ الهداية مع الفتح (۳۵۵/۶)

"ويكره السفاتج وهي قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق الخ"

______ الخرشی (۲۳۱/۵)

______ الشرح الصغير للدردير (۲۹۵/۳)

______ المهذب، الشيرازی (امام ابو اسحاق شيرازی) مصر، (۳۰۴/۱)

______ مغنی المحتاج، الخطيب، (شيخ محمد الشربينی الخطيب) بيروت، داراحياء التراث العربی (۱۱۹/۲)

۲..........صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہر ایسے قرض کو ناپسند کرتے تھے، جس کی وجہ سے کوئی منفعت حاصل ہو، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن عطاء قال: کانوا یکرھون کل قرض جر منفعة

''حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ہر اس قرض کو مکروہ سمجھتے تھے، جو کوئی منفعت لے کر آئے۔''(۱)

۳..........عقدِ قرض احسان اور تبرع پر مبنی ہوتا ہے، لھذا جب اس میں سفتجہ کی شرط لگائی جائے، تو عقدِ قرض اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائے گا، جو درست نہیں۔

سفتجہ کی ممانعت کی علت:

اس سلسلہ میں تین باتیں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) جر منفعت، جو مشہور علت ہے۔

(۲) کلفتِ (مشقت) قرض سے بچاؤ: بعض حضرات نے سفتجہ کی کراہت کا مدار اس بات پر رکھا ہے کہ قرض کے طور پر دینے والی چیز اگر کلفت والی ہو، اور اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں مشقت ہو، اور یہ چیز سفتجہ کی شرط کے ساتھ کسی کو قرض کے طور دی جائے، تو یہ ناجائز ہے، ورنہ جائز ہے۔(۲)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه ، العبسی (حافظ ابوبکر عبدالله بن محمد بن ابی شیبه المتوفی ۲۳۵ھج ، کراچی ، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية ، طبع اول ۱۴۰۶ھج (۱۸۰/۶)

(۲) الکافی ، ابن قدامه المقدسی ، بیروت ، المکتب الاسلامی ، طبع سوم ۱۴۰۲ھج (۱۲۵/۲)

وان شرط ان یوفیه فی بلد آخر ویکتب فیه سفتجة الی بلد فی حمله الیه نفع لم یجز لذلک ، فان لم یکن لحمله مؤنة فعنه الجواز .

______ وقال ابن عبدالبر : ولایجوز ان یقترض الرجل شیئا له حمل ومؤنة فی بلد علی ان یعطیه ذلک فی بلد آخر فاما السفاتج بالدنانیر والدراهم فقد کره مالک العمل بها ولم یحرمها واجاز ذلک طائفة من اصحابه الخ (احکام الاوراق النقدية للجعید ص ۳۴۱ بحواله الکافی ۴۲۹،۴۲۸/۲)

(۳) حضرت امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کی علت "تغیر ثمن" ہے، یعنی عام طور جس شہر میں ادائیگی قرض کی شرط لگائی جاتی ہے، وہاں قیمت دوسری ہوتی ہے، جس سے قرض میں کمی بیشی لازم آجائے گی، جو ناجائز ہے۔(۱)

استثناءات:

جو حضرات سفاتج کو ناجائز یا مکروہ کہتے ہیں، ان کے ہاں اس حکم سے دو صورتیں مستثنی ہیں:

(۱) قرض کا معاملہ پہلے ہو، اور سفتجہ بعد میں لکھا جائے، یہ جائز ہے، کیونکہ یہاں منفعت مشروط نہیں، بلکہ یہ محض احسان وتبرع ہے، اور مذکورہ حدیث کی تشریح میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہاں منفعت سے وہ منفعت مراد ہے جو مشروط یا معروف ہو، مشروط یا معروف نہ ہونے کی صورت میں یہ محض تبرع اور احسان سمجھا جائے گا، یہ حضرات ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سفتجہ کا جو جواز منقول ہے، اس کی یہی تاویل کرتے ہیں۔(۲)

(۲) جہاں کہیں خوف عام ہو جائے، تو وہاں سفتجہ کی گنجائش ہے۔(۳)

آج کل ہمارے یہاں یہی صورتحال ہے، اس لئے ضرورت کے مقام پر مالکیہ اور حنابلہ مذہب کے مطابق عمل کی گنجائش ہے، جیسا کہ منی آرڈر کی بحث میں تفصیل گزر گئی۔

---

(۱) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجعید (ص ۳۴۱)

(۲) الفتاوی العالمگیریه (۲۹۴/۳)

فان لم تکن المنفعة مشروطة ولا کان فیه عرف ظاهر فلابأس به کذا فی الکافی، فی کتاب الحواله"

ـــــــ بدائع الصنائع (۳۹۵/۷)

ـــــــ الکافی لابن قدامه (۱۲۵/۲)

(۳) الخرشی للعلامة الخرشی المالکی، بیروت، دار صادر (۲۳۱/۵)

"الان یعم الخوف ای الان یغلب الخوف فی جمیع طرق المحل الذی یذهب الیه المقرض الخ"

فریق دوم کے دلائل:

۱............بعض صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ وغیرہ اس کو یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کو جائز کہتے تھے۔(۱)

۲............بعض تابعین مثلاً: ابن سیرینؒ وغیرہ اس کے یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کے جواز کے قائل تھے۔(۲)

۳............سفتجہ کے جائز ہونے کی سب سے اہم دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں نفع جانبین سے ہے، یعنی صرف مقروض کے ساتھ نفع خاص نہیں، بلکہ جسطرح مقرض کو نفع حاصل ہوتا ہے، اسی طرح مستقرض کو بھی نفع حاصل ہوتا ہے، مثلاً مستقرض اپنے شہر میں جہاں اس کا مال رکھا ہوا ہے، ادائیگی کرتا ہے، تو اس کو بھی خطرِ طریق کے سقوط کا فائدہ حاصل ہوا، جب نفع جانبین سے ہے، تو اس کو شریعت منع نہیں کرے گی۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

"والصحیح جوازه لانه مصلحة لهمامن غیر ضرر بواحد منهما والشرع لایرد بتحریم المصالح التی لا مضرة فیها بل بمشروعیتها ولان هذا لیس بمنصوص علی تحریمه ولافی معنی المنصوص فوجب ابقاء ه علی الاباحة."

"سفتجہ کا جواز ہی صحیح قول ہے، کیونکہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے، اور کسی جانب بھی کوئی نقصان نہیں، اور شریعت ان مصالح کو حرام نہیں کرتی، جن میں کوئی نقصان نہ ہو، بلکہ ان کو مشروع قرار دیتی ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کی حرمت نہ منصوص ہے، اور نہ منصوص کے معنی میں ہے، لھذا اس کو اباحت پر باقی رکھنا واجب ہے۔"(۳)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق (۱۴۰/۸)

(۲) المغنی لابن قدامه (بحواله احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجعید(ص ۳۴۳)

(۳) المغنی لابن قدامه (بحواله احکام الاوراق النقدیة (۳۴۲)

یہی بات علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی کی ہے:

"ولكن قديكون في القرض منفعة للمقرض كما في مسئلة السفتجة ولهذا كرهها من كرهها ، والصحيح انها لاتكره لان المقترض ينتفع بها ايضا ففيها منفعة لهما جميعا ."

"اور کبھی قرض میں مقرض کو منفعت حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ سفتجہ ہے، اس وجہ مکروہ قرار دینے والوں نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور صحیح یہی ہے کہ یہ مکروہ نہیں، کیونکہ اس میں مستقرض کا بھی نفع ہے، اس میں منفعت دونوں کو حاصل ہے۔"(۱)

اور علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

"وروى عنه (احمد) الجواز ، نقله ابن المنذر لانه مصلحة لهما فلم ينفرد المقرض ...والمنفعة التي تجر الى الربا في القرض هي التي تخص المقرض كسكنى دار المقترض وركوب دوابه واستعماله وقبول هديته فانه لا مصلحة له في ذلک بخلاف هذه المسائل فان المنفعة مشتركة بينهما وهما متعاونان عليهما فهي من جنس التعاون والمشاركة"

"اور امام احمدؒ سے اس کا جواز منقول ہے، جسکو ابن المنذرؒ نے نقل کیا ہے، کیونکہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے، صرف مقرض خاص نہیں، ۔۔۔اور قرض میں جو منفعت ربا کا سبب بنتی ہے، وہ منفعت ہے ، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص ہو، مثلاً مستقرض کے گھر میں رہنا،

---

(۱) مجموعة الفتاوى (۲۰/۵۱۵)

اسکی سواری پر سوار ہونا، اس کو استعمال کرنا، اس کا ھدیہ قبول کرنا، ان چیزوں میں مستقرض کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ صرف مستقرض کو منفعت حاصل ہے، لیکن ان مسائل میں، تو ان میں تو منفعت مشترک ہے، لھذا یہ تعاون اور مشارکت کے قبیل میں سے ہے۔"(۱)

فقہاء کرام کی ان تمام نصوص کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک "کل قرض جر منفعة فهو ربا" میں منفعت سے مراد وہ منفعت ہے، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص ہو، لیکن اگر منفعت مشترک ہو، تو اس صورت میں وہ اس حدیث کے تحت داخل نہیں۔

مناقشہ:

لیکن یہ بات اس حدیث کے ظاہر کے بالکل خلاف ہے، اور اگر اس مطلب کو صحیح قرار دیا جائے، تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر ایک تاجر کسی سے قرضہ لے اور اس پر کچھ اضافہ کی شرط بھی ہو، تو یہ صورت جائز ہونی چاہیئے، کیونکہ اس میں دونوں کی منفعت ہے، مال والے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو اپنے مال پر کچھ اضافہ مل جائے گا، اور تاجر کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اس کو تجارت میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرلے گا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، اس لئے کہ اس سے آج کل سارے پیداواری قرضوں پر سود لینا جائز ہو جائے گا، جیسا کہ بعض متجددین کا یہی خیال ہے، اس لئے یہ تشریح نہایت کمزور ہے، اور اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔

نیز صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے اس سلسلہ میں جو کچھ منقول ہے، اول تو یہ ضروری نہیں کہ اس سے مراد یہی سفتجہ ہو، اور اگر یہی سفتجہ بھی مراد ہو، تو ہوسکتا ہے کہ وہ غیر مشروط ہو، یا عمومِ خوف کی وجہ سے ہو، اس لئے اس سے مروجہ سفتجہ کے جواز پر استدلال کرنا زیادہ قوی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس سلسلہ میں راجح یہی ہے کہ عام حالات میں سفتجہ مکروہ اور ناجائز ہے، البتہ اگر سفتجہ مشروط یا معروف نہ ہو، یا سخت ضرورت ہو، تو اسکی گنجائش ہوسکتی ہے۔

---

(۱) شرح الحافظ ابن القیم علی سنن ابی داود مع عون المعبود، بیروت، دارالکتب العلمیة.

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت بیع:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں یہ بات ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہیں، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں سے ان کی ذات اور مادہ (Material) مقصود نہیں ہوتا، بلکہ کرنسی نوٹ آج کل قوت خرید کے ایک مخصوص معیار (Standard) سے عبارت ہے، اور ہر ملک نے اس سلسلہ میں الگ الگ معیار مقرر کئے ہیں، مثلا پاکستان میں روپیہ، سعودی عرب میں ریال، امریکہ میں ڈالر وغیرہ کا معیار الگ الگ ہے، جو ملکوں کے مختلف ہونے سے بدلتا رہتا ہے، ہر ملک کی کرنسی کی حیثیت کا تعین اس ملک کی قیمتوں کا اشاریہ (Index) اور اس کی درآمدات و برآمدات وغیرہ پر ہوتا ہے، اور درمیان میں ایسی کوئی مادی شئی موجود نہیں، جو ان معیارات کو جوڑ دے، اور ان میں کوئی پائیدار "تناسب" (Proportion) قائم رکھے، بلکہ ہر ملک کے اقتصادی حالات کے تغیر سے اس "تناسب" میں ہر روز بلکہ ہر گھڑی تغیر واقع ہوتا رہتا ہے، کرنسیوں کے اس اختلاف کی وجہ سے ہم ان کو ایک جنس نہیں کہہ سکتے، بلکہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہی ہیں، جہاں تک ایک ملک کی کرنسی کا تعلق ہے، تو اس میں یہ بات نہیں، ایک ملک کی کرنسیاں مقدار کے اعتبار سے اگرچہ مختلف ہوتی ہیں، مثلا دس روپے کا نوٹ اور سو روپے کا نوٹ، سو روپے کا نوٹ اور پانچ سو روپے کا نوٹ، پانچ سو روپے کا نوٹ اور ایک ہزار روپے کا نوٹ، مقدار میں اور قیمت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن اس کے باوجود ان میں ایک ایسا پائیدار "تناسب" موجود ہے، جو کسی حال تبدیل نہیں ہوتا، حالات خواہ کچھ بھی ہوں، یہ تناسب برقرار رہتا ہے، مثلا دس روپے پاکستانی سو روپے پاکستانی کا بہر حال دسواں ہے، (۱/۱۰) اور سو روپے پاکستانی پانچ سو روپے پاکستانی کا بہر حال پانچواں (۱/۵) ہے، اور پانچ سو روپے پاکستانی ایک ہزار روپے پاکستانی کا بہر حال آدھا (۱/۲) ہے، وغیرہ، اس لئے اس "وحدتِ نسبت" کی وجہ سے پاکستانی سکے اور کرنسی نوٹ جنس واحد ہیں، یہ "وحدت نسبت" پاکستانی روپے اور سعودی ریال یا سعودی ریال اور امریکی ڈالر میں نہیں پائی جاتی، یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پاکستانی روپے اور سعودی ریال میں بہر حال یہ فلاں نسبت ہے، اس لئے یہ دونوں مختلف جنس ہو گئے۔

جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہو گئیں، اور اشال متساویہ نہ رہیں، تو ان کی بیع بالاتفاق (ائمہ اربعہؒ) تفاضل کے ساتھ درست ہوگی، اور جنس مختلف ہونے اور بیع صرف نہ ہونے کی وجہ سے

ان میں نساء بھی جائز ہوگا، اور ادھار بیچنا بھی جائز ہوگا۔

حضرات حنفیہ:

حنفیہ کے ہاں ایک فلس کا دو فلسوں کے ساتھ تبادلہ اسلئے ناجائز تھا کہ وہ امثال متساویہ تھے، جس کی وجہ سے تبادلہ کے وقت ایک سکہ خالی عن العوض رہ جاتا، جو ربا ہے، لیکن مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہونے کی وجہ سے امثال متساویہ نہیں، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کے وقت کرنسی کے کسی حصہ کو خالی عن العوض نہیں کہا جاسکتا۔

حضرات مالکیہ:

ان کے نزدیک کرنسی اگرچہ اموال ربویہ میں سے ہے، لیکن جنس مختلف ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہوجاتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حضرات شافعیہ اور حنابلہ:

ان کے نزدیک ایک ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بھی تفاضل کے ساتھ جائز ہے، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ ان کے نزدیک بطریق اولی صحیح ہوگا۔(۱)

البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ:

(۱) مجلسِ عقد میں کم از کم ایک کرنسی پر قبضہ ہوجائے، تاکہ بیع الکالئی بالکالئی لازم نہ آئے، جو احادیث مبارکہ کی رو سے ناجائز ہے۔

(۲) نیز بوقت بیع فروخت کئے جانے والی کرنسی قبضہ میں ہو، تاکہ بیع قبل القبض لازم نہ آئے، جو احادث مبارکہ کی رو سے ناجائز ہے۔ لھذا بعض کرنسی مارکیٹوں میں کرنسیوں کی جو محض رسید کی بنیاد پر بیع در بیع ہوتی ہے، اور فرق برابر کیا جاتا ہے، یہ معاملہ درست نہیں۔

---

(۱) احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۲۲)

______ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۴۸)

______ احسن الفتاوی (فتوی بنوری ٹاؤن) (۹۸/۷)

______ البنک اللاربوی فی الاسلام (ص ۱۳۸)

______ جدید فقھی مباحث جلد چھارم

مختلف ممالک کی کرنسیوں میں ھنڈی کا حکم:

مختلف ممالک کی کرنسیاں جب مختلف الاجناس قرار پائیں، اور ان میں نساء اور ادھار معاملہ کرنا درست ہوا، تو اب ہنڈی کے فی نفسہ جواز میں کوئی شبہ نہیں رہا، مثلاً زید کو عمرو کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال بیچتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ تم اس کے بدلہ میں مجھے یا میرے عزیز کو پاکستان میں سولہ ہزار روپے دے دینا، یہ معاملہ فی نفسہ جائز ہے، البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ ریال پر اسی مجلس میں قبضہ ہوجائے، لیکن اگر قانونا اس کی اجازت نہ ہو، جیسا کہ ظاہر یہی ہے، تو اس صورت میں قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

چند شبہات اور ان کا ازالہ:

(۱) بعض لوگوں نے دو کرنسیوں کے باہمی تفاضلا ادھار تبادلہ کو سود کے زمرے میں داخل کر کے ناجائز کہا ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً: آج ڈالر کا ریٹ ساٹھ روپے ہے، اور اس حساب سے زید نے عمرو کو پچاس ڈالر ادھار بیچے، تو گویا کہ زید نے عمرو کو آج:

۵۰×۶۰=۳۰۰۰ روپے پاکستانی

دئے، اور عمرو ایک ماہ بعد ۶۲ روپے فی ڈالر کے حساب سے روپے ادا کر رہا ہے، تو عمرو زید کو ایک ماہ بعد گویا کہ:

۵۰×۶۲=۳۱۰۰ روپے پاکستانی

دے رہا ہے، جس میں ایک سو روپے کا اضافہ ہے، جو سود ہے، ا[illegible] جائز ہے۔(۱)

لیکن یہ اشکال قوی نہیں ہے، کیونکہ یہ اشکال ادھار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ نقد کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روپے اور ڈالر جب مختلف الاجناس قرار پائیں، تو اب اس میں تفاضل جائز ہے، خواہ نقد کی شکل میں ہو، یا ادھار کی شکل میں ہو، اور اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔

(۲) بعض علماء نے دو مختلف کرنسیوں کے باہمی تبادلہ کو بیع صرف قرار دیکر ناجائز قرار دیا، اور کہا کہ یہ بیع صرف ہے، لھذا اس میں تقابض ضروری ہوگا، اور ادھار معاملہ ان کا درست نہ ہوگا، چنانچہ

---

(۱) رسالہ بحث ونظر ص ۱۱۵، شمارہ اپریل، مئی، جون، ۱۹۹۰ء، اشکال از ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی

کتاب "المعايير الشرعية" میں مذکور ہے:

"تجوز المتاجرة في العملات شريطة مراعاة

الاحكام والضوابط الشرعية الآتية:

ا ....ان يتم التقابض قبل تفرق العاقدين سواء

اكان القبض حقيقيا ام حكميا"

"کرنسیوں میں درج ذیل شرائط اور شرعی اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے

تجارت درست ہے:

ا............عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے تقابض کا مکمل ہونا ضروری

ہے، خواہ قبض حقیقی ہو، یا حکمی ہو۔" (۱)

اور "تطور النقود" میں ہے:

واذا اختلف الجنسان كان يبيع الذهب بالفضة او

بالعملات الورقية المختلفة وجب الحلول والتقابض

وجاز التفاضل"

"اور جب دونوں جنس مختلف ہوں، مثلاً سونے کی بیع چاندی

کے ساتھ ہو، یا مختلف کاغذی کرنسیوں کا معاملہ ہو، تو اس میں حلول

(نقد ہونا)، اور تقابض ضروری ہے، البتہ تفاضل جائز ہے۔" (۲)

اس کا جواب گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ بیع صرف کے لئے ضروری ہے کہ دونوں جانب ثمن خلقی ہو، اگر دونوں جانب ثمن عرفی ہو، یا ایک جانب خلقی ہو، اور ایک جانب عُرفی ہو، تو اس کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا، اور اس میں تقابض ضروری نہ ہوگا، اور اس کا ادھار معاملہ بھی درست ہوگا، اگر ایک طرف ثمن خلقی ہو، اور دوسری طرف ثمن عرفی ہو، تو ایک جانب سے مجلس عقد میں قبضہ کافی ہے، تقابض ضروری

---

(۱) المعايير الشرعية ص۱۵، ۱۴۲۱ھج، هيئة المحاسبة والمراجعة، بحرين

(۲) تطور النقود في ضوء الشريعة الاسلامية (ص ۱۴۵)

نہیں، یہ بات کتبِ فقہ میں مصرح ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

"وفی شرح الطحاوی : لو اشتری مائة فلس بدرهم وقبض الفلوس او الدراهم ثم افترقا جاز البیع لانهما افترقا عن عین بدین ."

"اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلہ سو فلس خریدیں، اور فلوس یا دراہم پر قبضہ کرلیا، اور پھر دونوں الگ الگ ہوگئے، تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ اس میں دین کے بدلہ میں عین کا سودا کر کے جدا ہوگئے۔" (۱)

اس میں فلوس جو ثمن عرفی ہے، اور درہم جو ثمن خلقی ہے، دونوں کے تبادلہ کا معاملہ ہے، اور اس میں ایک جانب سے قبضہ کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے اس سلسلہ میں تین روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے راجح اور صحیح قول یہی ہے کہ ایک اس صورت میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے، تقابض ضروری نہیں:

"فصار الحاصل ان ما فی الاصل یفید اشتراطه من احد الجانبین وما فی الجامع اشتراطه منهما ."

"حاصل یہ ہوا کہ کتاب الاصل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، اور الجامع سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جانبوں سے قبضہ ضروری ہے۔" (۲)

اور بزازیہ سے نقل کرتے ہیں:

"سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسئیة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیة:

---

(۱) فتح القدیر (۲۷۸/۶)

(۲) ردالمحتار (۳۱۴/۷)

''علامہ حانوتیؒ سے فلوس کے بدلہ سونے کو ادھار فروخت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے، بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص سو فلس ایک درہم کے بدلہ خریدے، تو ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، فرمایا، اسی طرح اگر فلوس کے بدلہ چاندی یا سونے کو بیچا۔''

علامہ سرخسیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ فرمایا:

واذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع فالبيع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن كالنقود، وقد بينا ان حكم العقد فى الثمن وجوبها ووجودها معا ولايشترط قيامها فى ملك بائعها لصحة العقد كما لايشترط ذلك فى الدراهم والدنانير.

''جب ایک آدمی دراہم کے بدلہ میں فلوس خریدے، اور ثمن (دراہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز ہے، کیونکہ فلوس رائجہ نقود کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحتِ عقد کے لئے ضروری نہیں، جیسا کہ یہ دراہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔''(۱)

(۱) المبسوط للسرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دار المعرفۃ، طبع ۱۴۱۴ھج (۲۴/۴)

اور جب ایک جانب میں ثمن خلقی ہونے کے باوجود تقابض شرط نہیں، تو اگر کسی جانب بھی ثمن خلقی نہ ہو، بلکہ دونوں طرف کرنسی ہو، مثلاً پاکستانی روپیہ اور ڈالر، تو یہاں بطریقہ تقابض شرط نہ ہوگا۔

کرنسی کو سرکاری ریٹ سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا:

آج کل روزانہ کرنسیوں کی قیمت مقرر کی جاتی ہے، اور باقاعدہ پرائس لسٹ جاری ہوتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں حکومت کی مقرر کردہ قیمت کی مخالفت کرتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ کرنسیوں کا تبادلہ جائز ہے؟ مثلاً ڈالر کا سرکاری ریٹ ۶۰ روپے ہو، اور کوئی ڈالر ۵۸ یا ۶۲ میں فروخت کرے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ بذاتِ خود اس کی گنجائش ہے، کیونکہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس قرار دیکر ان میں تفاضل جائز قرار دیا گیا ہے، اور تفاضل کی کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں، اس لئے فی نفسہ اس معاملہ کو جائز کہا جائے گا، اور یہ معاملہ سودی نہیں ہوگا، لیکن درج ذیل وجوہات کی بناء پر اس سے احتراز لازم ہے:

۱.........یہ طریقہ کہیں حیلہ ربا نہ بنایا جائے۔

۲.........''تسعیر'' (حکومت کا نرخ مقرر کرنا) کی وجہ سے، جس طرح دیگر اشیاء میں بعض حالات میں تسعیر جائز ہے، اسی طرح کرنسی میں بھی تسعیر جائز ہوگی، اور تسعیر کے بعد لوگوں کے لئے اس کی مخالفت درست نہ ہوگی، اور اس کی دو وجوہات ہیں:

الف: مشہور قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہوں، ان میں حکومت کی اطاعت واجب ہے۔

ب: جو شخص جس ملک میں رہ رہا ہے، وہ قولاً یا عملاً اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک اس ملک کے قوانین کسی گناہ کرنے پر مجبور نہیں کریں گے، وہ ان قوانین کی ضرور پابندی کرے گا۔(۱)

---

(۱) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۴۰)

مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض:

جب ایک ہی ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورت قرض جائز ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر گئی، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورت قرض بطریق اولی درست ہوگا، مثلاً اگر زید آج عمرو سے ایک ماہ کے لئے سو ڈالر قرض لیتا ہے، اور ایک ماہ کے بعد زید عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے، تو یہ جائز ہے، اب ایک ماہ کے بعد زید جو عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: ایک صورت یہ ہے کہ شروع میں یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ زید عمرو کو ایک ماہ بعد ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دے گا۔

ب: دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے سے اس طرح کوئی معاہدہ نہیں، مقررہ تاریخ آنے پر دونوں کی باہمی رضامندی سے اس طرح کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور پہلی صورت بھی درست ہے، البتہ شرط فاسد ہوگی، کیونکہ قرض ان معاملات میں سے ہے، جو شرط فاسد کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتے، بلکہ شرط فاسد خود بخود فاسد ہو جاتی ہے، پہلی صورت میں جب شرط فاسد ہوگئی اور کالعدم ہوگئی، تو زید مقررہ تاریخ پر عمرو کو ڈالر بھی دے سکتا ہے، اور عمرو زید کو مقررہ تاریخ پر اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ حسبِ معاہدہ پاکستانی روپیہ ہی ادا کریگا۔

قرض کے اس معاملہ میں یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہوگا، (یعنی جس دن زید عمرو کو سو ڈالر کے بدلہ پاکستانی روپیہ ادا کرے گا، اس دن کے ریٹ کا اعتبار ہوگا)، اور زید کے لئے جائز نہ ہوگا، کہ وہ عمرو کو یوم الاداء کی قیمت سے کم یا زیادہ دے، مثلاً جس دن عمرو نے زید کو سو ڈالر دئے اس دن ڈالر کی قیمت ۶۰ روپے ہے، لیکن جس دن زید قرض ادا کرتا ہے، اس دن ڈالر کی قیمت ۶۲ روپے ہے، تو زید عمرو کو ۶۲ کے حساب سے پاکستانی روپے کی ادائیگی کرے گا، وجہ اسکی ہے کہ قروض کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ:

القروض تقضى بامثالها

یعنی "قرض کی مثل ادا کرنا ضروری ہے۔"

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اشاریہ (Indexation) کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لان القروض يجب في الشريعة الاسلامية ان تقضى بامثالها''

''شریعت اسلامیہ کی رو سے ضروری ہے کہ قرض کی مثل ادا کی جائے۔''(۱)

اس اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک ماہ بعد عمرو کو ایک سو ڈالر دیدے، کیونکہ اصل مثل تو ڈالر ہی ہے، لیکن جب اس کو ڈالر نہیں دیتا، تو اس دن سو ڈالر کے برابر پاکستانی روپے واپس کرے، اگر ۶۰ روپے کے حساب سے زید ادائیگی کرتا ہے، تو اس نے سو ڈالر نہیں ادا کئے، بلکہ کم ادا کردئے، جو کہ جائز نہیں۔

البتہ ۶۲ روپے فی ڈالر سے زیادہ لینا دینا جائز نہیں، ورنہ قرضہ پر اضافہ ہو جائے گا، اور ''مثلیت'' باقی نہیں رہے گی۔

خلاصہ یہ کہ زید کے ذمہ ایک ماہ کے بعد سو ڈالر دینے ہیں، سو ڈالر سے کم یا زیادہ دینا جائز نہیں، ورنہ ''مثلیت'' باقی نہیں رہے گی، اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۰ کے حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو ۶۰ کے حساب سے جتنے پاکستانی روپے ہیں، ان میں سو ڈالر نہیں آسکتے، تو اس صورت میں کمی واقع ہوگئی، اور اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۴ کے حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو اس حساب سے سو ڈالر سے زیادہ آئیں گے، دونوں صورتوں میں ''مثلیت'' جو مطلوب ہے، باقی نہیں رہتی۔

اس سلسلہ میں قرض اور بیع میں فرق ہے، بیع میں کمی بیشی فی نفسہ جائز ہے، وہ الگ بات ہے کہ دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ بھی ناجائز ہے، لیکن اس کو بہرحال سودی معاملہ نہیں کہا جائے گا، لیکن قرض میں یہ صورت جائز نہیں کیونکہ قرض میں کمی بیشی ناجائز ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر زید مثلاً عمرو کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال قرض دیدے، اور عمرو اس کے بدلہ پاکستان میں ایک ہزار ریال کے برابر پاکستانی روپیہ زید یا اس کے کسی ایجنٹ یا کسی عزیز کو ادا کرے، تو فی نفسہ اسکی اجازت ہے، البتہ اگر قانون میں ممنوع ہو، تو قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

نیز اس پر سفتجہ والا اشکال ہوگا، اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے۔

فائدہ: اوپر جو تفصیل گزری کہ یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہے، اس سے کمی بیشی ناجائز ہے، اس کمی بیشی سے مراد وہ کمی بیشی ہے جو قیمت مثل سے کے مقابلہ میں ہو، اور قیمت مثل کی تین صورتیں ہیں:

---

(۱) احكام الاوراق النقدية(ص ۳۱)

۱............بنک ریٹ کے مطابق

۲............اوپن مارکیٹ ریٹ کے مطابق

۳............ان دونوں کے درمیان والا ریٹ

مثلاً بنک ریٹ ۶۰ روپے ہے، مارکیٹ ریٹ ۶۲ روپے ہے، تو اس میں اختیار ہے کہ ۶۰ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۲ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۱ کے حساب سے ادا کریں، لیکن ۵۹ کے حساب سے یا ۶۳ کے حساب سے ادائیگی جائز نہیں۔

کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت معاہدہ/مواعدہ

جو مالیاتی ادارے اسلامی اور شرعی اصولوں کے مطابق کاروبار کرتے ہیں، وہ یہ طریقہ درآمدات اور برآمدات میں بطور ''اسلامی متبادل'' (Islamic Alternative) استعمال کرتے ہیں، تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:

درآمد/برآمد کنندگان کے لئے ایل سی (LC) اور امپورٹ/ایکسپورٹ کنٹریکٹ کے تحت فارن ایکسچینج کور کی سہولت فراہم کی جاتی ہے، یہ سہولت فراہم کرنے کی بہت اہمیت ہے، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسیوں کی قیمتوں کے وقتاً فوقتاً اتار چڑھاؤ کی وجہ سے درآمد کنندہ گان اور برآمد کنندگان کو نفع ونقصان کا تخمینہ لگانا اور اپنے آپ کو ممکنہ نقصان سے بچانا اور تجارت جاری رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، اس وجہ سے بنک فارن ایکسچینج کور کی سہولت فراہم کرتے ہیں، تاکہ مستقبل میں ڈالر خریدنے اور بیچنے میں نقصان نہ ہو، یہ بات واضح رہے کہ درآمد کنندگان کو درآمد کردہ اشیاء کی قیمت ڈالر یا زر مبادلہ میں درآمد شدہ سامان کے کاغذات کے وصول ہونے کے بعد برآمد کنندہ کو کرنے ہوتے ہیں، جس کے لئے ڈالر یا زر مبادلہ خریدنا ہوتا ہے، اس کے برخلاف برآمد کنندگان کو اپنے برآمد کردہ سامان کی قیمت وصول ہوتی ہے، جس کی فروخت کر کے وہ پاکستانی روپے حاصل کرتے ہیں۔

موجودہ سودی نظام میں درآمد/برآمد کنندگان ایل سی (LC) کھولنے کے بعد غیر ملکی کرنسیوں کی خرید وفروخت کے لئے ''فارورڈ کور کنٹریکٹ'' کسی بنک کے ساتھ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ کر سکتا ہے:

(۱) اس کنٹریکٹ کی مدت کم از کم ایک ماہ ہو۔

(۲) اگر ایک ماہ سے پہلے ادائیگی کرنی ہو، تو جس دن ادائیگی کرنی ہو، اس دن کے اسپاٹ (Spot) یعنی نقد (انٹر بنک) ریٹ کے حساب سے ادائیگی کی جائے گی، فارورڈ کور کنٹریکٹ مقررہ تاریخ پر مروجہ طریقہ کار کے مطابق ختم کی جائے گا۔

فارورڈ کور کنٹریکٹ کا مروجہ طریقہ کار درج ذیل ہے:

۱.........درآمد کنندہ (امپورٹر) کو ایک ملین ڈالر آج سے ۹۰ دن بعد برآمد کنندہ (ایکسپورٹر) کو ادا کرنے ہیں، وہ چونکہ یہ نہیں جانتا کہ ۹۰ دن کے بعد ایک ڈالر کے کتنے روپے بنیں گے کہ جس کے حساب سے وہ اپنی بجٹ پلان کرے، اس وجہ سے وہ کمرشل بنک سے فارورڈ کور کنٹریکٹ کرنے کے لئے رابطہ کرتا

ہے، جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے:

۲..........فرض کریں کہ ڈالر کی اسپاٹ (Spot) یعنی نقد (انٹر بنک) قیمت ۶۰ روپے ہے۔

۳..........کمرشل بنک مثلاً نیشنل بنک ایک ملین امریکی ڈالر آج ۶۰ روپے کے حساب سے مارکیٹ سے خرید لیتا ہے، موقع پر ہی ان کو حبیب بنک کو ۶۰ روپے کے حساب سے ہی فروخت کرتا ہے، اور ساتھ ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ ایک ماہ بعد ڈالر کی قیمت کچھ بھی ہو، نیشنل بنک حبیب بنک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے خریدے گا۔

۴..........نیشنل بنک دس پیسے فی ڈالر اپنی فیس اس قیمت میں شامل کر کے درآمد کنندہ سے ۶۱ء۱۰ روپے فی ڈالر کے حساب سے آج سے ۹۰ دن کے بعد ایک ملین امریکی ڈالر فروخت کرنے کا معاہدہ کر لیتا ہے۔

۵..........اب دو صورتیں پیش آسکتی ہیں:

الف: درآمد کنندہ نیشنل بنک کو ۶۱ء۱ ملین روپے ادا کرتا ہے، نیشنل بنک ۱ء روپے اپنی فیس رکھتا ہے، اور ۶۱ ملین روپے حبیب بنک کو ادا کر کے ایک ملین ڈالر حاصل کرتا ہے، جس کے ذریعہ وہ (نیشنل بنک) درآمد کنندہ کو ادائیگی کرتا ہے، اس صورت میں یہ عقد سابقہ ذکر کردہ شرائط کے ساتھ مکمل ہو گیا۔

ب: ۹۰ دن سے پہلے درآمد کنندہ نیشنل بنک کو مطلع کرتا ہے کہ کنٹریکٹ کے کینسل ہونے کی بناء پر وہ ڈالر نہیں خرید سکے گا، لھذا اب وہ اس عقد کو ختم کرنا چاہتا ہے، (اگر وہ ڈالر رکھنا بھی چاہے، تو اسے سٹیٹ بنک کے قوانین کے مطابق کنٹریکٹ کے بغیر ڈالر وصول کرنے کی اجازت نہیں) اسٹیٹ بنک کے قوانین کی رو سے درآمد کنندہ وہ ڈالر بکنگ ریٹ یعنی ۶۱ء۱ روپے فی ڈالر کے حساب سے خرید کر فوراً نیشنل بنک کو یہی ڈالر بازاری قیمت یا معاہدے کے دن کی بازاری قیمت میں سے جو بھی کم ہو، اس قیمت پر واپس نیشنل بنک کو فروخت کرنے کا پابند ہو گا، مثلاً:

زیر بحث مثال میں معاہدے کے دن کی قیمت فی ڈالر ۶۰ روپے تھی، اب فرض کیجئے کہ بیس دن بعد کنٹریکٹ کینسل ہو رہا ہے، اس دن اس کی قیمت ۶۱ تک بڑھ جاتی ہے، اس صورت میں نیشنل بنک امپورٹر سے ۶۰ روپے کے حساب سے ڈالر واپس خریدے گا، اس میں امپورٹر کو ایک ملین روپے گویا کہ جرمانہ کے طور پر ادا کیے۔

یہ فارن ایکسچینج کور کا روایتی اور سودی طریقہ ہے، جو شرعاً جائز نہیں۔ اس کا شرعی متبادل طریقہ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ:

امپورٹر کو ایک ملین امریکی ڈالر آج سے ۹۰ دن کے بعد ادا کرنے ہیں، وہ اس کے لئے مثلاً میزان بنک سے فارورڈ کور کنٹریکٹ کرنے کے لئے رابطہ کرتا ہے۔

ا..........فرض کریں کہ ڈالر کی اسپاٹ قیمت ۶۰ روپے ہے۔

۲..........میزان بنک ، حبیب بنک سے ایک معاہدہ کرتا/دوطرفہ وعدہ ہے کہ تین ماہ بعد میزان بنک حبیب بنک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے خریدے گا، (اس دوطرفہ وعدہ کے تحت خرید وفروخت کا عقد تین ماہ مقررہ مدت پر ہی انجام پائے گا۔) معاہدہ کے تحت میزان بنک تین ماہ کے بعد حبیب بنک سے خریدنے کا عقد کرے گا، اور ۶۱ ملین روپے کے عوض ایک ملین ڈالر لے گا، حبیب بنک ایک ملین ڈالر آج کی تاریخ میں بازار سے خرید کر اپنے پاس محفوظ کرلے گا، تاکہ وہ تین ماہ بعد میزان بنک کو فروخت کرسکے۔

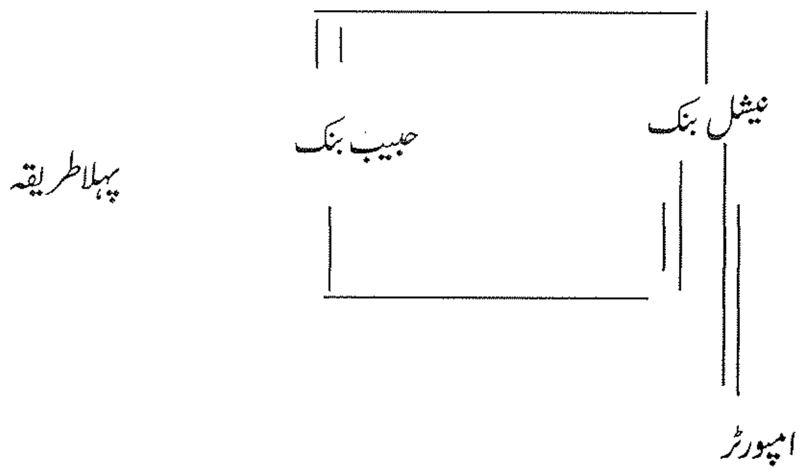
۳..........میزان بنک دس پیسے فی ڈالر اپنا نفع اس قیمت میں شامل کرکے درآمد کنندہ سے ۶۱.۱ روپے کے حساب سے آج سے ۹۰ دن کے بعد فروخت کرنے کا دوطرفہ وعدہ کرلیتا ہے۔ معاہدہ کے تحت میزان بنک تین ماہ کے بعد امپورٹر سے فروخت کرنے کا عقد کرے گا، اور ۶۱.۱ ملین روپے کے عوض ایک ملین ڈالر دیدے گا۔

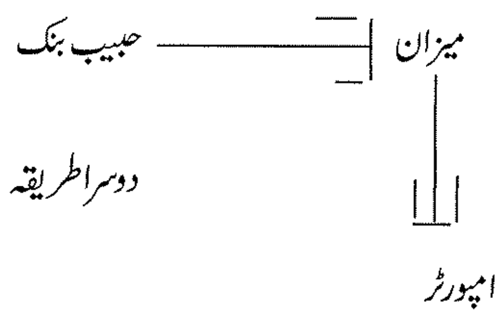
اب یہاں پر وہی دوصورتیں پیش آسکتی ہیں جو طریقہ اول میں الف اور ب کے عنوان سے گزر گئیں۔ ’’الف‘‘ تو واضح ہے، اور ’’ب‘‘ کی صورت میں میزان بنک وہ معاہدہ جو امپورٹر کے ساتھ کیا گیا تھا، مندرجہ ذیل طریقہ سے ختم کیا جائے گا:

ا..........میزان بنک، مسلم کمرشل بنک کے ساتھ فارورڈ کور کنٹریکٹ کرے گا کہ میزان بنک کو وہ ڈالر جو اسے حبیب بنک سے ۹۰ دن پر خریدنے ہیں، اور جن کی اب امپورٹر کو ضرورت نہیں رہی، وہ ڈالر مسلم کمرشل بنک کو فروخت کرے گا، فرض کریں یہ کنٹریکٹ ۵۹ روپے فی ڈالر پر طے ہوتا ہے۔

۲..........معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے میزان بنک امپورٹر سے اپنا نقصان پورا کرنے کی حد تک وصول کرے گا، اس مثال میں میزان بنک درآمد کنندہ سے ۲ روپے فی ڈالر (۶۱-۵۹=۲) چارج کرے گا۔

۳..........۹۰ دن بعد میزان بنک حبیب بنک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے حاصل کرے گا، اور ۵۹ روپے کے حساب سے مسلم کمرشل بنک کو فروخت کرے گا۔





پہلے طریقہ میں جو مروجہ ہے، اس میں مستقبل کی طرف بیع کی نسبت ہوتی ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، نیز اس میں بیع عینہ کی خرابی بھی ہے، اس سے بچنے کے لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، جس میں بیع عینہ کی خرابی بھی نہیں، اور مستقبل کی طرف بیع کی نسبت نہیں، بلکہ محض دوطرفہ وعدہ ہے۔

مستقبل کی بیع تو بالاتفاق ناجائز ہے، کیا مستقبل میں دوطرفہ وعدہ جائز ہے؟ اس میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے:

دوطرفہ وعدہ کا ایفاء فریقین پر قضاءً لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مختلف اقوال سامنے آئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

قول اول: دوطرفہ وعدہ قضاءً لازم نہیں ہوتا، مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنے پانچویں اجلاس میں اسی کو

اختیار کیا ہے، اس قول کی بنیاد امام مالکؒ کے ایک قول پر ہے جس میں، امام مالکؒ نے ایسے عقود اور معاملات جن کو فی الحال سرانجام نہیں دیا جاسکتا، ان پر دوطرفہ وعدہ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مثلاً قبضہ سے قبل کھانے کی بیع فی الحال سرانجام نہیں دی جاسکتی، لہذا اس عقد پر دوطرفہ وعدہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ امام مالک سے منسوب اس سلسلہ میں دوقول اور بھی ہیں، جن میں سے ایک قول کے مطابق یہ مواعدہ مکروہ اور دوسرے قول کے مطابق یہ مواعدہ جائز ہے۔ چناچہ ایضاح المسالک کی عبارت میں یہ بات مذکور ہے:

"القاعدة الخامسة والستون :الاصل منع المواعدة بما لا يصح وقوعه في الحال حماية .
ومن ثم منع مالك المواعدة في العدة وعلى بيع الطعام قبل قبضه ووقت نداء الجمعه وعلى ماليس عندك .وفي الصرف مشهورها المنع ،وثالثها الكراهة وشهرت ايضا لجوازه في الحال وشبهت بعقد فيه تأخير وفسرت به المدونة"(۱)

وفي القوانين الفقهيه :
الفرع الخامس يكره الوعد في الصرف على المشهور وقيل يجوز وقيل يمنع.(۲)

مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد کا متن بھی ذیل میں مذکور ہے:

قرارات مجمع الفقه الاسلامي:
ثالثا :المواعدة وهي التي تصدر من الطرفين تجوز في بيع المرابحة بشرط الخيار المتواعدين كليهما او

(۱) ايضاح المسالك، الونشريسي (ابو العباس احمد بن يحى)متحده عرب امارات ، رباط، التراث الاسلامي ، طبع اول ۱۹۸۰ ء (ص۲۷۸)

(۲) القوانين الفقهية ، الجزى (ابو القاسم محمد بن محمد احمد الجزى المالكي متوفى ۷۴۱ ه ، بيروت، دارالقلم ، طبع اول ۱۹۷۷ ء(ص۱۶۶)

احدهما فاذا لم يكن هناك خيار فانها لاتجوز ،لان المواعدة الملزمة فى بيع الرابحة تشبه البيع بنفسه ،حيث يشترط عند ئذ ان يكون البائع مالكا للمبيع حتى لاتكون هناك مخالفة نهى النبى ﷺ عن بيع الانسان ما ليس عنده .

هيئة المراجعة والمحاسبة للمؤسسات المالية الاسلامية بحرين کی مجلس شرعی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے:

لا يجوز ان تشتمل وثيقة الوعد او ما فى حكمها على مواعدة ملزمة للطرفين (المؤسسة و العميل)لانها تشبه حينئذ عقود البيع نفسه قبل التملک .(۲/۳)يجوز اصدار المواعدة من المؤسسة و العميل الآمر بالشراء اذا كانت بشرط الخيار للمتواعدين كليهما او احدهما .(۲)

اور" المعايير الشرعية "میں ہے:

تحرم المواعدة فى المتاجرة فى العملات اذا كانت ملزمة للطرفين ولو كان ذلک لمعالجة مخاطر هبوط العملة، اما الوعد من طرف واحد فيجوز ولو كان ملزما .(۳)

اور اسی میں ایک اور جگہ ہے:

تحريم المواعدة الملزمة فى مبادلة العملات هو ماعليه جمهور الفقهاء . لان المواعدة الملزمة من طرفى المبادلة

---

(۱) قرارات، قرار ۴/۱/۴ جده ، السعوديه العربيه

(۲) المتطلبات الشرعية لصيغة المرابحة للآمر بالشراء، بحرين (۱۶)

(۳) المعايير الشرعية ، بحرين ،(ص۱۸)

تشبه العقد الخ (۱)

مذکورہ عبارات خلاصہ:

ان حضرات کی مذکورہ بالا عبارات کا حاصل یہی ہے کہ دوطرفہ وعدہ اس عقد کے مشابہ ہے جو فی الحال ناجائز ہوتا ہے، مثلاً دوطرفہ وعدہ بیع جس میں بیع مستقبل میں واقع پذیر ہوگی، اسلئے ناجائز ہے کہ یہ اس بیع کے مشابہ ہے جسمیں مبیع ابھی بائع کی ملکیت میں نہ آئی ہو، جسکی وجہ سے بیع مستقبل کی طرف مضاف ہو، لہذا یہ بیع فی الحال ناجائز ہوگی، کیونکہ اسمیں بیع مالیس عندک (یعنی ایسی چیز کی فروختگی جو بائع کی ملکیت میں نہ ہو) یا بیع قبل القبض لازم آتی ہے۔ جو ناجائز ہے۔ اور چونکہ مواعدہ بھی ایسے وقت میں کیا جارہا ہے جب بائع کے پاس مبیع موجود نہیں ہے لہذا یہ اس بیع کی مانند ہوگیا جو قبضہ سے قبل کی جائے۔

دوسرا قول:

دوسرا قول یہ ہے کہ دوطرفہ وعدہ کو مواقعِ حاجت میں فریقین پر قضاء لازم کیا جاسکتا ہے یہ قول احناف، شافعیہ وغیرہ کا ہے، ان حضرات کی عبارات درج ذیل ہیں:

فتاوی خانیه علی هامش الهندية :

وان ذكرا البيع من غير شرط ثم ذكرا الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد لان المواعدة قد تكو ن لازمةفتجعل لازمة لحاجة الناس .(۲)

وفي شرح المجلةللاتاسي:

وان ذكر البيع من غير شرط ثم الشر ط على وجه المواعدة فالبيع جائز ويلزم الوفاء بالوعد لان المواعيد قد تكون لازمةفتجعل لازمة لحاجة الناس ....وقال بعد اسطر :

---

(۱) المعايير الشرعية (ص۲۵)

(۲) الفتاوى الخانيه على هامش العالمگريه (۱۶۵/۲)

وان ذكر البيع بلا شرط ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ولزم الوفاء وقد يلزم الوعد فيجعل هنا لازما لحاجة الناس اليه. (۱)

اور ''تطور النقود'' میں ہے:

الصورة الخامسة : هي المواعدة على الصرف وذلک بان يتفق العميل مع المصرف على ان يشترى منه بعد شهر مثلا نقدا بالآخر كالدولار بالاسترليني او بالريال ، فاذا حل الاجل المضروب للصرف ابرما عقد الصرف بينهما وتقاضابالسعر الحاضر.

ويلجأالتجار عادة الى هذه الصورة لاستخدامها في عمليات الاستيراد والتصدير حتى يضمنوا تجهيز العملة الاجنبية اللازمة للوفاء بالتزاماتهم المستقبلة.

وحكم هذه الصورة : الصحة لوجود حقيقة الصرف وشرطه والمواعدة السابقة جائزة لاشئى فيها عند اكثر العلماء ، وممن نص على هذا الشافعي رحمه الله حيث قال: واذا تواعد الرجلان الصرف فلابأس ان يشترى الرجلان الفضة ثم يقرانها عند احدهما حتى يتبايعاها ويصنعا بها ماشاء ا، كما نص على ذلک ابن حزم فقال: والتواعد في بيع الذهب بالذهب او بالفضة وفي بيع الفضة بالفضة وفي سائر الاصناف الاربعة بعضها ببعض جائز تبايعا بعد ذلک اولم يتبعايعا لانه لم يأت نهى

---

(۱) شرح المجلة ، الاتاسی (العلامه محمد خالد الاتاسی)پاکستان ، کوئٹه ، مکتبه اسلامیه (۴۱۵/۱)

عن شئی من ذلک .....

ولادلیل لبعض المالکیة علی کراهة هذه المواعدة او فسادها .(۱)

مذکورہ عبارات کا خلاصہ:

مذکورہ عبارات کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ ''مواعدہ'' (جانبین سے وعدہ) بعض اوقات صحیح ہو جاتا ہے، اور قضاء لازم بھی کیا جاتا ہے، اور اسی موقف کو ''صاحبِ عطر الھدایہ'' نے بھی اختیار کیا ہے۔(۲)

یہی جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا بھی ہے، چنانچہ وہ اپنے ایک مقالہ میں اس مسئلہ پر بحث کے دوران فرماتے ہیں:

وان عبارة قاضی خان رحمه الله بصفة خاصة صریحة فی ان المواعدة یمکن ان تجعل لازمة عند الحنفیة لحاجة الناس، والمواعدة انما تکون من الطرفین فتبین انه لابأس بجعلها لازمة عند الحنفیة لحاجة الناس، ولاشک ان الحاجة فی الزام المواعدة ظاهرة الخ''

''اور قاضی خان کی عبارت ایک خاص صفت کے ساتھ اس سلسلہ میں صریح ہے کہ مواعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے حضرات حنفیہ کے نزدیک لازم قرار دیا جا سکتا ہے، اور مواعدہ طرفین سے ہوتا ہے، تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ کے نزدیک مواعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے لازم قرار دے دیا جائے، اور اس میں شک نہیں کہ مواعدہ کو لازم قرار دینے میں ضرورت بالکل واضح ہے۔'' (۳)

---

(۱) تطور النقود (ص ۱۴۸)

(۲) عطر الهدایة ، لکھنوی (بحرالعلوم مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی) مکتبه نشرالقرآن دیوبند ، یوپی هندوستان.(ص ۲۴۳ تا ۲۴۵)

(۳) عقود التورید والمناقصة ، مخطوطه، جامعه دارالعلوم کراچی (ص ۴)

مناقشہ اور ترجیح:

ان دونوں قولوں میں سے ہمارے نزدیک دوسرا قول راجح ہے، کیونکہ مسئلہ منصوص تو ہے نہیں، بلکہ اجتہادی ہے، لھذا حالاتِ زمانہ کا تقاضہ یہ ہے کہ مواعدہ کو قضاءً لازم قرار دے دیا جائے، لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ یہ مواعدہ کا لزوم صرف مواقعِ ضرورت میں ہے، اور مواقع ضرورت سے مراد یہ ہے کہ وعدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں کسی ایک فریق کا نقصان ہو رہا ہے۔

جو قول اولوں نے جو دلیل پیش کی ہے کہ اس صورت میں دو طرفہ وعدہ عقد مستقبل کے مشابہ ہو جائے گا، اور ایک ایسی چیز کا مواعدہ لازم آجائے گا، جو بوقت وعدہ ہاتھ میں نہیں ہے، یہ دلیل کوئی وزنی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وعدہ اور عقد میں احکام اور نتائج کے اعتبار سے فرق ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو طرفہ وعدہ حقیقت میں کوئی قطعی عقد نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ تو صرف ایک وقت مقررہ پر پر عقد منعقد کرنے کا وعدہ ہوتا ہے، لھذا دونوں وعدہ کرنے والوں کو مقررہ تاریخ آنے پر باقاعدہ ایجاب وقبول کرنا ہوگا، عقد کے فوری منعقد ہونے یا صرف وعدہ عقد کرنے کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ جس شخص نے مثلاً خریداری کا عقد کیا، تو مبیع فوری طور پر خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اور اگر بیع سلم ہے، تو مبیع اس کے ذمہ دین بن جاتی ہے، لھذا ذمہ داری کا منتقل ہو جانا ایجاب وقبول کے فوراً بعد ہوگا، لھذا ایک اگر ایک شخص نے ایک مکان خریدا اور اس نے ابھی نے اس کی قیمت بائع کو ادا نہیں کی، تو یہ شخص فوراً بائع کا مدیون بن گیا، چنانچہ اب اس پر مدیون کے سارے احکام لاگو ہوں گے، لھذا اب اس پر دین کی حد تک زکوۃ ساقط ہو جائے گی، اور مشتری مفلس ہو گیا، تو وہ بقیہ دوسرے قرضخواہوں کے مساوی سمجھا جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے بیع کے تحت کوئی گندم فروخت کی، تو وہ شخص خریدار کا اس مقدار کی حد تک گندم کا مدیون ہو گیا، لھذا اس پر بھی اس مقدار تک زکوۃ ساقط ہو جائے گی، وغیرہ۔

لیکن دو طرفہ وعدہ کسی پر بھی دین نہیں بنتا، اور اس پر مذکورہ بالا نتائج مرتب نہیں ہوتے، جیسا کہ ظاہر ہے، بلکہ مذکورہ نتائج اس وقت مرتب ہوں گے، جب یہ دونوں وقت مقررہ پر باقاعدہ ایجاب وقبول کر کے بیع کو منعقد کریں گے، اس سے پہلے محض وعدہ کی بنیاد پر کوئی حکم متوجہ نہیں ہوگا۔(۱)

---

(۱) عقود التوريد والمناقصة (ص ۵)

دوطرفہ وعدہ کے قضاءً لزوم پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

دوطرفہ وعدہ کے قضاء لازم ہونے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

۱.........حاکم دونوں فریقین کو اس مقررہ تاریخ پر عقد کرنے اور نافذ کرنے پر مجبور کرے گا، اور کسی کو انکار جائز نہیں ہوگا۔

۲.........اور اگر ان میں سے کسی ایک نے وعدہ پورا کرنے سے انکار کیا، جس کی وجہ سے دوسرا فریق حقیقۃً کسی مالی نقصان میں مبتلا ہوگیا، تو اس صورت میں حاکم یا قاضی اسے اس حقیقی نقصان کی تلافی پر مجبور کرے گا، اور اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:

"لاضرر ولاضرار فی الاسلام"

"اسلام میں نہ ضرر ہے، اور نہ کسی کو ضرر پہنچانا ہے۔"(۱)

لھذا ثابت ہوگیا کہ کرنسیوں کا تبادلہ بصورتِ معاہدہ/مواعدہ راجح قول کے مطابق درست ہے۔

کرنسی کے کاروبار کی ایک نئی اور عالمگیر شکل:

عالمی مارکیٹ میں کرنسی کا کاروبار کیا جاتا ہے، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ امریکہ سے پوری دنیا میں مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کی قیمتوں کا اجراء ہوتا ہے، ایک آدمی لاہور پاکستان میں بیٹھ کر سٹیلائٹ کے ذریعہ کمپیوٹر سکرین پر وہ قیمتیں وصول کرتا ہے، قیمتیں ملکی حالات کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہیں، یہ آدمی ان قیمتوں پر کرنسی کی خرید وفروخت کرتا ہے، لیکن یہ آدمی ضابطہ کی رو سے براہ راست یہ کاروبار نہیں کرسکتا، بلکہ کسی کمپنی کے ذریعہ یہ کاروبار کرتا ہے، کمپنی نے ایک اصول وضع کیا ہوتا ہے، وہ یہ کہ دو لاکھ ڈالر کی ایک لاٹ ہوتی ہے، جو آدمی خرید کر پھر اس کو فروخت کرسکتا ہے، لیکن اس ادمی کو صرف اس کا ۵ فیصد کمپنی کو اپنے نام پر جمع کروانا ہوتا ہے، جو کہ صرف ۱۰۰۰ ڈالر بنتا ہے، ایک ہزار ڈالر سے اپنا اکاؤنٹ کھلوا کر اب یہ آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ دنیا کی مارکیٹ میں یہ آدمی ایک لاٹ خرید سکتا ہے، اس آدمی کی طرف سے بقیہ رقم بطور ضمانت کمپنی جمع کراتی ہے، تو اس طرح اس آدمی کا بظاہر ایک ہزار ڈالر کی سرمایہ کاری ہوئی، لیکن یہ آدمی کاروبار دو لاکھ ڈالر کا کررہا ہوتا ہے، یعنی یہ آدمی دو لاکھ ڈالر کی کرنسی کی خرید وفروخت کرسکتا ہے۔

---

(۱) الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة (۲/۲۸۲)

اب اس آدمی کو نفع یا نقصان کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یہ آدمی کمپیوٹر سکرین پر دنیا کے مختلف بنکوں کی طرف سے دی گئی قیمتوں کا جائزہ لیتا ہے، اور کرنسی کے ماہرین اپنی رائے دیتے رہتے ہیں کہ آیا اس کرنسی کی قیمت آئندہ بڑھ جائے گی، یا کم ہو جائے گی، اس کے علاوہ اس آدمی کو کرنسی کے متعلق مختلف ملکوں کی خبریں بھی موصول ہوتی رہتی ہیں، اور پھر کمپیوٹر پر ہی مخالف گراف کے ذریعہ اس کرنسی کی صورتحال کا جائزہ لیتا ہے، کہ آئندہ لمحات میں اس کرنسی کی کیا صورتحال ہوگی، تو ان تمام قرائن کے ذریعہ یہ آدمی ایک رائے قائم کر کے اس کو خرید لیتا ہے، مثلاً سکرین پر اس کو پاؤنڈ سٹرلنگ کی قیمت ۶۷۰۰ء ا نظر آرہی ہے، یہ آدمی کمپنی کے ذریعہ بذریعہ ٹیلی فون اس بنک سے اس قیمت کی تصدیق کرواتا ہے کہ آیا آپ کی قیمت فروخت یہی ہے، وہ اس کی تصدیق کر لیتا ہے، تصدیق کے بعد یہ شخص پہلے ان سے زبانی معاہدہ کرتا ہے کہ ایک لاٹ میں نے خرید لی، اور یہ میری ہوگئی، اب اس کو ہر صورت اس کا نفع یا نقصان اٹھانا ہوگا، اس خریداری پر حسی قبضہ (Physical Possion) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کرنسی اس سے ہزاروں میل دور ہے، لیکن حکمی قبضہ (Constructive Possion) ہوگیا، یعنی وہ کرنسی اس کے ضمان میں آگئی، اب جب اس کرنسی کی قیمت بڑھ گئی تو اس طریقہ پر بذریعہ ٹیلی فون اس نے اس کو فروخت کر دیا، مثلاً اگر ۶۷۰۰ء ا پر خریدا اور ۶۷۱۰ء ا پر اس کو فروخت کر دیا، اور قیمت فروخت کا بھی تحریری معاہدہ ہوگیا، جو دس اعشاریہ اس کو نفع میں بچے، اس کی قیمت ۱۲۵ ڈالر ہوئی، وہ اس طرح کہ انہوں نے ایک پوائنٹ کی قیمت ۱۲ء۵۰ ڈالر طے کی ہوئی ہے، اس طرح:

۱۰ پوائنٹ کی قیمت ۱۲ء۵۰×۱۰=۱۲۵

یہ اس شخص کا نفع ہے، اگر کرنسی کی قیمت کم ہو جائے، تو اسی شرح سے اس کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

بیچ میں جو کمپنی ہے، وہ کاروبار کروانے کے لئے درج ذیل سہولتیں مہیا کرتی ہے:

(۱) ٹیلی فون کے ذریعہ رابطہ، (۲) مارکیٹ جہاں بیٹھ کر کاروبار کیا جاتا ہے، (۳) انٹرنیٹ سسٹم

(۴) دو لاکھ ڈالر کا زرِ ضمانت، وغیرہ

ان تمام سہولتوں کے ساتھ یہ شخص ایک ''ٹریڈ'' مکمل کر لیتا ہے، یعنی ایک دفعہ کرنسی خرید کر پھر فروخت کرنے کو ایک ٹریڈ کہتے ہیں۔

اس ایک ٹریڈ پر کمپنی ۶۰ ڈالر کمیشن وصول کرتی ہے، اس ٹریڈ میں نفع ہو یا نقصان، کمپنی کا ۶۰ ڈالر کمیشن

طے ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ اگر وہ ایک کرنسی کو اسی دن خرید کر فروخت کردے، اگر آج اس نے کرنسی خریدی ہے، اور اس کی قیمت مناسب نہیں مل رہی ہے، پھر اس کو ایک دن یا چند دن بعد فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کمپنی اس سے ۶۰ ڈالر کے علاوہ ہر دن کے حساب سے ۲۰ ڈالر مزید وصول کرے گی، اس لئے کہ کمپنی کا دو لاکھ ڈالر کاروبار میں بطور زرِ ضمانت جمع ہو رہا ہے، اس پر کمپنی ۲۰ ڈالر یومیہ وصول کرتی ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں کھربوں ڈالر کا یہ کاروبار روزانہ ہوتا ہے، ایک اندازہ کے مطابق دنیا میں سب سے بڑا کاروبار یہ ہو رہا ہے۔

اس شکل میں یہ کاروبار شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱.........جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس طرح کاروبار میں جب کوئی لاٹ خریدی جاتی ہے، تو وہ خریدار کو متعین اور الگ کر کے حوالے نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے اکاونٹ میں تحریر کردی جاتی ہے، پھر جب وہ خریدار اسے آگے کسی شخص کو فروخت کرتا ہے، تو اس وقت اگر اسے نفع ہو، تو صرف نفع واپس کردیا جاتا ہے، اور اگر نقصان ہو، تو اس سے وہ نقصان طلب کرلیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ پوری خرید کردہ لاٹ تحویل میں نہیں دی جاتی، بلکہ کاغذی طور اس کے اکاونٹ میں منتقل کردی جاتی ہے، اور آخر میں نفع اور نقصان کا فرق برابر کرلیا جاتا ہے، جو سٹے کی ایک قسم ہے۔

۲.........یہ واضح رہے کہ کرنسی کے حکمی قبضے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ کرنسی کی قیمت بڑھنے یا گھٹنے کا نقصان متعلقہ شخص کے ذمے ہو جائے، بلکہ قبضہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ خریدی ہوئی کرنسی غیر خریدی شدہ کرنسی سے بالکل ممتاز کر کے کرلی جائے، اور خریدار یا تو خود قبضہ کرے، یا اس کا کوئی وکیل اس کی طرف اسے اپنی تحویل میں اس طرح لے لے کہ وہ متعینہ کرنسی جل جائے یا چوری ہو جائے، تو نقصان اس خریدار کے ذمہ سمجھا جائے، ظاہر ہے کہ یہ صورت مذکورہ کاروبار میں نہیں کہ کرنسی کو الگ کرلیا گیا ہو، اور خریدار یا اس کے کسی نمائندہ کی تحویل میں دیا گیا ہو۔

واضح رہے کہ شرعی اعتبار سے کرنسی اور دوسری اجناس کی تعیین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہو سکتی ہیں، لیکن کرنسی اس وقت تک متعین نہیں ہوتی، جب تک کہ اس پر کوئی شخص خود یا اپنے نمائندے کے ذریعے قبضہ نہ کرے۔

۳.........اوپر ذکر کردہ طریقہ میں خریدار صرف ایک ہزار ڈالر کی ادائیگی کرتا ہے، باقی کی ادائیگی

نہیں کرتا، اگرچہ باقی رقم کمپنی بطورِ زرِ ضمانت جمع کراتی ہے، مگر یہ رقم درحقیقت خریدار کے ذمہ دین ہوتی ہے، دوسری طرف کرنسی بیچنے والا خریدار کو اس شرعی طریقے پر قبضہ نہیں دیتا جس کا ذکر اوپر ۲ میں میں کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ رقم دونوں طرف دین ہوتی ہے، لھذا "بیع الکالئی بالکالئی" میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

۴............درمیانی کمپنی جو کمیشن وصول کرتی ہے، وہ یا تو ضمانت کی فیس ہے، یا تو اس رقم کا معاوضہ ہے جو وہ خریدار کی طرف سے فروخت کرنے والے کو ادا کرتی ہے، پہلی صورت میں یہ "اجرت علی الکفالہ" ہے، اور دوسری صورت میں یہ قرض پر سود ہے، اور دونوں طریقے ناجائز ہیں۔

❖

باب ششم

قدر زر(Value)

باب ششم

قدرِ زر (Value)

قدرِ زر:

پرانے زمانہ میں کرنسی یا زر کا تعلق سونے چاندی کے ایک مخصوص معیار کے ساتھ ہوتا تھا، جب سونے چاندی کا یہ معیار بڑھتا، تو کرنسی یا زر کی قیمت بھی بڑھتی، اور جب سونے چاندی کا یہ معیار گھٹتا، تو کرنسی یا زر کی قیمت بھی گھٹتی، لیکن اب جب کہ کرنسی یا زر سونے چاندی سے بالکل لاتعلق ہوگیا، اور سونے چاندی کے ساتھ زر کا کوئی تعلق نہیں رہا، تو اب کرنسی یا زر کی قیمت (قدر) کے بڑھنے اور گھٹنے کا تعلق سونے چاندی کے ساتھ نہیں رہا، بلکہ اس کا معیار دوسرا مقرر ہوا، یعنی ''اشیاء'' (Goods/Commodities) کی قیمتیں، لھذا اب قدرِ زر ''قوتِ خرید'' (Purchasing Power) سے عبارت ہے، یعنی وہ قوت جس کی بدولت زر اپنے عوض دوسری اشیاء وخدمات (Services) حاصل کرسکتا ہے۔

زر بذات خود زیادہ زیادہ اہمیت کا مالک نہیں ہوتا، اسکی طلب محض اس لئے کی جاتی ہے کہ اسکی مدد سے دوسری اشیاء اور خدمات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے، اگر زر ایک مخصوص مقدار کے عوض زیادہ اشیاء اور خدمات حاصل کرے، تو زر کی قدر زیادہ ہوگی، اور اگر اسی مخصوص مقدار کے عوض کم اشیاء اور خدمات حاصل کرے، تو زر کی قدر کم ہوگی۔ مثلاً اگر

۳۰ روپے = تین کلو آٹا (۲۰۰۱ء)

۳۰ روپے = دو کلو آٹا (۲۰۰۲ء)

پہلی مثال میں زر کی قدر دوسری مثال کے مقابلہ زیادہ ہے، اور دوسری مثال میں زر کی قدر پہلی کے مقابلہ میں کم ہوگئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زر کی قدر اور اشیاء وخدمات کی قیمتوں میں متضاد رشتے ہیں، جب قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، تو زر کی قدر گھٹ جاتی ہے، اور جب قیمتوں میں کمی ہوتی ہے، تو زر کی قدر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قیمتِ شئی ↑ قدرِ زر ↓ ← → قیمتِ شئی ↓ قدرِ زر ↑

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب سے زر سونے اور چاندی کے دائرہ سے آزاد ہوگیا ہے، تو اس کی قدر اشیاء اور خدمات سے وابستہ ہوگئی ہے، اس لئے ہم خلاصۃً کہہ سکتے ہیں کہ زر کی قدر زر کی قوتِ خرید سے عبارت ہے، جسے عربی میں "القوة الشرائية" اور انگریزی میں "Purchasing Power" کہا جاتا ہے۔(۱)

قدرِ زر کے تغیرات:

قدرِ زر میں مختلف قسم کے تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں، اور اس میں یہ تغیرات واقع ہونا کوئی نئی بات نہیں، اور نہ یہ اس زمانہ کے خاص ہیں، بلکہ گزشتہ زمانوں میں بھی یہ تغیرات وقوع پذیر ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آثار اور کلامِ فقہاء کرام میں اس پر مفصل مباحث کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔

ہم اپنے اس مقالہ میں ان تغیرات کا قدرِ تفصیل کے ساتھ جائزہ لے رہے ہیں، کیونکہ بہت سارے احکام کا ان مباحث سے تعلق ہے، اور اس زمانہ میں قدرِ زر کے تغیرات کو خاص طور پر اہمیت دی جارہی ہے۔

زر کو چار قسم کے تغیرات لاحق ہوتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱............انقطاعِ زر

۲............کسادِ زر

۳............افراطِ زر

۴............تفریطِ زر

---

(۱) تعارفِ زر و بنکاری (ص۴۷)

______ کتاب معاشیات (۴۷/۲)

______ احکام الاوراق النقدیة (ص۲۷)

______ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص۴۵)

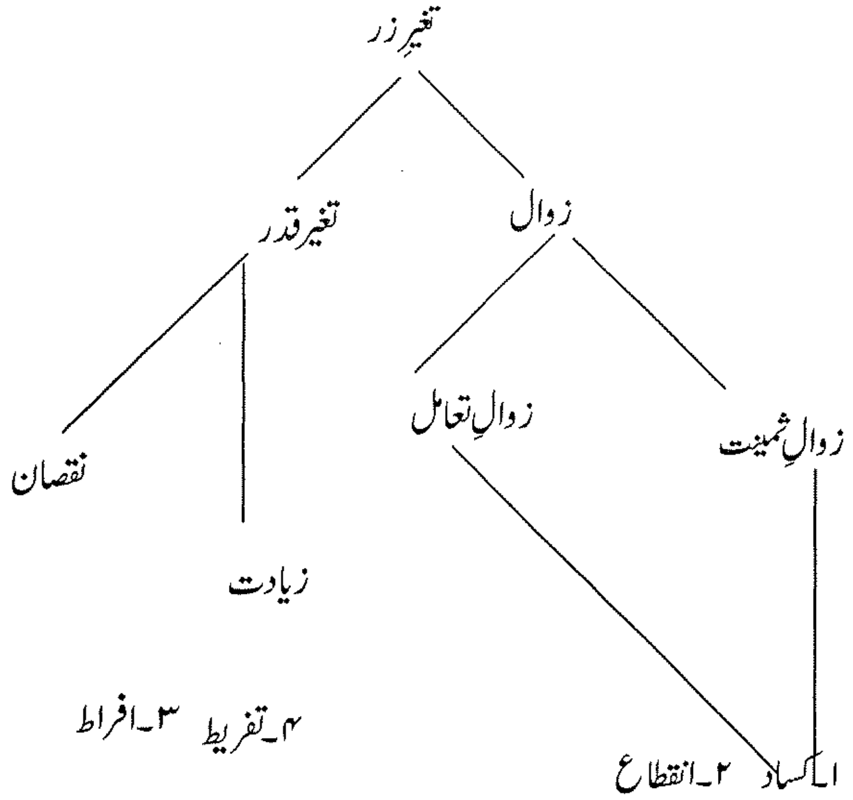
______ مقدمة فی النقود والبنوک:

"قیمة النقود بانها عبارة عن سلطان النقود فی المبادلة بسائر السلع والخدمات .ای القوة الشرائية للنقود"(ص۶۷)

______ Introduction to Economic Principles.P:332

______ The Theory of Money and Credit.P:117

ذیل میں نقشہ ملاحظہ ہو:



اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کو بعض اوقات ایسا تغیر لاحق ہوجاتا ہے کہ اگر وہ ثمن اصطلاحی ہو، تو اس کی ثمنیت بالکل ختم ہوجاتی ہے، اور اگر وہ ثمن خلقی ہو، تو اس کی ثمنیت تو ختم نہیں ہوتی، البتہ اس کا تعامل ختم ہوجاتا ہے، یہ تغیر ''انقطاع'' اور ''کساد'' سے واقع ہوتا ہے، اور بعض اوقات زر کو ایسا تغیر لاحق ہوجاتا ہے کہ اس کی وجہ سے یا تو زر کی قدر میں اضافہ ہوجاتا ہے، یا زر کی قدر میں کمی ہوجاتی ہے، یہ تغیر ''افراط'' اور ''تفریط'' سے واقع ہوتا ہے۔

انقطاع (Forfeture)

انقطاع ''قطع'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ختم ہونے کے ہیں، اور اصطلاحِ فقہ میں انقطاع کا مطلب یہ ہے کہ عام شہر میں کوئی زر دستیاب نہ ہو، اگرچہ صرافوں (Money Changers) اور گھروں میں موجود ہو۔

چنانچہ علامہ شامی انقطاع کے معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ان لایوجد النقد فی السوق وان وجد فی یدالصیارفة والبیوت الخ

''زر بازار میں نہ ملے، اگر چہ صرافوں کے ہاں اور گھروں میں موجود ہو۔''(۱)

اور علامہ زرقانی اور بنانی انقطاع کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انه الانعدام جملة فی بلدتعامل المتعاقدین وان وجدت .الفلوس .حین القبض فی غیرھا .''

''انقطاع یہ ہے کہ ایک ساتھ زر عاقدین کے شہر سے غائب ہو جائے، اگر چہ فلوس قبضہ کے وقت دوسرے کسی شہر میں موجود ہوں۔''(۲)

یاد رکھنا چاہیئے کہ فقہاء کرام اس مفہوم کے لئے انقطاع کے علاوہ اور بھی مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں، صرف انقطاع کے لفظ پر اکتفاء نہیں کرتے، جیسا کہ عباراتِ فقہاء سے واضح ہو جائے گا۔

مذاہبِ فقہاء:

انقطاع کے بارے میں حضرت امام اعظمؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی، لیکن دوسرا قول جو مفتی بہ ہے، اور وہ صاحبینؒ، اور ائمہ ثلاثہؒ کا بھی مذہب ہے کہ انقطاع سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ان انقطعت بان لاتوجد فی السوق ولووجدت فی ید الصیارفة او فی البیوت ، فقیل : یفسد البیع ، وقیل : تجب فی آخر یوم الانقطاع وھو المختار.

''اگر زر منقطع ہوا، کہ بازار میں دستیاب نہ ہو، گو صرافوں کے

---

(۱) ردالمحتار (۷/ ۴۱)

(۲) شرح الزرقانی علی خلیل بحاشیة البنانی (۵/ ۶۰)

ہاں یا گھروں میں موجود ہو، تو کہا گیا ہے کہ بیع فاسد ہو جائے گی، اور کہا گیا ہے کہ جس دن انقطاع ہو رہا تھا، اس آخری دن میں اسکی جو قیمت تھی، وہ قیمت واجب ہوگی، اور یہی قول مختار ہے۔"(۱)

علامہ شامیؒ مزید فرماتے ہیں:

"فان انقطع ذلک فعليه من الذهب و الفضة قيمته في آخر يوم انقطع وهو المختار."

اگر زر منقطع ہوگیا، تو اس کے ذمہ سونے یا چاندی کی قیمت واجب ہے، جس میں یوم الانقطاع کا اعتبار ہوگا، اور یہی راجح ہے۔"(۲)

اور علامہ شامیؒ اپنے ایک رسالہ میں فرماتے ہیں:

"وان انقطع بحيث لايقدر عليها فعليه قيمتها في آخر يوم انقطع من الذهب والفضة هو المختار."

"اگر زر منقطع ہوگیا، یہاں تک کہ وہ عاجز ہوگیا، تو اس پر اس کی قیمت سونے چاندی میں سے واجب ہے، جس میں یوم الانقطاع کا اعتبار ہے، اور یہی راجح ہے۔"(۳)

اسی رسالہ میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"وان انقطعت تلک الدراهم اليوم كان عليه قيمة الدراهم قبل الانقطاع عند محمد وعليه الفتوى."

---

(۱) العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية ،شامی(علامہ محمد امین المعروف بابن عابدینؒ)بیروت ، دارالمعرفة ، طبع دوم (۱/ ۲۸۰)

(۲) رد المحتار(۷/ ۴۱)

(۳) تنبیه الرقود علی مسائل النقود ، ضمن رسائل ابن عابدین ، لاهور،پاکستان، سهیل اکیڈمی ۱۹۷۶ء (۲/ ۵۸)

''اور اگر وہ دراہم آج منقطع ہوگئے، تو اس کے ذمہ انقطاع
سے قبل دراہم کی جو قیمت تھی وہ واجب ہے، یہ امام محمدؒ کا موقف ہے،
اور اسی پر فتوی ہے۔''(۱)

امام ابو یوسف، امام محمد اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک انقطاع کے وقت قیمت واجب ہوتی ہے، اور عقد فاسد برقرار رہتا ہے، اتنی بات پر ان سب کا اتفاق ہے، البتہ اختلاف اس میں ہے کہ اس سلسلہ میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

—— مالکیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق فیصلہ کے وقت جو زر منقطع کی جو قیمت ہوگی، وہ واجب ہوگی۔

—— شافعیہ کے نزدیک جس وقت بائع مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے گا، اس وقت زر منقطع کی جو قیمت ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا، اور اگر بیع مؤجل ہے، تو جب ادائیگی کی مقررہ تاریخ پہنچ جائے، تو اس وقت زر کی جو قیمت ہوگی، اسکا اعتبار ہوگا۔

—— حنابلہ اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس دن زر منقطع ہو رہا ہے، اس سے ایک دن پہلے زر کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا، البتہ حنابلہ کے ہاں اگر وہ مثلی ہے، اور مثل دستیاب ہے، تو مثل واجب ہوگی۔

—— امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یوم المعاملہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس عقد ہوا تھا، اس دن اس زر کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا۔

خلاصہ درج ذیل ہے:

امام ابو حنیفہؒ	=	بیع فسخ/فاسد
مالکیہ	=	وقتِ فیصلہ کی قیمت
شافعیہ	=	وقتِ مطالبہ کی قیمت
حنابلہ+امام محمد	=	وقتِ انقطاع
امام ابو یوسف	=	وقتِ معاملہ/عقد

(۱) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود (۲/۵۷، ۶۰)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

"واما الکساد والانقطاع فالذی یظھر ان البیع لایفسد اجماعا اذا سمیا نوعامنہ وذلک لانھم ذکروافی الدراھم التی غلب غشھا ثلثۃ اقوال: الاول: قول ابی حنیفۃ بالبطلان والثانی: قول الصاحبین بعدمہ وھو قول الشافعی واحمد، لکن قال ابویوسف علیہ قیمتھا وقت البیع وقال محمد: یوم الانقطاع، وفی الذخیرۃ: الفتوی علی قول ابی یوسف وفی التتمۃ والمحتار والحقائق بقول محمد یفتی رفقابالناس."

"کساد اور انقطاع میں بظاہر بالاتفاق بیع فاسد نہیں ہوتی، جبکہ عاقدین زر کی ایک خاص قسم ذکر کریں، اور یہ اس وجہ سے کہ فقہاء کرام نے ان دراہم کے بارے میں جن میں کھوٹ غالب ہو جائے، تین قول ذکر کئے ہیں، ایک قول باطل ہونے کا ہے، جو امام اعظمؒ کا ہے، دوسرا قول صاحبین کا ہے، اور وہ یہ کہ عقد باطل نہیں ہے، اور یہی قول امام شافعی اور امام احمد کا بھی ہے، لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس پر یوم العقد کی قیمت واجب ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں، کہ اس پر یوم الانقطاع کی قیمت واجب ہے، ذخیرہ میں ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے، اور تتمہ مختار اور حقائق میں ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے، لوگوں کی آسانی کے لئے۔"(۱)

امام صاحبؒ کے قول کی وجہ:

امام صاحبؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب زر ختم ہوگیا، تو ثمن ختم ہوگیا، اور بیع ثمن کے بغیر نہیں ہوتی،

(۱) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود (۲/۶۲)

اس لئے بیع فسخ ہوجائے گی۔

صاحبین کے قول کی وجہ:

امام ابو یوسف وقتِ تعامل اور وقتِ عقد کی قیمت کا اعتبار اس لئے کرتے ہیں کہ مشتری کے ذمہ جو ثمن واجب ہوا ہے، وہ عقد کی وجہ سے ہے، لھذا قیمت میں بھی اسی وقت کا اعتبار ہوگا۔

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ انقطاع سے پہلے مشتری ثمن کی ادائیگی پر قادر تھا، ثمن کی ادائیگی سے عجز انقطاع سے آ گیا، لھذا قیمت میں وقتِ عجز کا اعتبار ہوگا۔(۱)

مذہب مالکیہ:

مالکیہؒ کے ہاں معتمد اور صحیح قول کے مطابق اس صورت میں وقتِ فیصلہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور دوسرا قول مالکیہ کا یہ ہے کہ جس دن مقررہ تاریخ ادائیگی ہو، اور جس دن زر منقطع ہوجائے، ان دونوں میں سے جو بعد میں ہو، اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، مثلاً: اگر یوم ادائیگی بیس دن بعد ہو، اور انقطاع اٹھارہ دن بعد ہوا، تو یوم ادائیگی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

مالکیہ کی عبارات ملاحظہ ہوں:

فی الشرح الکبیر وحاشیة الدسوقی: ان عدمت الفلوس بالكلية فی بلد المتعاقدين وان وجدت فی غيرها، فالقيمة واجبة على من ترتبت عليه مما تجددای يدفعها مماتجددوظهر من المعاملة، فيقال: ماقيمة العشرة من الدراهم التی عدمت بهذه الدراهم التی تجددت فيقال: ثمانية دراهم، مثلافيدفع المدين ثمانية من تلك الدراهم التی تجددت واذا قيل: قيمتها: اثنا عشر، دفع اثنی عشر منها وهكذا.

---

(۱) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، جده، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھ، (ص ۱۶۵۴)

وقال خليل: تعتبر القيمة وقت اجتماع الاستحقاق اى الحلول ويوم العدم ، فالعبرة عنده بالمتاخر منهما ، فان كان العدم و الاستحقاق حصلافى وقت واحد ، فالامر ظاهر ، وان تقدم احدهما على الآخر فالعبرة بالمتاخرمنهما اذلايجتمعان الافى وقت المتاخر منهما ، فان استحقت ثم عدمت اعتبرت القيمة يوم العدم ، وان عدمت ثم استحقت اعتبرت القيمة يوم الاستحقاق ، ولم يذكر الخليل القول المعتمد.

وقال الدردير: المعتمد ان القيمة تعتبر يوم الحكم ...وقال الخرشي: ان عدمت فالواجب على من ترتبت عليه قيمتها مما تجدد وظهر ، وتعتبر قيمتها وقت ابعد الاجلين عند تخالف الوقتين من العدم و الاستحقاق ...وفي شرح الزرقاني: وهذا كله على مختار المصنف خليل هنا تبعالابن الحاجب تبعا للخمى وابن محرر ، والذى اختاره ابن يونس وابو حفص ، ان القيمة تعتبر يوم الحكم ، قال ابو الحسن الشاذلي: وهو الصواب وقال البرزلي: وهو ظاهر المدونة"(۱)

اس پوری عبارت کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ مالکیہ کے ہاں انقطاع کی صورت میں دوقول ہیں، ایک یہ ہے کہ یوم الاستحقاق اور یوم العدم میں جو دور ہوگا، اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یوم الاستحقاق سے مراد یہ ہے کہ جس دن ادائیگی ضروری ہے، اور یوم العدم کا مطلب یہ ہے کہ جس دن وہ زر منقطع ہوگیا، اور دوسرا قول

(۱) حاشية الدسوقي (۴۶،۴۵/۳)، الخرشي على الخليل (۵۵/۵) ، شرح الزرقاني على مختصر خليل (۶۰/۵)

یہ ہے کہ یوم الحکم کا اعتبار کی قیمت کا اعتبار ہے، اور یہی قول ان کے نزدیک راجح اور درست ہے، جیسا کہ شرح زرقانی کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے۔

شافعیہ:

ان کے ہاں انقطاع کی صورت میں یوم العقد یا یوم المعاملہ کی قیمت واجب ہوتی ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ زر مثلی نہ ہو، ورنہ مثلی ہونے کی صورت میں مثل واجب ہے۔

علامہ رملیؒ فرماتے ہیں:

"فان فقد وله مثل وجب والاقيمته وقت المطالبة"

"اگر زر مفقود ہوگیا، اور اس کی مثل ہو، تو مثل واجب ہے، ورنہ زر کی مطالبہ کے وقت جو قیمت بنتی ہے، وہ واجب ہے۔"(۱)

اور علامہ ابن حجر الھیتمیؒ فرماتے ہیں:

"ويرد وجوبا حيث الاستبدال المثل فى المثلى ولو نقدا ابطله السلطان لانه اقرب الى حقه"

"مثلی میں لازمی طور پر مثل واپس کرے گا، اگرچہ سلطان نے زر کو باطل کردیا، کیونکہ یہ حقدار کے حق کے زیادہ قریب ہے۔"(۲)

اور علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

ان عدمت الفلوس العتق فلم توجد اصلارجع الى قدر قيمتها من الذهب والفضة، ويعتبر ذلك يوم المطالبة الخ"

"اگر پرانے فلوس معدوم ہوگئے، اور بالکل دستیاب نہ ہوں، تو

---

(۱) نهاية المحتاج الى شرح المنهاج، الرملى (شمس الدين محمد بن ابى العباس الرملى المتوفى ۱۰۰۴هج)بيروت، احياء التراث العربى (۳/۳۹۹)

(۲) تحفة المحتاج مع حاشية الشروانى، الهيتمى (علامه احمد بن حجر الهيتمى الشافعى)(۵/۴۴)

اس صورت میں سونے چاندی میں اس کی قیمت واجب ہوگی، اور قیمت میں یوم المطالبہ کا اعتبار ہوگا۔"(۱)

حنابلہ:

ان کا موقف وہی ہے جو امام محمدؒ کا ہے، یعنی یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہے، چنانچہ علامہ بہوتیؒ فرماتے ہیں:

"فان اعوز المثل قال فی الحاشیة: عوز الشئی عوزا من تعب عز فلم یوجد، واعوزنی المطلوب مثل اعجزنی لفظا ومعنی، لزم المقترض قیمته، ای المثل یوم اعوازه، لانها حینئذ ثبتت فی الذمة، ویجب علی المقترض رد قیمة ماسوی ذلک ای المکیل والموزون لانه لامثل له فضمن بقیمته کالغصب."

"اگر مثل سے عاجز آگیا۔۔۔تو مقروض پر مثل کی قیمت واجب ہوگی، اور اس میں یوم العجز کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ یہی ذمہ میں واجب ہوگئی ہے، اور جو مثلی نہ ہو، مثلاً مکیلی اور موزونات میں سے نہ ہو، وہاں قیمت واجب ہے، اور یہ مسئلہ غصب کی طرح ہے۔"(۲)

ان میں عبارات میں آپ نے دیکھا کہ انقطاع کے لئے انقطاع کے علاوہ لفظ "عدم" اور لفظ "اعواز" بھی استعمال ہوا۔

---

(۱) الحاوی للفتاوی، السیوطی (علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھج) بیروت، المکتبة العصریة، طبع اول ۱۴۱۱ھج

(۲) کشف القناع عن متن الاقناع، البھوتی (منصور بن یونس البھوتی المتوفی ۱۰۴۶ھج، مکة المکرمة، مکتبة الحکومة ۱۳۹۴ھج (۳/۳۰۲)

کساد(Depression)

’’کساد‘‘ کے لئے بھی فقہاء کرامؒ نے مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں، مثلاً: ’’ابطال‘‘، ’’قطع التعامل‘‘، ’’ترک التعامل‘‘۔

کساد کے معنی کھوٹے ہونے کے ہیں، اور اصطلاح میں کساد کی تعریف علامہ ابن عابدین کی زبانی سنئے:

”والکساد : ان تترک المعاملة بها فی جمیع البلاد “(۱)

’’اور کساد یہ ہے کہ زر کے ساتھ تمام شہروں میں معاملہ ترک کیا جائے۔‘‘

انقطاع اور کساد میں معنی یہ فرق ہوا کہ انقطاع میں زر غائب اور معدوم ہوجاتا ہے، اور کساد میں زر رہتا ہے، لیکن لوگ اسکے ساتھ تعامل ختم کرلیتے ہیں، چنانچہ کساد کی وجہ سے زر اصطلاحی کی ثمنیت بالکل ختم ہوجاتی ہے، اور وہ سامان کے حکم میں ہوجاتا ہے۔

حضرات حنفیہؒ کے ہاں انقطاع اور کساد میں حکما کوئی فرق نہیں، چنانچہ:

(۱) امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تمام شہروں میں تعامل ترک ہوجائے، تو معاملہ فسخ رفاسد ہوجائے گا، البتہ اگر بعض شہروں میں تعامل باقی ہو، تو اس صورت میں بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ فسخ سمجھا جائے گا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں معاملہ فاسد نہیں ہوگا۔

بیع فاسد ہونے کی صورت میں اگر مبیع موجود ہو، تو مشتری بائع کو مبیع واپس کرے گا، اور مبیع موجود نہ ہو، تو اگر مثلی ہے، یعنی مبیع مکیلات یا موزونات کے قبیل میں سے ہے، تو اس کی مثل واپس کرے گا، اور اگر مثلی نہیں ہو، تو اس کی قیمت واپس کرے گا۔

البتہ اگر معاملہ قرض کا ہو، یا بیوی کے مہر کا ہو، تو وہی زر واپس کرنا ہوگا، اگرچہ کھوٹا ہو۔

(۲) حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں بیع فسخ نہیں ہوگی، البتہ بائع کو فسخِ بیع کا اختیار رہے گا، اور بیع فسخ نہ ہونے کی صورت میں مشتری کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگی، اب قیمت کی تعیین میں دونوں حضرات میں اختلاف ہوگیا:

(۱) ردالمحتار (۴۱/۷)

(الف) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقتِ عقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

(ب) امام محمدؒ کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ یہاں بھی صحیح اور راجح قول امام محمدؒ ہی کا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہؒ کے ہاں حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں کوئی فرق نہیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والانقطاع عن ایدی الناس کالکساد"

اسی صفحہ پر آگے فرماتے ہیں:

"والانقطاع کالکساد"

دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہوا کہ انقطاع کساد کی طرح ہے۔(۱)

مسئلہ کساد کے سلسلہ میں ہم یہاں علامہ کاسانیؒ کی عبارت بمع ترجمہ نقل کرتے ہیں، جو نہایت ہی جامع ہے:

"ولو اشتری بفلوس نافقة ثم کسدت قبل القبض انفسخ عند ابی حنیفة رحمه الله ،وعلی المشتری رد المبیع ان کان قائما وقیمته او مثله ان هالکا، وعند ابی یوسف ومحمد رحمهما الله : لایبطل البیع ، والبائع بالخیار ان شاء فسخ البیع وان شاء اخذ قیمة الفلوس.

وحجة ابی حنیفة: ان الفلوس بالکساد خرجت عن کونها ثمنا لان ثمنیتها ثبتت باصطلاح الناس ، فاذا ترک الناس التعامل بها عددا فقد زال عنها صفة الثمنیة ، ولابیع بلاثمن ، فینفسخ ضرورة.

وحجة ابی یوسف ومحمد : اولا: ان الفلوس فی

---

(۱) ردالمحتار (۴۱/۷)

الذمة ومافی الذمة لایحتمل الهلاک، فلایکون الکساد هلاکابل یکون عیبافیمایوجب الخیار ، ان شاء فسخ البیع ، وان شاء اخذقیمة الفلوس...

وثانیا: ان الواجب بقبض القرض ردمثل المقبوض وبالکساد عجز عن رد المثل لخروجها عن ردالثمنیة وصیرورتهاسلعة ، فیجب علیه قیمتها کمالو استقرض شئیا من ذوات الامثال وقبضه ثم انقطع عن ایدی الناس .

ثم اختلف ابویوسف محمد فیمابینهما فی وقت اعتبار القیمة ، فاعتبر ابویوسف وقت العقد لانه وقت وجوب الثمن ، واعتبر محمد وقت الکساد وهوآخر یوم ترک الناس التعامل بها ، لانه وقت العجز عن التسلیم ، ولواستقرض فلوسانافقةوقبضها فکسدت ، فعلیه ردمثل ماقبض من الفلوس عددا فی قول ابی حنیفة وابی یوسف ، وفی قول محمد علیه قیمتها."

''اور اگر کسی نے کوئی چیز ایسے فلوس سے خریدی، جو رائج تھے، پھر وہ قبضہ سے قبل کاسد ہوگئے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع فسخ ہوگئی، اور مشتری پر مبیع واپس کرنا ضروری ہے، اگر مبیع موجود ہو، یا اس کی مثل واجب ہوگی، اگر مبیع ہلاک ہوگئی ہو، اور صاحبینؒ کے نزدیک بیع باطل نہیں ہوتی، اور بائع کو اختیار ہے، اگر چاہے تو بیع کو فسخ کرے، اور اگر چاہے تو فلوس کی قیمت وصول کرے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فلوس کساد کی وجہ سے ثمن ہونے سے نکل گئے، کیونکہ ان کی ثمنیت لوگوں کی اصطلاح کی وجہ سے تھی، سو جب لوگوں نے فلوس کے ساتھ تعامل کو چھوڑ دیا، تو فلوس سے ثمنیت کی

صفت زائل ہوگئی، اور بیع بغیر ثمن کے نہیں ہوتی، اس لئے بیع باطل ہوجائے گی۔

اور حضرات صاحبینؒ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ فلوس واجب فی الذمہ ہیں، اور جو چیز واجب فی الذمہ ہو، وہ ہلاک نہیں ہوتی، لھذا کساد ہلاک نہیں ہوگا، البتہ کساد عیب ہوگا، جس کی وجہ سے بائع کو خیار رہے گا، چاہے تو بیع کو فسخ کرلے اور چاہے تو فلوس کی قیمت وصول کرے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرض کے قبضہ سے قرض مقبوض کی مثل واجب ہوتی ہے، اور کساد کی وجہ سے وہ مثل کی واپسی سے عاجز آ گیا، کیونکہ وہ فلوس اب ثمن نہیں رہیں، اور سامان کے حکم میں آ گئے، لھذا اس پر ان کی قیمت واجب ہوگی، جیسا کہ کسی نے کوئی مثلی چیز قرض لی اور اس پر قبضہ کیا، اور اس کے بعد وہ مثلی چیز لوگوں کے ہاتھوں سے منقطع ہوگئی۔

پھر صاحبینؒ کا آپس میں اعتبارِ قیمت کے وقت کے بارے میں اختلاف ہوگیا، امام ابو یوسفؒ نے وقتِ عقد کا اعتبار کیا، کیونکہ یہی وجوبِ ثمن کا وقت ہے، اور امام محمدؒ نے وقتِ کساد کی قیمت کا اعتبار کیا، کیونکہ تسلیم کرنے سے عاجز ہونے کا یہی وقت ہے، اور اگر رائج فلوس کو کسی نے قرض کے طور پر لیا، اور بعد میں وہ کاسد ہوگئے، تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر مقبوضہ فلوس کی مثل واپس کرنا ضروری ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر ان فلوس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے۔"(۱)

حاشیہ ابن عابدین اور فتاویٰ عالمگیریہ میں کسادِ فلوس کے بارے میں جو تفصیل تحریر ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

---

(۱) بدائع الصنائع (۷/۲۴۵)

''اگر کسی نے ان دراہم سے سودا کیا، جن میں کھوٹ غالب ہو، یا فلوس سے سودا کیا، اور ابھی ثمن بائع کو نہیں دیا تھا کہ کساد واقع ہوا، تو بیع باطل ہوگئی، اور انقطاع بھی حکم میں کساد کی طرح ہے، مشتری پر اس صورت میں واجب ہے کہ اگر مبیع موجود ہو، تو مبیع واپس کرے، اور اگر مبیع موجود نہیں، تو اس کی مثل یا قیمت واپس کرے، اور مبیع مشتری کے قبضے میں نہ ہو، تو اس صورت میں کچھ بھی واجب نہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف ہے، حضرات صاحبینؒ کے نزدیک بیع اس صورت میں باطل نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ کساد کی وجہ سے ثمن تسلیم کرنا مشکل ہوگیا، لیکن دوبارہ رواج پائے جانے کے احتمال کی وجہ سے یہ قدرت حاصل ہوسکتی ہے، لھذا بیع باطل نہیں ہوگی، البتہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک یوم البیع کی قیمت واجب ہوگی، اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت واجب ہوگی، ذخیرہ میں ہے کہ فتوی امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے، محیط، تتمہ اور حقائق میں ہے کہ لوگوں کی سہولت کی خاطر فتوی امام محمدؒ کے قول پر دیا جاتا ہے۔''(۱)

یہ حکم بیع کا ہے، اور اگر قرض کا معاملہ ہوا، اور پھر زر میں کساد واقع ہوا، تو اس میں امام صاحب کے نزدیک مثل واجب ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین کے وقت میں وہی اختلاف ہے، جو بیع میں ذکر چکا۔(۲) ایک قول میں امام محمدؒ قرض کے مسئلہ میں امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں، جیسا کہ بدائع کی عبارت کے آخر میں ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ انقطاع ہو، یا کساد، امام صاحبؒ کے نزدیک بیع کا معاملہ اس کی وجہ سے باطل اور خود بخود فسخ ہوجاتا ہے، اور اس صورت میں مشتری کے ذمہ مبیع کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر مبیع موجود نہ ہو، تو مثل اور اگر مثل بھی نہ ہو، تو اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک ان

---

(۱) ردالمحتار (۷/ ۴۱) والفتاوی الهندیه ۳/ ۲۲۵)

(۲) تنبیه الرقود (۲/ ۵۷)

''اگر کسی نے ان دراہم سے سودا کیا، جن میں کھوٹ غالب ہو، یا فلوس سے سودا کیا، اور ابھی ثمن بائع کو نہیں دیا تھا کہ کساد واقع ہوا، تو بیع باطل ہوگئی، اور انقطاع بھی حکم میں کساد کی طرح ہے، مشتری پر اس صورت میں واجب ہے کہ اگر مبیع موجود ہو، تو مبیع واپس کرے، اور اگر مبیع موجود نہیں، تو اس کی مثل یا قیمت واپس کرے، اور مبیع مشتری کے قبضے میں نہ ہو، تو اس صورت میں کچھ بھی واجب نہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف ہے، حضرات صاحبینؒ کے نزدیک بیع اس صورت میں باطل نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ کساد کی وجہ سے ثمن تسلیم کرنا مشکل ہوگیا، لیکن دوبارہ رواج پائے جانے کے احتمال کی وجہ سے یہ قدرت حاصل ہوسکتی ہے، لھذا بیع باطل نہیں ہوگی، البتہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک یوم البیع کی قیمت واجب ہوگی، اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت واجب ہوگی، ذخیرہ میں ہے کہ فتوی امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے، محیط، تتمہ اور حقائق میں ہے کہ لوگوں کی سہولت کی خاطر فتوی امام محمدؒ کے قول پر دیا جاتا ہے۔''(۱)

یہ حکم بیع کا ہے، اور اگر قرض کا معاملہ ہوا، اور پھر زر میں کساد واقع ہوا، تو اس میں امام صاحب کے نزدیک مثل واجب ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین کے وقت میں وہی اختلاف ہے، جو بیع میں ذکر چکا۔(۲) ایک قول میں امام محمدؒ قرض کے مسئلہ میں امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں، جیسا کہ بدائع کی عبارت کے آخر میں ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ انقطاع ہو، یا کساد، امام صاحبؒ کے نزدیک بیع کا معاملہ اس کی وجہ سے باطل اور خود بخود فسخ ہوجاتا ہے، اور اس صورت میں مشتری کے ذمہ مبیع کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر مبیع موجود نہ ہو، تو مثل اور اگر مثل بھی نہ ہو، تو اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک ان

---

(۱) ردالمحتار (۴۱/۷) والفتاوی الهندیه ۲۲۵/۳)

(۲) تنبیه الرقود (۵۷/۲)

ترتبت فی ذمته قبل قطع التعامل بها او تغیرها ."

"اگر فلوس یا دنانیر یا دراہم باطل ہوگئے ، جو کسی شخص کے دوسرے کے ذمہ واجب تھے، پس ان کا تعامل ختم ہوگیا، تو جس کے ذمہ یہ زر واجب تھا، تغیر یا قطع تعامل سے قبل جو زر رائج تھا، اس کی مثل اس پر واجب ہے۔"(۱)

منح الجلیل میں ہے:

"ومن ابتاع بنقد او اقترضه ثم بطل التعامل به لم یکن علیه غیره ."

اور المعیار میں ہے:

"وافتی ابو الولید الباجی انه لایلزمه الاالسکة الجاریة حین العقد"

"ابو الولید باجیؒ نے فتوی دیا ہے کہ مدیون پر وہی سکہ ادا کرنا واجب ہے، جو عقد کے وقت جاری تھا۔"(۲)

فقہ شافعی کی مشہور کتاب المجموع میں ہے:

"ولو باع بنقد معین او مطلق وحملناه علی نقد البلد فابطل السلطان المعاملة بذلک النقد لم یکن للبائع الاذلک النقد هذا هوا لمذهب ."

"اور اگر کسی معین زر یا مطلق زر سے سودا کیا، اور اس کو ہم نے نقد البلد پر محمول کیا، پھر سلطان اس زر کے ساتھ معاملہ کو باطل کر دیا، تو

---

(۱) حاشیة الدسوقی (۱/۵۴).

(۲) المعیار المعرب ، الونشریسی (احمد بن یحی المتوفی ۹۱۴ھج) بیروت ، دارالغرب الاسلامی ۱۴۰۱ھج (۱۶۴/۶)

بائع کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو بوقتِ عقد جاری تھا، اور یہی مذہب ہے۔"(۳)

روضۃ الطالبین میں ہے:

ولو اقرضه نقدا فابطل السلطان المعاملة به، فليس له الاالنقد الذى اقرضه نص عليه الشافعي رضى الله عنه ."

"اور اگر اس کو زر قرض دیا، اور پھر سلطان نے اس زر کے ساتھ معاملہ کو باطل کر دیا، تو مقرض کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو اس نے قرض دیا، اسی کی تصریح امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔"(۲)

اور المجموع میں ہے:

"وحكى البغوى والرافعي وجها ان البائع مخير ان شاء اجاز البيع بذلك النقد وان شاء فسخه ."

"اور بغوی اور رافعیؒ نے ایک اور طریقہ بھی بیان کیا ہے، اور یہ کہ اس صورت میں بائع کو اختیار ہے، چاہے تو بیع اسی زر کے ساتھ نافذ کرے، اور اگر چاہے، تو بیع کو فسخ کرے۔"(۳)

ان تمام عبارات کا حاصل یہ نکلا کہ ان حضرات (مالکیہ اور شافعیہ) کے نزدیک راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ کساد کی صورت میں حقدار وہی سکہ یا زر وصول کرے گا، جو بوقتِ عقد رائج تھا، اگر چہ وہ اس پر کساد طاری ہو گیا، خواہ معاملہ بیع کا ہو، یا قرض کا ہو۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک انقطاع اور کساد میں حکم کے اعتبار سے فرق

---

(۱) المجموع شرح المهذب، النووى (ابوزكريا محى الدين بن شرف النووى المتوفى ٦٧٦ هج، بيروت، دارالفكر (٣٣١/٩)

(۲) روضة الطالبين للنوویؒ (٣٧/٤)

(۳) المجموع شرح المهذب للنووى (٢٨٢/٩)

ہے، جس کی تفصیل گزر چکی۔

حنابلہ:

کساد کی صورت میں حنابلہ کے نزدیک بھی قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین میں ان کے نزدیک تین اقوال ہیں:

الف: وقت الکساد کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسا کہ حنفیہؒ میں سے امام محمدؒ کا موقف ہے، اور یہی قول ان کے ہاں راجح ہے۔

ب: وقتِ معاملہ کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا موقف ہے۔

ج: وقتِ خصومت کا اعتبار ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"ان كان القرض فلوسا او مكسرة فحرمها السلطان وتركت المعاملة بها لانه كالعيب فلايلزمه قبولها ، ويكون له قيمتها وقت القرض سواء كانت باقية او استهلكها نص عليه احمد فى الدراهم المكسرة ، فقال: يقومها كم تساوى يوم اخذها ثم يعطيه ، وسواء نقصت قيمتها قليلا او كثيرا ، وذكر ابوبكر فى التنبيه : انه يكون له قيمتها وقت فسدت وتركت المعاملة بها ، لانه كان يلزمه مثلها مادامت نافقة ، فاذا فسدت انتقل الى قيمتها حينئذ كم لوعدم المثل الخ"

"اگر قرض فلوس ہوں، یا ٹوٹے ہوئے دراہم تھے، پھر سلطان نے ان کو حرام قرار دیا، اور تعامل متروک ہوگیا، تو یہ عیب کی طرح ہے، لهذا صاحب حق کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ان کا سد زر کو قبول کرے، اور مقروض پر اس زر کی قیمت واجب ہوگی، جس میں وقت قرض کا اعتبار ہوگا، خواہ وہ زر اس کے پاس ابھی رکھا ہوا ہو، یا اس نے خرچ کیا ہو، امام

احمدؒ نے دراہم مکسرہ میں اس کی تصریح کی ہے، اور فرمایا کہ یہ قیمت لگائی جائے گی کہ یوم الاخذ میں اس کی قیمت تھی، چنانچہ وہ قیمت ادا کرے گا، خواہ اس کی قیمت زیادہ کم ہوئی ہو، یا معمولی کم ہوئی ہو، اور ابوبکر نے تنبیہ میں ذکر فرمایا ہے کہ یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اس کے ذمہ اس کی مثل واجب تھی رائج ہونے کی صورت میں، پس جب یہ زر کاسد ہوگیا، تو اب بات قیمت تک پہنچی، جیسا کہ اگر مثل معدوم ہوجائے۔"(۱)

کشاف القناع میں ہے:

"ان کان القرض فلوسا اودراهم مکسورة فيحرمها ای يمنع الناس من المعاملة بها السلطان او نائبه سواء اتفق الناس على ترک المعاملة بها او لا، لانه کالعيب، فلايلزمه قبولها، فللمقترض القيمة عن الفلوس والمکسرة فی هذه الحال وقت القرض الخ"(۲)

علامہ مرداویؒ فرماتے ہیں:

ان کان فلوسا اومکسرة فيحرمها السلطان (الصحيح من المذهب ان له القيمة سواء اتفق الناس على ترکها او لاوعليه اکثر الاصحاب، وجزم به کثير منهم ،.... وقال فی المستوعب : وهو الصحيح عندی ...وقيل : له القيمة وقت الخصومة "(۳)

---

(۱) المغنی معه الشرح الکبير، المقدسی (موفق الدين ابن قدامه وشمس الدين بن قدامه المقدسی ، بيروت ، دارالکتاب العربی ۱۳۹۲هج (۳۶۵/۴)

(۲) کشاف القناع للبهوتی (۳۰۱/۳)

(۳)الانصاف ، المرداوی(علاء الدين ابی الحسن علی بن سليمان طبع اول ۱۳۷۶هج(۱۲۷/۵)

ان عبارات کا بھی وہی مطلب ہے جو علامہ ابن قدامہ کے حوالہ سے گزر گیا، البتہ اس میں وقتِ خصومت کی تصریح ہے۔

خلاصہ بحث:

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہوا کہ کساد ہو یا انقطاع امام صاحبؒ کے نزدیک اس سے خود بخود بیع فسخ ہو جاتی ہے، اور مشتری کے ذمہ مبیع یا مثل یا اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ صاحبین سمیت جمہور مشائخ اور علماء کے نزدیک دونوں حالتوں میں بیع خود بخود فسخ نہیں ہوتی، پھر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں حالتوں میں یوم العقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الانقطاع یا یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور اسی پر فتوی ہے، لھذا حنفیہؒ کے نزدیک حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں کوئی فرق نہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک دونوں حالتوں میں فرق ہے، چنانچہ حضرات مالکیہؒ کے نزدیک انقطاع میں: وقتِ فیصلہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جبکہ کساد میں وہی سکہ واپس کرنا ہوگا، جو بوقتِ عقد جاری تھا، شافعیہ کے ہاں انقطاع میں وقت مطالبہ کی قیمت کا اعتبار ہے، جبکہ کساد میں ان کے ہاں وہی سکہ واپس کرنا ہوگا، جو عقد کے وقت جاری اور رائج تھا، حنابلہؒ کے ہاں انقطاع میں یوم الانقطاع کی قیمت معتبر ہوتی ہے، جبکہ ان کے ہاں کساد میں تین مختلف اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

اور یہی تفصیل قرض میں بھی ہے، البتہ امام صاحبؒ کے نزدیک قرض میں مثل واجب ہوگی، خواہ انقطاع کی حالت ہو، یا کساد کی۔

(اگلے صفحہ پر نقشہ مذاہب ملاحظہ ہو!)

نقشہ مذاہب

حالت	امام	قول
انقطاع	امام ابوحنیفہؒ	بیع فسخ رقرض میں مثل واجب
	مالکیہؒ	وقتِ فیصلہ کی قیمت، بیع ہو یا قرض
	شافعیہؒ	وقتِ مطالبہ کی قیمت
	حنابلہ+امام محمدؒ	یوم الانقطاع، عند الامام محمد بائع کو خیار حاصل ہوگا۔
	امام ابویوسفؒ	یوم العقد، بائع کو فسخ کا خیار حاصل ہوگا۔
کساد	امام ابوحنیفہؒ	بیع فسخ، قرض میں مثل واجب
	مالکیہ وشافعیہ	وہی سکہ جو بوقتِ عقد جاری تھا واجب ہوگا۔
	امام ابویوسف	وقتِ عقد کی قیمت رخیارِ فسخ بھی
	حنابلہ+امام محمدؒ	یوم الکساد کی قیمت رعند محمد خیار فسخ بھی

پر اسکے اثرات۔

کسان اور تاجر پر افراطِ زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی پیداوار کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اوران کی آمدنی میں اضافہ ہوجاتا ہے، اسی طرح افراطِ زر کے نتیجہ میں زرعی وصنعتی اشیاء کی پیداوار بڑھ جاتی ہے، اورنئی سے نئی اشیاء مارکیٹ میں دستیاب ہوجاتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ افراطِ زر کا کسان، تاجراور صنعت کاراور اشیاءِ پیداوار پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح سرمایہ کاری اورروزگار پر بھی افراطِ زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ جب اشیاء کی قیمتیں بڑھیں گی، تو نئے کارخانے کھلیں گے، لوگ کاروباراور تجارت میں دلچسپی لیں گے، اوراس طرح سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا، اور بے روزگاری میں کمی آئے گی، جبکہ تقسیمِ دولت پر افراطِ زر کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور تقسیم دولت میں افراطِ زر سے بے اعتدالی پیدا ہوجاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ افراطِ زر سے قرض خواہ، مزدوراور تقسیم دولت پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جبکہ کسان، تاجر، صنعت کار، اشیاء کی پیداوار، سرمایہ کاری اورروزگار پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

افراط اور تفریطِ زر سے متعلق شرعی نقطہ نظر:

عربی میں افراط زر کو ''رخص'' یا ''تضخم'' کہتے ہیں، اور تفریط زر کو ''غلاء'' یا ''انکماش'' کہتے ہیں، رخص اور غلاء قدیم الفاظ ہیں، جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، اور تضخم وانکماش جدید الفاظ ہیں، جو کتب جدیدہ میں مذکور ہیں۔

''رخص'' کے معنی سستا ہونے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر سستا ہوگیا، یعنی قدر گھٹ گئی، اور یہی افراط ہے، اور ''غلاء'' کے معنی مہنگا ہونے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر مہنگا ہوگیا، یعنی قدر بڑھ گئی، اور یہی تفریط ہے۔

''تضخم'' کے معنی بڑھنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کی مقدار بڑھ گئی، اور یہی افراط ہے، اور ''انکماش'' کے معنی سکڑنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کی مقدار سکڑ گئی، اور یہی تفریط ہے، زر کے مہنگے اور سستے ہونے کے بارے میں فقہاء امت کے دو قول مشہور ہیں، ایک قول جمہور علماء کا ہے، اور دوسرا قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔

قدرِ زر کے تغیرات کے اثرات اور نتائج:

زر کی قدر کم یا زیادہ ہونے سے تمام طبقہ ہائے زندگی متاثر ہوتے ہیں، لیکن سب پر ایک جیسا اثر مرتب نہیں ہوتا، بلکہ کسی طبقہ پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے، اور کسی طبقہ پر برا اثر مرتب ہوتا ہے، ذیل میں اس مسئلہ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے:

مختلف قرضوں پر اس کا اثر: افراطِ زر سے متاثر ہونے طبقہ قرضہ دھندگان (Creditors) ہیں، یعنی وہ لوگ ہیں، جو قرضہ دیتے ہیں، چنانچہ جب افراطِ زر ہوتا ہے، یعنی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، تو ان لوگوں کو نقصان ہوتا ہے، جنہوں نے قرض دے رکھا ہو، کیونکہ انہیں اپنا قرض واپس ملتا ہے، تو اس کی قدر پہلے سے گر چکی ہوتی ہے، مثلاً اگر زید نے عمرو کو ۸۸ء میں ایک لاکھ روپے بطور قرض دئے ہوں، اور ۲۰۰۲ء میں واپس کر رہا ہے، تو ۸۸ء میں ایک لاکھ روپے کی قوت خرید ۲۰۰۲ء کی قوت خرید سے یقیناً زیادہ ہوگی، جتنا سامان ایک لاکھ روپے میں ۸۸ء میں آسکتا تھا، وہ ۲۰۰۲ء میں نہیں آسکتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ زر (Creditor) خسارے میں مبتلا ہو گیا۔

اور اسکے برعکس تفریطِ زر کی حالت میں زید کا فائدہ ہوگا، کیونکہ ایک لاکھ روپے کی قیمت خرید میں اضافہ ہوا ہوگا۔

مزدوروں کی اجرتوں پر اس کا اثر: افراطِ زر سے متاثر ہونے دوسرا طبقہ مختلف فیکٹریوں کے مزدور لوگ ہیں، افراطِ زر کے نتیجہ میں جب قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور ان کو اجرت وہی ملتی ہو، جو پہلے سے چلی آرہی ہے، تو اس سے ان لوگوں کو یقیناً نقصان ہوگا۔

ان مسئلوں کا تعلق حقوق وواجبات سے ہے، اس لئے کہ قرض / دین (Debt) صاحبِ قرض کا حق ہے، جسے مقروض پر واپس کرنا واجب ہے، اسی طرح اجرت مزدور اور ملازم کا حق ہے، جسے ادا کرنا آجر پر واجب ہے، اس وجہ سے ان دو مسئلوں کو ذکر کرنے میں مقدم کیا، اور ان کو نمایاں کیا، نیز آگے جو ہم ''اشاریہ'' یا (Index) نمبر بیان کریں گے، اس کا تعلق ان مسئلوں یعنی قرض اور اجرت سے ہے۔

اس کے علاوہ قدرِ زر میں تغیرات کے اور بھی اثرات ہیں، مثلاً کسان طبقہ پر اس کا اثر اور تاجر وصنعت کار پر اس کا اثر، اشیاء کی پیداوار پر اس کا اثر، تقسیم دولت پر اس کے اثرات اور سرمایہ کاری اور روزگار

۵..........طلب میں کمی بیشی: بعض اوقات غیر متوقع ناگہاں مثلاً جنگ کے باعث اشیاء کی مانگ بڑھ جاتی ہے، اور قیمتوں کی سطح بلند ہو جاتی ہے، اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۶..........سرکاری بجٹ: اگر کسی سال حکومت کی متوقع آمدنی اسکے اخراجات سے کم ہو، تو مرکزی بنک سے قرض لیکر اس کمی کو پورا کرتی ہے، جس کے باعث افراطِ زر رونما ہو جاتا ہے، اور اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

۷..........بیرونی تجارت: اگر کسی ملک کی بیرونی ادائیگیوں کا توازن خراب ہو جائے، یعنی اس نے اشیاء برآمد کم کی ہوں، اور درآمد زیادہ کی ہوں، تو اس کی کرنسی کی بیرونی قدر کم ہو جاتی ہے، باہر سے آنے والی اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور یوں ملک کے اندر بھی زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۸..........محصولات: اگر حکومت درآمد ہونے والی اشیاء پر بھاری محصول لگائے، تو ان اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے۔(۱)

تفریطِ زر:(Deflation)

تفریطِ زر، افراطِ زر کے برعکس صورت کا نام ہے، اس میں قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں، اور زر کی قدر بڑھ رہی ہوتی ہے۔

تفریطِ زر کا رجحان اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب زر کی رسد میں کمی کی وجہ سے اشیاء وخدمات کی پیداوار کے مقابلہ میں قیمتوں میں زیادہ کمی ہو رہی ہوتی ہے۔(۲)

---

(۱) کتاب معاشیات حصہ دوم (ص ۱۵۸)

(۲)تعارف زروبنکاری، اور Ludwing Von Mises کہتے ہیں:

"Deflation signifies a diminustion of the quantity of money which is not offset by a corresponding diminustion of the demand for money , so that an increase in the objective excange value of money must occur".P:272

افراطِ زر کی خصوصیات:(Chracteristics)

افراطِ زر کی تین خصوصیات ہیں، جن پر سارے معیشت دان متفق ہیں:

۱............قیمتوں میں اضافہ: افراطِ زر کے نتیجہ میں قیمتوں میں لازماً اضافہ ہوتا ہے۔

۲............زر کی رسد میں اضافہ: جب قومی وسائل حکومت کی مالیاتی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہتے ہیں، تو وہ بنکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں اور عوام سے سرکاری کفالتوں یا بانڈز کی ضمانت پر قرضے حاصل کر کے اپنا کام چلاتی ہے، حکومت کے اس اقدام سے زر اعتباری (Credit Money) میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۳............اپنی تقویت کا خود باعث بننا: افراطِ زر کا چکر جب ایک دفعہ شروع ہو جاتا ہے، تو پھر یہ خود بخود مضبوط سے مضبوط تر اور شدید سے شدید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

افراطِ زر کی چند مشہور قسمیں:

اپنی شدت اور کمی کے لحاظ سے افراطِ زر کی متعدد قسمیں ہیں، جن میں بعض مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:

۱............رینگتا ہوا افراطِ زر (Creaping Inf): یہ اپنے اثرات کے لحاظ سے افراطِ زر کی سب سے سست رفتار قسم ہے، اس لئے معیشت کے لئے زیادہ خطرناک تصور نہیں کیا جاتا، عموماً ۳٪ سالانہ کے حساب سے قیمتوں میں مسلسل اضافہ کو رینگتے ہوئے افراطِ زر سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۲............اچھلتا ہوا افراطِ زر:(Troting Inf): یہ افراطِ زر پہلی قسم کی نسبت سے زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے، عموماً ۳٪ سے ۶٪ سالانہ اضافہ کو اچھلتا ہوا افراطِ زر کہتے ہیں۔

۳............تیز رفتار افراطِ زر: (Running Inf) قیمتوں میں ۱۰٪ سالانہ اضافے کو کہتے ہیں۔

۴............شدید افراطِ زر:(Hyper Inf) اس میں ہر ماہ قیمتوں میں ۲۰٪ تا ۳۰٪ کے

حساب سے اضافہ ہوتا ہے۔

۵............رکودی افراطِ زر: (Stagflation) جب معیشت گرم بازاری کے بعد مراجعت (Recession) اور افراطِ زر کے اثرات سے بیک وقت دوچار ہوتی ہے، تو یہ حالت رکودی افراطِ زر کی ہوتی ہے، اس میں ایک طرف پیداوار میں جمود کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف قیمتوں میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے، اپنے اثرات کے لحاظ سے یہ سب سے خطرناک قسم ہے۔

قدرِ زر میں تغیرات پیدا کرنے والے عوامل:

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی زر کی پیداوار میں اضافہ یا کمی کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی کئی اسباب کی بناء پر ہوتی ہے، جنہیں ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

۱...........زر کی مقدار: اگر زر کی مقدار بڑھ جائے، تو اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور کرنسی کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۲..........پیداوار کی مقدار: اگر ملک میں زرعی اور صنعتی اشیاء کی مقدار بڑھ جائے، تو قیمتیں گر جاتی ہیں، اور زر کی قدر بڑھ جاتی ہے، اس کے برعکس اگر اشیاء کی مقدار کم ہو جائے، تو اشیاء کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۳............زر کی گردش کی رفتار: اگر زر کی گردش کی رفتار تیز ہو جائے، تو زر کی اکائی پہلے سے زیادہ مرتبہ اشیاء خریدنے کے لئے استعمال ہو، تو قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس جب سرد بازاری کے دوران زر کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے، تو قیمتیں گر جاتی ہیں، اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے، کیونکہ لوگ روپیہ خرچ کرنے کی بجائے اپنے پاس رکھنا پسند کرتے ہیں۔

۴............آبادی کی تعداد: اگر آبادی بڑھ جاتی ہے، لیکن اشیاء کی پیداوار جوں کی توں رہے، تو طلب بڑھ جاتی ہے، اور اس کے نتیجہ میں قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اگر کسی ملک میں کرنسی اس قدر گر گئی کہ اس کو کساد کہا جا سکتا ہو، تو وہاں قروض اور دیون میں امام محمد یا امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی، اس سلسلہ میں امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرنا زیادہ آسان ہے، کہ جس وقت معاملہ ہو رہا تھا، اس وقت کرنسی کی حقیقی قیمت کیا تھی، اسکے حساب سے حقدار کو حق ملے گا۔

افراطِ زر(Inflation)

اس میں ہم سب سے پہلے معاشی نقطہ نظر سے افراط زر اور تفریط زر کے معنی، اقسام، وجوہات اور اثرات کا خلاصہ بیان کریں گے، اس کے بعد شرعی نقطہ نظر سے اس پر کلام کریں گے۔

افراطِ زر کے معنی: افراطِ زر کے کسی قطعی اور صحیح مفہوم کے بارے میں شروع سے ہی معیشت دانوں میں شدید اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، اسے نیو کلاسیکل معیشت دانوں نے پہلی بار متعارف کرایا، ان کے خیال میں افراطِ زر سے مراد ایسی صورتحال ہے کہ جس میں:

''زر کی مقدار میں حد سے زیادہ اضافہ ہونے کے نتیجے میں
اشیاء میں تیزی سے اضافہ ہونے لگتا ہے۔''

دور حاضر کے معیشت دان افراط زر کو محض زر کی رسد میں اضافہ کا سبب قرار نہیں دیتے، بلکہ اسے متعدد وجوہات میں سے ایک اہم ترین وجہ تصور کرتے ہیں، بعض حضرات افراطِ زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''قیمتوں کی سطح میں مستقل اور مسلسل اضافہ کا نام افراطِ زر ہے''(۱)

(۱) تعارف زر و بنکاری ص ۸۳

'' ______ : The Thoery of Money and Credit

"An increase in the quantity of money
that is not offset by a corresponding increase
in the need for money , so that a fall in the
objective excange value of money must
occur."P: 272

اس تعریف میں ''زر کی قدار میں اضافہ'' کی قید نہیں۔

قولِ جمہور:

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اس سلسلہ میں یہ ہے کہ زر مہنگا ہو یا سستا ہو، دین دار کے ذمہ وہی نقد واجب ہوگا، جو بوقت معاملہ اس کے ذمہ واجب ہو چکا تھا، اس کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کا حاصل یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک ''رخص وغلاء'' کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، اور اس سے قرض یا دین یا اجرت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اگر عقد کے وقت فلوس کی قیمت ایک ہزار درہم تھے، اور بعد میں ان کی قیمت سو رہ گئی، یا بوقت عقد فلوس کی قیمت ایک سو درہم تھی، اور بعد میں ان کی قیمت ایک ہزار ہوگئی، دونوں صورتوں میں وہی فلوس ادا کرنے ہوں گے، جو دین دار کے ذمہ واجب تھے، سو ہونے یا ایک ہزار ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

شرح الزرقانی میں ہے:

> ''وان بطلت فلوس ترتبت لشخص علی آخر ای قطع التعامل بها بالكلية واولى تغيرها بزيادة او نقص مع بقاء عينها ، فالمثل على من ترتبت فى ذمته قبل قطع التعامل بها او التغير ، ولو كانت حين العقد مائة درهم ، ثم صارت الفابه كما فى المدونة اى او عكسه لانها من المثليات''

> ''اور اگر وہ فلوس جو کسی کے کسی کے ذمہ واجب تھے، متروک التعامل ہو گئے، اور اس حکم میں فلوس کا زیادت یا نقصان کے ساتھ متغیر ہونا بطریقہ اولی شامل ہے، تو اس صورت میں دین دار پر مثل واجب ہے، اگرچہ عقد کے وقت فلوس سو درہم کے برابر تھے، اور پھر ایک ہزار ہو گئے، یا اسکا برعکس، کیونکہ فلوس مثلیات میں سے ہیں۔''(۱)

حاشیہ دسوقی میں ہے:

---

(۱) شرح الزرقانی (۶۰/۵)

"اذا بطلت فلوس ترتبت لشخص علی غیره بقرض او بیع او نکاح او کانت عنده ودیعة وتصرف فیها ، وکذا لو دفعها لمن یعمل بها قراضا ، فالواجب المثل علی من ترتبت فی ذمته ، ولو کانت الفلوس حین العقد مائة بدرهم ثم صارت الفابه."

"جب وہ فلوس باطل ہو جائیں، جو کسی شخص کے دوسرے کے ذمہ واجب تھے، خواہ قرض کے طریقہ سے یا بیع یا نکاح کے طریقہ سے، یا اسکے پاس ودیعت کے طور پر رکھے ہوئے تھے، اور اس نے ان میں تصرف کیا، اسی طرح اگر اس کو مضاربت کے طور پر دئے تھے، تو ان تمام صورتوں میں دین دار کے ذمہ مثل واپس کرنا ضروری ہے، اگرچہ فلوس عقد کے وقت ایک درہم کے بدلہ سو تھے، اور بعد میں ایک ہزار ہو گئے۔"(۱)

منح الجلیل میں ہے:

"ان اقرضته دراهم فلوسا ، وهو یومئذ مائة فلس بدرهم ثم صارت مائتی فلس بدرهم فانما یردعلیک مثل مااخذ لاغیر ذلک ."

"اگر آپ نے اس کو دراہم فلوس کی شکل میں قرض دئے، اور اس دن صورتحال یہ ہو کہ ایک درہم کے سو فلوس بنتے تھے، پھر صورتحال بدل گئی، اور اب ایک درہم کے بدلہ میں دو سو فلس آتے ہیں، تو وہ آپ کو وہی فلوس دے گا، جو اس نے لئے تھے، ان کے علاوہ کچھ واجب نہیں۔"(۲)

---

(۱) حاشیة الدسوقی (۴۵/۳ بتصرف یسیر)

(۲) منح الجلیل (۵۳۵/۲)

المعیار میں ہے:

''سئل سعيد بن لب عن رجل باع سلعة بالناقص المتقدم بالحلول فتاخر الثمن الى ان تحول الصرف وكان ذلك على جهة فبايهما يقضى له ؟ وعن رجل آخر باع بالدراهم المفلسة فتاخر الثمن الى ان تبدل فبايهما يقضى له ؟

فاجاب : لايجب قبل المشترى الامانعقد البيع في وقته لئلا يظلم المشترى بالزامه مالم يدخل عليه في عقده .''(۱)

اس عبارت کا حاصل بھی وہی ہے، جو دوسری عبارات میں ذکر ہوا، اور وہ یہ کہ تغیرِ زر کی صورت میں وہی زر واجب ہوگا، اس کی قیمت واجب نہیں ہوگی۔

علامی سیوطیؒ فرماتے ہیں:

ان باع برطل فلوسا فهذا ليس له الارطل زاد سعره ام نقص ...فان باع بالف فلوسا اوفضة او ذهبا ثم يتغير السعر فظاهر عبارة الروضة المذكورة ان ليس له الامايسمى الفا عند البيع ولاعبرة بماطرأ .

''ایک رطل کے عوض میں فلوس بیچے، تو اس کو ایک ہی رطل ملے گا، اس کی قیمت زیادہ ہو جائے، یا کم ہو جائے۔۔۔ لهذا ایک ہزار کے بدلہ میں اگر کسی نے فلوس یا سونا یا چاندی بیچی، اور پھر قیمت بدل گئی، تو اس صورت میں ''الروضہ'' کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو وہی ملے گا، جس کو بیع کے وقت ''ہزار'' کہا جاتا تھا، اور جو تغیر پیش آیا ہے،

(۱) المعيار المعرب (۶/۴۶۲)

اس کا کوئی اعتبار نہیں۔"(۲)

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"ویرد وجوبا حیث لااستبدال المثل فی المثلی لانه اقرب الی حقه"

"مثلی میں مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، کیونکہ مثلی میں مثل کو قیمت کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں، اور یہ حقدار کے حق کے زیادہ قریب ہے۔"(۲)

علامہ قدامہؒ فرماتے ہیں:

"واما رخص السعر فلایمنع سواء کان قلیلا او کثیرا لانه لم یحدث فیها شئی انما تغیر السعر، فاشبه الحنطة اذا رخصت او غلت"

"جہاں تک قیمت کا گھٹنا ہے، تو یہ مانع نہیں، خواہ یہ کمی زیادہ ہو، یا کم ہو، کیونکہ اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی، صرف ریٹ بدل گیا، تو یہ ایسا ہوا جیسا کہ گندم کی قیمت گھٹ جائے، یا بڑھ جائے۔"

(۳)

شرح المجلہ میں ہے:

"استقرض من الفلوس الرائجة والعدالی ای الدرهم الغالب غشها فکسدت فعلیه مثلها کاسدة ولایغرم قیمتها، وکذا کل ما یکال ویوزن لما مر انه مضمون بمثله

(۱) الحاوی للفتاوی (۹۷/۱)

(۲) تحفة المحتاج (۴۴/۵)

(۳) المغنی لابن قدامه (۴۴۲/۶)

فلاعبرة بكساد وغلاءه ورخصه ، وهذا عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى "

''کسی نے فلوس رائجہ یا عدالی میں سے قرض لیا، پھر کساد واقع ہوا، تو مستقرض کے ذمہ مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، اگر چہ وہ مثل کاسد ہی کیوں نہ ہو، اور وہ قیمت کا ذمہ دار نہیں، اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے، جس کو ناپا جاتا ہو، یا وزن کیا جاتا ہو، کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس کا ضمان مثل کے ساتھ واجب ہے، لھذا کساد یا ریٹ بڑھنے یا گھٹنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔''(۱)

امام ابو یوسفؒ کا مذہب:

امام ابو یوسفؒ کا مذہب اس سلسلہ میں یہ ہے کہ زر کے مہنگا ہونے یا سستا ہونے کی صورت میں قیمت ادا کرنا واجب ہے، حضرات حنفیہؒ کے ہاں فتوی اور عمل اسی قول پر ہے، اگر قرض ہو، تو قرض میں یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہے، اور اگر بیع ہو، تو بیع میں یوم العقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"اذا غلت الفلوس قبل القبض او رخصت ، قال ابويوسف : قولي وقول ابى حنيفة فى ذلك سواء ، وليس له غيرها ثم رجع ابويوسف وقال: عليه قيمتها من الدراهم يوم وقع البيع اى فى صورة البيع ويوم وقع القرض اى فى صورة القرض ، وبه علم ان فى الرخص والغلاء قولان ، الاول: ليس له غيرها ، والثانى : قيمتها يوم البيع وعليه الفتوى "

''قبضہ سے پہلے فلوس مہنگے ہو گئے، یا سستے ہو گئے، تو امام

(۱) شرح المجلة للاتاسی (۴۳۸/۲)

ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس میں میرا اور امام ابوحنیفہؒ کا قول ایک ہے، اور یہ کہ اس کو یہی فلوس ملیں گے، لیکن بعد میں امام ابو یوسفؒ نے رجوع فرمایا، اور فرمایا کہ اس پر دراہم کی شکل میں ان کی قیمت واجب ہوگی، اور اس قیمت میں یوم البیع کا اعتبار ہوگا، اگر بیع ہو، اور یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر معاملہ قرض کا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ رخص اور غلاء میں دو قول ہیں، پہلا قول یہ کہ مثل واجب ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم البیع کی قیمت واجب ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔" (۱)

اور علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

"اذا غلت قيمة الفلوس او انتقصت ، فالبيع على حاله ولايتخير المشترى ، ويطالب بالنقد بذلك العيار الذى كان وقت البيع ، كذا فى فتح القدير ، وفى البزازية عن الملتقى: غلت الفلوس اورخصت فعندالاما م الاول والثانى اولا : ليس عليه غيرها ، وقال الثانى ثانيا: عليه قيمتها من الدراهم يوم البيع والقبض وعليه الفتوى ، وهكذا فى الذخيرة والخلاصة بالعزو الى المنتقى ، وقد نقله شيخنا فى بحره وقره فحيث صرح بان الفتوى عليه فى كثير من المعتبرات فيجب ان يعول عليه افتاء وقضاء الخ"

"جب فلوس کی قیمت بڑھ جائے، یا گھٹ جائے، تو بیع اپنے حال پر برقرار رہے گی، اور مشتری کو فسخ کا اختیار بھی نہیں رہے گا، اور مشتری سے اس زر کا مطالبہ کیا جائے گا، جو بیع کے وقت تھا، اسی طرح

(۱) تنبیه الرقود (۲/۵۸)

فتح القدیر میں بھی مذکور ہے، اور بزازیہ میں المنتقی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فلوس کی قیمت بڑھ گئی، یا گھٹ گئی، تو امام اول اور امام ثانی کے نزدیک پہلے یہ مسئلہ تھا کہ مشتری کے ذمہ ان متغیرہ فلوس کے علاوہ مزید کچھ واجب نہیں، اور امام ثانی (امام ابو یوسفؒ) نے بعد میں کہا کہ اس پر دراہم کی شکل میں ان فلوس کی قیمت واجب ہوگی، اور اسی پر فتوی ہے، اسی طرح ذخیرہ اور خلاصہ میں منتقی کے حوالہ سے ہے، اور اس کو ہمارے شیخ نے اپنے بحر میں نقل کیا ہے، اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ بہت ساری مستند کتابوں میں اسی پر فتوی نقل کیا گیا ہے، لھذا اسی پر فتوی میں بھی اور قضاء میں بھی اعتماد کرنا چاہیئے۔(۱)

العقود الدریہ میں ہے کہ:

"وان رخصت او غلت فقیل : لیس للبائع غیرها ، ای یجب علی المشتری رد المثل ، وقیل : تجب قیمتها یوم البیع او یوم القبض فی صورة القرض ، وعلیه الفتوی"

"اور اگر فلوس سستے ہو گئے یا مہنگے ہو گئے، تو ایک قول یہ ہے کہ بائع کو یہی فلوس ملیں گے، یعنی مشتری مثل واپس کرنا واجب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ بیع میں یوم البیع اور قرض میں یوم القبض کی قیمت ادا کرنا واجب ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔"(۲)

علامہ ابن عابدین نے اس بات پر علامہ غزیؒ کا جزم ذکر فرمایا ہے کہ اس سلسلہ میں فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وقد تتبعت کثیرا من العتبرات من کتب مشائخنا

(۱) تنبیہ الرقود (۲/۶۰)

(۲) العقود الدریة (ص ۲۸۰)

المعتمدة فلم ار من جعل الفتوی علی قول ابی حنیفة رضی الله عنه ، بل قالوا: به کان یفتی القاضی الامام، واما قول ابی یوسف فقد جعلوا الفتوی علیه فی کثیر من المعتبرات فلیکن المعول علیه''

''میں نے (علامہ غزی نے) اپنے مشائخؒ کی بہت ساری معتمد کتابوں کا مطالعہ کیا، تو میں کسی کو نہیں دیکھا جس نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتوی دیا ہو، البتہ ان کے قول کے مطابق قاضی امامؒ فتوی دیا کرتے تھے، جہاں تک امام ابو یوسفؒ کے قول کا تعلق ہے، تو اس کے مطابق بہت ساری معتبر کتابوں میں فتوی دیا گیا ہے، لھذا اسی پر اعتماد کرنا چاہیئے۔(۱)

فائدہ:

یاد رکھنا چاہیئے کہ کساد، غلاء اور رخص کے ان احکام اور تفصیلات کا تعلق ثمن خلقی سے نہیں، بلکہ صرف ثمن عرفی سے ہے، کیونکہ ثمن خلقی مثلاً سونا یا چاندی کی ثمنیت کبھی بھی باطل نہیں ہوتی، تو اس میں کساد کا تصور نہیں، اسی طرح غلاء یا رخص سے اس میں زیادہ تغیر واقع نہیں ہوتا، جس سے عاقدین کو نقصان یا ضرر پہنچ جائے، تو یہاں اس قسم کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اور سونے چاندی میں مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، اور کسی کے نزدیک بھی قیمت کا اعتبار نہیں، بخلاف ثمن اصطلاحی اور عرفی کے، کہ اس میں کساد بھی مؤثر ہوتا ہے، جس کی وجہ بالکل واضح ہے، اسی طرح غلاء اور رخص سے اس میں کافی تغیر واقع ہو سکتا ہے، جس سے عاقدین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے عاقدین کو نقصان سے بچانے کے لئے امام ابو یوسفؒ نے مذکورہ قول اختیار کیا، اور حنفیہ نے اسی کے مطابق فتوی دیا، کیونکہ یہ قول مزاجِ شریعت کے زیادہ قریب ہے، اور وہ یہ کہ حقدار کا حق محفوظ رہے، اور اس کو ضرر لاحق نہ ہو۔

(۱) تنبیه الرقود (۶۵/۲)

حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کا صحیح محمل:

یہاں یہ بات سمجھنی نہایت ضروری ہے کہ غلاء اور رخص کے سلسلہ میں حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے، کہ فلوس سستے ہونے یا مہنگے ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک مثل واپس کرنا ضروری نہیں ، بلکہ قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فلوس میں غلاء اور رخص کا اعتبار کیا، تو کیا غلاء اور رخص کا اعتبار موجودہ کرنسی نوٹوں میں بھی ہوگا، اور کرنسی نوٹوں میں بھی امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق افراط اور تفریط زر کی صورت میں قیمت کا اعتبار ہوگا؟ اگر جواب ''ہاں'' میں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو قرض دیا تھا، یا اس کے ذمہ اس کا دین تھا، اور بعد میں افراطِ زر کے نتیجہ میں کرنسی نوٹ کی قدر گر گئی، جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے، تو اب حقدار کو کچھ مزید دیدے، تا کہ افراطِ زر کے نتیجہ میں جو کمی واقع ہوئی ہے، وہ پوری ہو جائے، جیسا کہ ربا جائز سمجھنے والے کہتے ہیں، اور یہ ان کی مستقل ایک دلیل ہے، اس طرح ربا کا دروازہ کھل جائے گا، اور اگر جواب ''نہیں'' میں ہے، تو پھر فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق بیان کرنا ضروری ہوگا۔

اس کا جواب ''نہیں'' میں ہے، اور اُس زمانہ کے فلوس اور موجودہ کرنسی نوٹوں میں فرق ہے، کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہیں، لھذا فلوس میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرنے سے اور اس پر فتوی دینے سے لازم نہیں آتا کہ یہی معاملہ موجودہ کرنسی نوٹوں کے ساتھ بھی ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اُس زمانہ میں فلوس سونے اور چاندی کے ساتھ مربوط تھے، اور سونے چاندی کی بنیاد پر ہی ان کی قیمت مقرر ہوتی تھی، اور فلوس سونے چاندی کے لئے بطور ریزگاری استعمال ہوتے تھے، مثلاً:

۱۰ فلس = درہم

یعنی ایک فلس درہم کا دسواں حصہ (۱/۱۰) ہوگیا، لیکن ایک فلس کی یہ قیمت اس کی ذاتی قیمت کی بنیاد پر مقرر نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ ایک ایسی علامتی قیمت ہوتی تھی، جس کو لوگوں نے اصطلاح بنایا تھا، اس لئے یہ ممکن تھا کہ لوگ اس اصطلاح کو تبدیل کر دیں کہ اب:

۲۰ فلس = درہم

یعنی ایک فلس درہم کا بیسواں حصہ (۱/۲۰) ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس سستے ہو گئے اور فلوس کی قیمت وقدر کم ہوگئی، اور یہ بھی ممکن تھا کہ لوگ یہ اصطلاح مقرر کر دیں کہ اب:

۵فلس = درہم

ہوگیا، یعنی ایک فلس درہم کا پانچواں حصہ (۱/۵) ہوگیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس کی قدر بڑھ گئی۔

مندرجہ بالا اصول کے مطابق اگر فلوس کی قیمت میں اتار چڑھاؤ آجائے، تو کیا مقروض یا مدیون پر وہی پرانے سکے واپس کرنا واجب ہوں گے، یا اب ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اس میں ذکر کردہ اختلاف ہوگیا، اور حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دے دیا، لھذا ان کے قول کے مطابق اگر کسی شخص نے ایک سو فلوس قرض لئے تھے، اور پھر ایک فلس درہم کا بیسواں حصہ ہوگیا، تو اب وہ دو سو فلس واپس کرے گا، اس لئے کہ اس نے حقیقت میں دس درہم کی ریز گاری قرض لی تھی، اور اب ادائیگی کے روز دس درہم کی ریز گاری دو سو فلوس ہوگئی، اسلئے قرض دار پر دو سو فلوس ادا کرنا واجب ہوگئے۔

لیکن جہاں تک موجودہ کرنسی نوٹوں کا تعلق ہے، ان کا کسی دوسرے ثمن کے ساتھ کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی یہ نوٹ کسی اور ثمن کے لئے بطور ریز گاری اور اجزاء کے استعمال ہوتے ہیں، بلکہ وہ خود مستقل ثمن ہیں، لھذا کرنسی نوٹوں کو فلوس پر قیاس کرنا درست نہیں، اس کے علاوہ فلوس کی صحیح قیمت معلوم کرنا ممکن تھا، کیونکہ وہ سونے یا چاندی کے ایک خاص معیار کے ساتھ مربوط تھے، بخلاف کرنسی نوٹوں کے کہ ان کا کوئی حقیقی معیار نہیں، بلکہ اس میں اشیاء کی قیمتوں کو دیکھ کر اندازہ اور تخمین سے کام لیا جاتا ہے، جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

خلاصہ یہ کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کا تعلق گزشتہ زمانہ کے فلوس سے ہے، اور ان فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق ہے، اس لئے اس حکم میں کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہونگے، اور کرنسی نوٹ میں ''قیمت'' کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ''مثل'' کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ جمہور فقہاء کرام کا موقف ہے، لھذا امام ابو یوسفؒ کے قول کو بنیاد بنا کر کرنسی نوٹوں میں افراط زر کی بنیاد پر اضافہ کو جائز قرار دینا درست نہیں۔ (۱)

---

(۱) احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۴۲)

قیمتوں کا اشاریہ:(Price Index)

اس کو انڈیکس نمبرز (Index Numbers) بھی کہتے ہیں۔

عام اشیاء کی قدر زر کی مدد سے ماپی جاتی ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ کرنسی کی قیمت دو سو روپے ہے، اور مکان پانچ لاکھ روپے کا ہے، لیکن خود زر کی قیمت وقدر اشیاء کی قیمتوں کے معیار سے پرکھی جاتی ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ دس سال قبل سو روپے کی قدر ایک من گندم کے برابر تھی، لیکن آج صرف دس کلو کے برابر ہے، لھذا زر کی قدر اس وقت زیادہ تھی، جب بھی تو اس کے بدلہ زیادہ چیزیں آئیں، اور اب کم ہوگئی، کیونکہ چیزیں کم ہوگئیں۔

اب زر کی پیمائش کس طرح ہوگی؟ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ چند ایسی اشیاء جو کثیر الاستعمال ہوں، منتخب کی جاتی ہیں، اور ان کی (مختلف تاریخوں کے حساب سے) قیمتوں کا موازنہ (Comparison) کیا جاتا ہے، اس کو اشاریہ (Index) کہتے ہیں۔

''اشاریہ'' کا طریقہ اور اس کے مختلف مراحل:

زیر بحث مسئلہ کا شرعی حکم جاننے کے لئے قیمتوں کا اشاریہ وضع کرنے کا طریقہ اور کرنسی کی قیمت کی تعیین میں اس کے استعمال کو جاننا ضروری ہے، لھذا قرضوں کا قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے سلسلہ میں معاشیین جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، ذیل میں اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ کرنسی خواہ دھات کی ہو، یا کاغذ کی ہو، وہ بذات خود مقصود نہیں، بلکہ اس کرنسی کے ذریعہ انسان اپنی ضروریات زندگی کی اشیاء وخدمات (Goods & Serveces) خریدتا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے، تو ہر کرنسی کی دو قیمتیں ہوتی ہیں، ایک اس کی ظاہری قیمت (Face Value) اور دوسری اس کی حقیقی قیمت (Real Value)، ظاہری قیمت کرنسی کی وہ قیمت کہلاتی ہے، جو اس کے اوپر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور حقیقی قیمت اشیاء وخدمات کا وہ مجموعہ ہے، جو ایک انسان کے لئے اس کرنسی کے ذریعہ خریدنا ممکن ہو، آج کل معیشت دان اشیاء وخدمات کے اس مجموعے کو ''اشیاء کی ٹوکری'' (Basket of Goods) کہتے ہیں۔

مثلاً اگر زید کی ماہانہ تنخواہ دس ہزار روپے ہے، تو دس ہزار روپے اس کی ماہانہ آمدنی کی ظاہری قیمت ہے، پھر وہ یہ دس ہزار روپے مندجہ ذیل اشیاء وخدمات میں صرف کرتا ہے:

گندم = ۴۰ کلو کپڑا = ۲۰ میٹر گوشت = ۲۰ کلو دال = ۵ کلو مکان کا کرایہ دو بیٹوں کے تعلیمی اخراجات طبی معائنہ کی فیس	اشیاء وخدمات کی ٹوکری Basket ot Goods and) (Serveces

یہ اشیاء وخدمات کی ٹوکری ہے، او یہ ٹوکری دس ہزار روپے کی حقیقی قیمت ہے۔

پھر اشیاء کی ٹوکری میں درج شدہ اشیاء سب ایک طرح اہمیت نہیں رکھتیں، بلکہ بعض چیزیں دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں، مثلاً گندم کپڑے کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے، اور کپڑا چائے کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے، اور اس میں شک نہیں کہ ہر انسان کی زندگی پر اہم اشیاء میں تبدیلی زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، بنسبت ان کی اشیاء کی قیمتوں میں تبدیلی کے جو کم اہمیت رکھتی ہوں، لھذا اگر چائے کی قیمت زیادہ ہو جائے، تو اتنی مشکلات پیدا نہ ہوں گی جتنی گندم کی قیمت زیادہ ہونے سے پیدا ہوں گی، لھذا کرنسی کی حقیقی قیمت میں تبدیلی کو اشیاء کی قیمتوں میں اوسط تبدیلی کے ذریعہ معلوم کرنے کے لئے ماہرین معاشیات ہر چیز کی ایک خاص اہمیت فرض کرتے ہیں، پھر فرض کی ہوئی اہمیت کی بنیاد پر تمام اشیاء کے لئے علیحدہ علیحدہ نمبر مقرر کرتے ہیں، اس نمبر کو معیشت دان ''چیز کا وزن'' (Weight of commodity) کہتے ہیں، اور اس طرح اشاریہ کو ''وزن دار اشاریہ'' (Weighted Index Number) کہتے ہیں۔

اور اگر اشاریہ میں تمام اشیاء کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کیا جائے، اور ہر چیز کو ایک ہی وزن دیا جائے ،تو اس اشاریہ کو ''سادہ اشاریہ'' (Simple Index number) کہتے ہیں۔

اشاریہ بنانے میں مختلف مراحل ہوتے ہیں:

ا............اہم اشیاء کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

۲............ ہر شئی کو اس کی اہمیت کے پیش نظر ایک خاص وزن دیا جاتا ہے۔

۳............ بنیادی سال کا انتخاب کیا جاتا ہے، یہ سال ایسا ہونا ضروری ہے جس میں معاشی اعتبار سے کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہ ہوا ہو، جس میں عام اشیاء کی قیمتیں نہ بہت کم ہوں، اور نہ بہت زیادہ ہوں، نہ یہ قحط کا سال ہو، نہ بہتات کا، نہ جنگ کا زمانہ ہو، نہ طویل امن کا، گویا کہ یہ سال نارمل ہو۔

۴............ بنیادی سال کے مقابلہ میں اس سال کا انتخاب کیا جاتا ہے، جس کی قیمتوں کے ساتھ بنیادی سال کی قیمتوں کا تقابل کیا جاتا ہے۔

۵............ دونوں سالوں کے درمیان قیمت کی تبدیلی کا اوسط نکالا جاتا ہے۔

۶............ اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن سے ضرب دی جاتی ہے۔

۷............ حاصل ضرب کو جمع کیا جاتا ہے، حاصل جمع دونوں سالوں کی قیمتوں کا فرق ہوتا ہے۔

درج ذیل نقشہ ملاحظہ ہو!

۱۔اشیاء	۲۔وزن	۳۔۱۹۸۰ء	۴۔۱۹۹۷ء	۵۔تبدیلی اوسط	۶۔نتیجہ ضرب
کھانا	۵۰٪	۳۰ کلو=۵۰ روپے	۳۰ کلو=۱۰۰ روپے	۱۰۰/۵۰=۲	۱
کپڑا	۲۰٪	۱۰ روپے میٹر	۳۰ روپے میٹر	۳۰/۱۰=۳	۶ء
مکان	۳۰٪	۵۰۰ ماہانہ کرایہ	۱۵۰۰ روپے	۱۵۰۰/۵۰۰=۳	۹ء

مجموعہ: ۲ء۵

وضاحت: کالم ا: انسان کی ضروریات میں سب سے اہم اشیاء کھانا، کپڑا اور مکان ہیں، اس لئے، ان تینوں کا انتخاب کیا گیا۔

کالم ۲: اس کا مطلب یہ ہے کہ زید مثلاً اپنی تنخواہ کا پچاس فیصد کھانے میں، بیس فیصد کپڑے میں اور تیس فیصد رہائش میں صرف کرتا ہے۔

کالم ۳،۴: میں دو سال کی قیمتوں کا تقابل کیا گیا کہ مثلاً ۸۰ء میں تیس کلو گندم کی قیمت پچاس روپے تھی، اور ۹۷ء میں یہ قیمت بڑھ کر سو روپے ہوگئی۔

کالم ۵: میں دونوں سال کی قیمتوں کی تبدیلی کا اوسط نکالا، جس کے لئے ۸۰ء کی قیمتوں کو ۹۷ء کی قیمتوں پر تقسیم کیا، یعنی: ۱۰۰/۵۰=۲، یہ اوسط تبدیلی ہے۔

کالم ۶: اس میں اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن کے ساتھ ضرب دیا، یعنی:

۱=۵۰/۱۰۰×۲/۱=۵۰٪×۲

مجموعہ: سے مراد یہ ہے کہ اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن میں ضرب سے جو حاصل ضرب نکلا، اس کو جمع کیا، یعنی:

۱ء۰+۶ء۰+۹ء۰=۲ء۵

''۲ء۵'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اشیاء کی ٹوکری جس کو ایک شخص ۸۰ء میں سو روپے میں خرید سکتا تھا، وہ ۹۷ء میں انہی اشیاء کی ٹوکری کو دو سو پچاس روپے میں خرید سکے گا، کیونکہ کرنسی کی حقیقی قیمت میں ۲۵٪ کے تناسب سے کمی واقع ہوگئی۔

اگر ہم فرض کریں کہ ۸۰ء میں ایک شخص کی ماہانہ تنخواہ ۵۰۰۰ روپے تھی، اور ۹۷ء میں اس کی ماہانہ تنخواہ زیادہ ہو کر ۱۰۰۰۰ روپے ہوگئی، تو اس کی ماہانہ تنخواہ کی قیمت اور حیثیت کا حساب مندرجہ ذیل طریقہ سے کیا جائے گا:

سال	ظاہر قیمت	زیادتی کا تناسب	حقیقی قیمت	کیفیت
۱۹۸۰ء	۵۰۰۰	۱ء۰	۵۰۰۰	۱×۵۰۰۰/۰
۱۹۹۷ء	۱۰۰۰۰	۲ء۵	۴۰۰۰	۲×۱۰۰۰۰/۵

تو گویا کہ ۱۰۰۰۰ اروپے ۴۰۰۰ روپے مساوی ہوگئے۔

لھذا اگر کسی نے ۸۰ء میں ۴۰۰۰ روپے قرض لئے تھے، تو اب ۹۷ء میں وہ ۱۰۰۰۰ اروپے واپس کرے، بصورت دیگر حقدار پر ظلم ہوگا، اسی وجہ سے بعض معیشت دان کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں قرض / دین کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا ضروری ہے، اوراس کے حساب سے قروض اور دیون کی ادائیگی کرنی چاہیئے۔

کیا قرض اور اجرت کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے؟(Indexation System)

حکم شرعی کے اعتبار سے قرض / دین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے اور اجرت کو اس کے ساتھ مربوط کرنے کا حکم الگ الگ ہے، قرض یا دین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ اجرت میں کچھ تفصیل ہے، دونوں مسئلوں کا خلاصہ ذیل میں مذکور ہے۔

قرضوں کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا شرعاً کیسا ہے؟

اس سلسلہ میں حق بات یہ ہے کہ قرضوں پر مذکورہ بالا زیادتی کو جائز کہنا اور اس کو عین انصاف قرار دینا شرعی قواعد کے مطابق نہیں، اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں قرضوں کو اسی مقدار کی مثل ادا کرنا واجب ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، حتی کہ جو لوگ قرضوں کی قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے جواز کے قائل ہیں، وہ بھی اس اصول کو مانتے ہیں، لھذا اب ''مثل'' کی تعیین کرنی ہے، کہ مثل سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ مثل کی دو قسمیں ہیں: ایک مثل معنوی اور ایک مثل صوری، تو قرضوں کی واپسی میں جس مثل کا اعتبار ہے، اس سے مراد مثل صوری ہے، یا مثل معنوی ہے، مثل معنوی سے یہاں مراد قیمت ہے، اور مثل صوری کا مطلب یہ ہے کہ جتنی چیز گنتی کے حساب سے یا وزن کے حساب یا کیل کے حساب سے قرض لی ہے، اسی مقدار میں واپس کرے، خواہ اسکی قیمت کچھ بھی ہو۔

قرآن وسنت اور لوگوں کے معاملات کے مشاہدہ سے جو بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ''مثل'' سے یہاں مراد مثل صوری ہی ہے، یعنی کمیت میں برابری ضروری ہے نہ کہ قیمت اور مالیت میں، چند دلائل ذیل میں مذکور ہیں:

ا............اگر ایک شخص دوسرے سے ایک کلو گندم بطور قرض لے، اور قرض لیتے وقت ایک گندم کی

قیمت پانچ روپے تھی، اور جب وہ قرض دار قرضہ واپس کرنے لگا، تو اس وقت ایک کلو گندم کی قیمت دو روپے ہوگئی تھی، تو اب بھی وہ صرف ایک کلو گندم واپس کرے گا، زیادہ نہیں، باوجود یہ کہ ایک کلو گندم کی قیمت پانچ روپے سے کم ہو کر دو روپے رہ گئی، اور اس مسئلہ میں فقہاء متقدمین ومتاخرین کا اجماع ہے، فقہاء میں سے کوئی بھی اس مسئلہ میں یہ نہیں کہتا کہ اس صورت میں جب کہ گندم کی مالیت کم ہوگئی ہے صرف ایک کلو گندم واپس کرنا قرض خواہ پر ظلم ہے، اس لئے گندم کی قیمت میں جتنی کمی واقع ہوئی ہے، اسی نسبت سے اضافہ کر کے قرض خواہ کو واپس کرے، یعنی ایک کلو گندم کی بجائے اب قرض دار ڈھائی کلو گندم واپس کرے، اس لئے کہ ڈھائی کلو گندم کی مالیت اب وہی ہے، جو قرض لیتے وقت ایک کلو گندم کی تھی۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرض میں جس ''مثلیت'' اور برابری کا اعتبار ہے، وہ مقدار اور کمیت میں برابری ہے، قیمت اور مالیت میں برابری معتبر نہیں۔

۲............تمام فقہاء کرامؒ کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ قرضوں کی واپسی میں برابری کی شرط صرف سود سے بچنے کے لئے ہے، اور حضور ﷺ نے اس مطلوبہ برابری کو ربا الفضل کی احادیث میں پوری تشریح کے ساتھ واضح فرما دیا ہے، چند احادیث مبارکہ بطور نمونہ ملاحظہ ہوں!

عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالی عنه : قال : کنا نرزق تمر الجمع علی عهد رسول الله ﷺ ، وهو الخلط من تمر فکنا نبیع صاعین بصاع ، فبلغ ذلک رسول الله ﷺ فقال: لا صاعین تمرا بصاع ، ولا صاعین حنطة بصاع ولا درهما بدرهمین.

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہمارے پاس ہر قسم کی ملی جلی کھجوریں آیا کرتی تھیں، ہم (گھٹیا کھجور کے) دو صاع (بڑھیا کھجور) کے ایک صاع کے بدلہ میں بیچ دیتے تھے، جب حضور پاک ﷺ کو اس اطلاع ہوئی، تو آپ نے فرمایا کہ دو صاع کھجور کو ایک صاع کھجور کے بدلہ میں مت بیچو، اور نہ دو صاع گندم ایک صاع گندم کے بدلہ میں بیچو، اور ایک درہم دو

دراہم کے بدلہ میں مت بیچو۔(۱)

اس حدیث مبارک سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیمت میں مثلیت اور برابری کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ کمیت میں برابری اور مثلیت کا اعتبار کیا، کیونکہ یہ بات آنحضرت ﷺ کو معلوم تھی کہ جو کھجور دو صاع کے بدلہ میں بیچی جائے گی وہ اس کھجور کے مقابلہ میں زیادہ قیمتی ہوگی، جو ایک صاع کے عوض بیچی جائے گی، لیکن اس کے باوجود حضور اقدس ﷺ اس پر راضی نہیں ہوئے، بلکہ مقدار اور ناپ میں مماثلت اور برابری کا حکم دیا، اور قیمت کا اعتبار نہیں کیا۔

عن ابی سعید وابی هریرة رضی الله تعالی عنهما : ان رسول الله ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجاء هم بتمر جنیب ، فقال : اکل تمر خیبر هکذا ؟ قال: انا لنأخذ الصاع بالصاعین والصاعین بالثلاث ، قال: لاتفعل ، بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا.

''حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا، وہ عامل جب واپس آیا، تو حضور ﷺ کی خدمت میں جنیب (کھجور کی ایک عمدہ قسم) کھجور پیش کیں، حضور ﷺ نے سوال کیا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم ایک صاع کو دو صاع کے بدلہ میں اور دو صاع کو تین صاع کے بدلہ میں تبدیل کر لیتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ جمع کھجور کو پہلے دراہم کے عوض فروخت کر دو، پھر ان دراہم سے جنیب کھجور خرید لیا کرو۔(۲)

(۱) جامع الاصول ، ابن الاثیر الجزری(الامام مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد)المتوفی ۶۰۶ھج ، حلوان، مکتبة الحلوانی ، طبع ۱۳۸۹ھج (۵۴۶/۱)

(۲) جامع الاصول(۵۵/۱)

یہ حدیث شریف اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اموال ربویہ میں جو تماثل اور برابری مطلوب ہے، وہ مقدار میں تماثل ہے، قیمت میں تماثل اور برابری مطلوب نہیں، اس لئے کہ جنیب کھجور جمع کھجور کے مقابلہ میں بہت اعلی درجہ کی قیمتی اور عمدہ کھجور تھی، لیکن حضور ﷺ نے کھجور کی ایک قسم کی دوسری قسم سے تبدیل کرنے کی صورت میں عمدہ اور گھٹیا ہونے کا بالکل اعتبار نہیں کیا، بلکہ وزن میں برابری کو ضروری قرار دیا۔

عن عبادة بن صامت رضی الله تعالی عنه: قال رسول الله ﷺ: الذهب بالذهب و الفضة بالفضة و البر بالبر و الشعير بالشعير و التمر بالتمر و الملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد، فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد.

''حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلہ میں چاندی کو چاندی کے بدلہ میں گندم کو گندم کے بدلہ میں، جو کو جو کے بدلہ میں کھجور کو کھجور کے بدلہ میں اور نمک کو نمک کے بدلہ میں ہاتھ در ہاتھ بیچو، ہاں اگر ان اشیاء کی بیع میں جنس مختلف ہو جائے، تو پھر جس طرح چاہو، بیچو، بشرطیکہ ہاتھ در ہاتھ ہو۔(۱)

عن ابی هريرة رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله ﷺ: الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلا بمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن مثلا بمثل فمن زاد او استزاد فهو ربا.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سونا سونے کے بدلہ میں وزن کر کے بیچو، اور چاند

(۱) جامع الاصول (۱/۵۵۲)

اور چاندی کو چاندی کے بدلہ میں وزن کر کے بیچو، ان میں جو شخص زیادتی کرے، یا زیادتی طلب کرے، تو وہ زیادتی سود ہے۔(۱)

عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالی عنه ان النبی ﷺ قال: الذهب بالذهب تبرها وعينها ، والفضة بالفضة تبرها وعينها ، والبر بالبر مدين بمدين والشعير بالشعير مدين بمدين والتمر بالتمر مدين بمدين والملح بالملح مدين بمدين فمن زاد او اسزداد فقد اربى.

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلہ میں چاہے وہ سونے کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکہ ہو، چاندی کو چاندی کے بدلہ میں چاہے وہ چاندی کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکہ ہو، اور دو مدی گندم کو دو مدی گندم کے بدلہ میں، اور دو مدی جو کو دو مدی جو کے بدلہ میں، اور دو مدی کھجور کو دو مدی کھجور کے بدلہ میں اور دو مدی نمک کو دو مدی نمک کے بدلہ میں بیچو، اور جس شخص نے زیادتی کی یا زیادتی طلب کی، اس نے سود لیا۔(۲)

مندرجہ بالا ساری احادیث اس بات کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ شریعت میں جو تماثل اور برابری مطلوب ہے، وہ مقدار میں برابری ہے، اموال ربویہ میں قیمت کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث اور ہے، جو خاص کر قرض ہی میں مثلیت اور برابری کو واضح کرتی ہے:

عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالی عنهماقال: كنت ابيع الابل بالبقيع فابيع بالدنانير وآخذ الدراهم ، وابيع بالدراهم وآخذ الدنانير آخذ هذه من هذه ، واعطى هذه من هذه ، فاتيت رسول الله ﷺ وهو فی بيت حفصة

(۱) جامع الاصول (۱/۵۵۴)

(۲) جامع الاصول

، فقلت : یارسول الله !رویدک اسئلک ، انی ابیع الابل بالبقیع فابیع بالدنانیر و آخذ الدراهم وابیع بالدراهم وآخذ الدنانیر ، آخذهذه من هذه واعطی هذه من هذه ، فقال رسول الله ﷺ : لابأس ان تاخذها بسعر یومها مالم تفترقا وبنکما شئی.

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میں مقام بقیع میں اونٹ بیچا کرتا تھا، تو کبھی دیناروں کے ذریعہ بھاؤ کر کے اونٹ بیچتا، اور بجائے دینار کے مشتری سے دراہم لے لیتا، اور کبھی دراہم کے ذریعہ بھاؤ کرتا، اور بجائے دراہم کے دینار وصول کرتا، یعنی دینار کے بدلہ درہم اور درہم کے بدلہ دینار وصول کرتا، اور ادا کرتے وقت بھی دراہم کے بدلہ درہم اور درہم کے بدلہ دینار ادا کرتا ہوں، ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے، میں نے کہا: میں مقام بقیع میں اونٹ بیچا کرتا تھا، تو کبھی دیناروں کے ذریعہ بھاؤ کر کے اونٹ بیچتا، اور بجائے دینار کے مشتری سے دراہم لے لیتا، اور کبھی دراہم کے ذریعہ بھاؤ کرتا، اور بجائے دراہم کے دینار وصول کرتا، یعنی دینار کے بدلہ درہم اور درہم کے بدلہ دینار وصول کرتا، اور ادا کرتے وقت بھی دراہم کے بدلہ درہم اور درہم کے بدلہ دینار ادا کرتا ہوں، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اسی روز کے بھاؤ کے برابر لو، اور تم دونوں کے درمیان اس حالت میں جدائی نہ ہو، کہ تمھارے درمیان کوئی لین دین باقی ہو۔(۱)

(۱) سنن ابوداود کتاب البیوع

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے اس چیز کو جائز قرار دیا کہ جب بیع دینار کے ذریعہ ہو، تو ادائیگی کے روز دینار کی جو قیمت ہو، اس قیمت کے برابر دراہم وصول کرلیں، جس روز ذمہ واجب ہوئے ہوں، اس روز کی قیمت کا اعتبار نہیں، مثلاً بیع میں ایک دینار طے ہوا، اور بیع کے روز ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی، اور اس وقت مشتری نے ادا نہیں کی، کچھ روز بعد جب مشتری نے قیمت ادا کرنا چاہا تو اس وقت اس کے پاس دراہم تو تھے مگر دینار نہیں تھے، اور اس روز ایک دینار کی قیمت گیارہ درہم ہوگئی، تو اب مشتری بائع کو گیارہ درہم ہی ادا کرے گا۔

قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بات تمام فقہاء کے نزدیک مسلم ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت مقدار مین یقینی مثلیت اور برابری شرط ہے، اٹکل اور اندازہ سے واپس کرنا جائز نہیں حتی کہ اگر ایک شخص نے ایک صاع گندم بطور قرض لئے اور یہ شرط ٹھہرائی کہ قرض دار مجھے بغیر ناپ کے صرف اندازہ اور تخمین سے ایک صاع واپس کرے، تو قرض کا یہ معاملہ جائز نہیں، اس لئے کہ اموال ربویہ میں اندازہ اور تخمین سے ایک صاع واپس کرنا جائز نہیں، اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے بیع مزابنہ کو حرام قرار دیا ہے، بیع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلہ میں بیچا جائے اور اس کی حرمت کی وجہ یہی ہے کہ جو کھجور ٹوٹی ہوئی ہے، اس کی مقدار وزن کے ذریعہ معلوم کی جاسکتی ہے، اور جو کھجور درخت پر لگی ہوئی ہے اس کی مقدار معلوم کرنے کا طریقہ اندازہ اور تخمین کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، اس وجہ سے حضور ﷺ نے اس بیع کو علی الاطلاق حرام قرار دے دیا، حالانکہ بعض اوقات اندازہ بالکل صحیح یا صحیح کے قریب ہوتا ہے، لھذا اموال ربویہ میں سے بعض کو بعض سے تبادلہ کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ دونوں میں تبادلہ عملی طور پر مقدار میں برابری کے ذریعہ ہو، اندازہ اور تخمین کے ذریعہ برابری کافی نہیں ہے۔

دوسری طرف اگر قرضوں کو قیمتوں کے اشاریہ سے منسلک کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرض کی ادائیگی میں حقیقتی مثلیت کا اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ ایک تخمینی مثلیت پر ادائیگی کی بنیاد رکھی گئی، اس لئے کہ قیمتوں کے اشاریے میں اشیاء کی قیمتوں میں کمی اور زیادتی کا جو تناسب نکالا جاتا ہے، وہ تقریبی اور تخمینی ہوتا ہے، جس کی بنیاد ایک ایسا مخصوص حسابی طریقہ ہے جو اندازہ اور اٹکل ہی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس حسابی طریقہ میں درج ذیل مقامات پر اٹکل اور اندازہ سے کام لیا جاتا ہے۔

۱..........اشاریہ میں درج شدہ اشیاء کی تعیین:

یہ بات معلوم ہی ہے کہ ہر شخص کہ اپنی خاص ضروریات ہوتی ہیں، اس لئے ایک شخص کی اشیاء ضرورت بھی دوسرے شخص سے مختلف ہوں گی ،لھذا ایک شخص کی ''اشیاء کی ٹوکری'' دوسرے شخص کی ٹوکری سے مختلف ہوگی ،لیکن اشاریہ میں درج شدہ ٹوکری صرف ایک ہے ،جس میں اشیاء کو اس کے استعمال کرنے والوں کی کثرت کی بنیاد پر درج کیا جاتا ہے،اس لئے بعض اوقات اس میں ایسی اشیاء بھی درج ہوتی ہیں ،جن کی بعض لوگوں کو پوری زندگی میں کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آتی ،اس لئے ان بعض کے اعتبار سے یہ اشاریہ درست نہیں ہوسکتا،لھذا معلوم ہوا کہ اشاریہ میں بعض اشیاء صرف اندازہ اور تخمین سے درج کی جاتی ہیں۔

۲..........اشیاء کے وزن (اہمیت) کی تعیین:

دوسرے یہ کہ اشیاء کے وزن اور صارفین کے اعتبار سے اس کی اہمیت کے تعین میں اندازہ اور اٹکل سے کام لیا جاتا ہے،اس میں کوئی شک نہیں کہ اشیاء کی اہمیت ایک اضافی چیز ہے، جو اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے،بعض اوقات ایک چیز ایک شخص کے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہے،اور وہی چیز دوسرے شخص کے لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی ،اشاریہ اس مفروضہ پر بنایا جاتا ہے کہ ہر چیز کی جو اہمیت ہم نے فرض کی ہے، وہ تمام صارفین کے اعتبار سے ہے،اور یہ درمیانی اوسط کی بنیاد پر فرض کی جاتی ہے، جو صرف اندازہ اور تخمین ہی سے نکالی جاتی ہے۔

۳..........اشیاء کی قیمت کا تعین:

تیسرے یہ کہ مختلف سالوں میں اشیاء کی قیمتوں کا تعین بھی اندازہ اور اٹکل سے کیا جاتا ہے،اس لئے کہ ظاہر ہے کہ ایک ہی چیز کی قیمت مختلف شہروں اور جگہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگی ،اور اشاریہ میں صرف ایک ہی جگہ کی قیمت کا اندراج ممکن ہے ،اس لئے اگر ایک ملک کا اشاریہ بنانا ہو،تو صرف تمام جگہوں کی قیمتوں کا درمیانی اوسط نکال کر ہی بنایا جاسکتا ہے،ظاہر ہے کہ یہ اوسط اندازہ اور تخمین ہی کے ذریعہ نکالا جاسکے گا۔

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوگیا کہ اشاریہ اپنے تمام مراحل میں اندازہ اور تخمین پر مبنی ہے،اور اگر کسی جگہ پر حساب بہت باریک بینی اور پوری احتیاط سے بھی کیا جائے ،تو بھی اس کے نتیجہ کو زیادہ سے زیادہ تقریبی

تو کہہ سکتے ہیں، یقینی اور واقعی پھر بھی نہیں کہہ سکتے، جبکہ اوپر احادیث کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ قرضوں کی واپسی میں اٹکل اور اندازہ کی شرط لگانا جائز نہیں، لھذا قرضوں کی ادائیگی کا قیمتوں کے اشاریہ سے منسلک کر دینا کسی حال میں درست نہیں۔(۱)

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی قرارداد درج ذیل ہے:

ان مجلس مجمع الفقه الاسلامی المنعقد فی دورة مؤتمره الخامس بالكويت من ١ الى ٦ جمادى الاولى ١٤٠٩هج / ١٠ الى ١٥ كانون الاول (ديسمبر) ١٩٨٨م

...قرر مالي :

العبرة فى وفاء الديون الثابتة ما هى بالمثل وليس بالقيمة لان الديون الثابتة تقضى بامثالها ، فلايجوز ربط الديون الثابتة فى الذمة ايا كان مصدرها بمستوى الاسعار والله اعلم .

''اسلامی فقہ اکیڈمی کی مجلس جس کی پانچویں کانفرنس کویت میں یکم تا ۶ جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ/۱۰ تا ۱۵ دسمبر ۱۹۸۸ء نے درج ذیل قرار داد پیش کی:

''جو قرض ذمہ میں واجب ہوں، ان کی ادائیگی میں مثل کا اعتبار ہے، اور قیمت کا اعتبار نہیں، کیونکہ قروض کی ادائیگی میں مثل کا اعتبار ہوتا ہے، لھذا قروض اور دیون جو ذمہ میں واجب ہوں، ان کو کسی حال میں اشاریہ کے ساتھ منسلک نہیں کیا جا سکتا۔(۲)

---

(١) فهقى مقالات ، عثمانى (جسٹس مفتى محمد تقى عثمانى) كراچى ، ميمن اسلامک پبلشرز كراچى ١٩٩٤ء (١/ ٤٩)

(٢) مجلة المجمع الفقه الاسلامى ، الدورة الخامسة ، العدد الخامس ، الجزء الثالث ١٤٠٩هج / ١٩٨٨ء (ص ٢٢٦١)

مزدوروں کی اجرتوں کو اشاریہ کے ساتھ وابستہ کرنا:

جہاں تک اجرتوں کی قیمتوں کے اشاریہ سے ربط کا مسئلہ ہے، تو جب تک اجرت قرض نہ بن جائے، اس وقت تک اس کا حکم "قرضوں کے ربط" سے مختلف ہوگا، البتہ اجرت اگر قرض بن جائے، تو اس صورت میں اس کا حکم بھی وہی ہوگا، جو قرضوں کے ربط کا حکم ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اجرتوں کو اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے کی تین صورتیں ممکن ہیں:

پہلی صورت: کہ اجرتیں اور تنخواہیں نوٹوں کے ذریعہ طے ہو جائیں، کہ اتنی اجرت یا تنخواہ دی جائے گی، اور مالک اور مزدور کے درمیان یہ معاہدہ ہو جائے کہ یہ تنخواہ ہر سال قیمتوں کے اشاریہ کے زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، مثلاً حکومت ایک شخص کو تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملازم رکھے، اور یہ معاہدہ کرے کہ یہ تنخواہ ہر سال کے شروع میں قیمتوں کے اشاریہ میں زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، اس صورت میں اس ملازم کو ہر سال کے آخر تک ہر ماہ تین ہزار روپے ہی قبول کرنے پڑھیں گے، اور درمیان سال میں قیمتوں کے اشاریہ میں زیادتی کے تناسب کو نہیں دیکھا جائے گا، البتہ جب نیا سال شروع ہوگا، تو اس وقت اشاریہ کو دیکھا جائے گا، کہ ایک سال کے اندر اس میں کس تناسب سے زیادتی ہوئی، مثلاً قیمتوں کے اشاریہ میں ۵٪ کے تناسب سے زیادتی ہوئی تھی، تو اس ملازم کی تنخواہ میں بھی اسی تناسب سے زیادتی کرنی ہوگی، لھذا اب نئے سال سے اس کی تنخواہ تین ہزار ایک سو پچاس روپے ہو جائے گی۔

یہ طریقہ بہت سے ممالک مثلاً پاکستان وغیرہ میں رائج ہے، اور اس قسم کے ربط کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کا حاصل یہ ہے کہ دونوں فریق اجرتوں اور تنخواہوں میں ہر سال یا ہر چھ ماہ بعد ایک متعین شرح تناسب سے زیادتی پر متفق ہو گئے ہیں، اور یہ زیادتی کا تناسب اگرچہ عقد کے وقت تو فریقین کے علم میں نہیں تھا، مگر وہ پیمانہ معلوم ہے جس کی بنیاد پر تناسب کا تعین ہوگا، اس لئے زیادتی کی مقدار میں جو جہالت کا شبہ تھا، وہ مرتفع ہو گیا، یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر نئے سال کے شروع میں جس تناسب سے قیمتوں میں زیادتی ہوئی ہوگی، اسی تناسب سے اضافہ شدہ اجرت پر اس عقد اجارہ کی تجدید کی جائے گی، اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔

دوسری صورت: اجرتوں کے قیمتوں کے اشاریہ سے ربط کی دوسری صورت یہ ہے کہ اجرت کی

تعیین نوٹوں کی ایک معلوم مقدار پر ہو جائے، لیکن عقد میں شرط کر لیں کہ مالک کے ذمہ یہ مقدار معلوم واجب نہیں، بلکہ اس کے ذمہ وہ مقدار واجب ہوگی جو قیمتوں کے اشاریہ کی رو سے مہینہ کے آخر میں اس مقدار معلوم کے مساوی اور برابر ہوگی۔

مثلاً زید نے عمرو کو ایک ماہ کے لئے ملازم رکھا اور یہ طے پایا کہ زید عمرو کو مہینہ کے آخر میں قیمتوں کے اشاریہ کے لحاظ کرتے ہوئے اتنی رقم اجرت میں دے گا، جو موجودہ ایک ہزار روپے کے مساوی ہوگی، چنانچہ قیمتوں کے اشاریہ میں ایک ماہ کے اندر دو فیصد کے تناسب سے قیمتیں بڑھ گئیں، تو اب زید مہینہ کے آخر میں عمرو کو ایک ہزار بیس روپے ادا کرے گا، اس لئے کہ یہ ایک ہزار اور بیس روپے شروع مہینے کے ایک ہزار رپے کے مساوی ہیں۔

لیکن جب مہینے کے آخر میں یہ طے ہو گیا کہ تنخواہ ایک ہزار اور بیس روپے ہے، تو اب یہ تنخواہ ہمیشہ کے لئے ایک ہزار اور بیس روپے ہی رہے گی، زائد نہ ہوگی، لھذا اگر مالک مہینے کے آخر میں یہ تنخواہ ادا نہں کر سکا حتی کہ ایک مہینہ اور گزر گیا، یا ایک سال گزر گیا، اور اس نے تنخواہ ادا نہیں کی، تب بھی مالک کے ذمہ ایک ہزار اور بیس روپے واجب ہوں گے، قیمتوں کے اشاریہ میں زیادتی سے اس میں زیادتی نہیں آئے گی، مثلاً اگر اس عرصہ میں قیمتوں کے اشاریہ میں دس فیصد کے تناسب سے اضافہ ہو چکا ہے، اس لئے اب مجھے ایک ہزار بیس روپے پر دس فیصد کے حساب سے اضافہ کر کے اجرت دی جائے، اس لئے عقد کے وقت ہی آپس کے اتفاق سے اجرت کے بارے میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ہزار کے مساوی ہوں گے، وہ دئے جائیں گے، اور صرف تعین کے لئے قیمتوں کے اشاریہ کو مدنظر رکھا جائے گا، لیکن جب مہینہ کے آخر میں قیمتوں کے اشاریہ کی بنیاد پر ایک مرتبہ اجرت طے ہو گئی، تو اب قیمتوں کے اشاریہ کا کام مکمل ہو چکا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی اور اب وہ معین اجرت مالک کے ذمہ قرض ہو گئی، جس میں آئندہ نہ تو زیادتی ہو سکتی ہے، اور نہ کمی واقع ہو سکتی ہے، قیمتوں کے اشاریہ میں چاہے کتنے بھی تغیرات واقع ہو جائیں۔

جہاں تک اس صورت کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے، اس میں جسٹس مفتی محمد تقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ قیمتوں کا اشاریہ اور اس کے حساب کا طریقہ فریقین کو اچھی طرح معلوم ہو، تاکہ بعد میں لاعلمی کی بناء پر آپس میں جھگڑا نہ ہو جائے، اس لئے کہ یہاں دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ طے شدہ

اجرت ایک ہزار روپے نہیں، بلکہ قیمتوں کے اشاریہ کے اعتبار سے مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ایک ہزار روپے کے مساوی ہوں گے، وہ مالک پر دینے واجب ہوں گے، جس کو حساب کے ذریعہ نکالنے کا طریقہ دونوں فریق کو معلوم بھی ہو، لھذا اجرت کی مقدار میں اتنی جہالت جھگڑا کا سبب نہیں بنے گی، اور شرعاً اتنی جہالت متحمل ہوتی ہے۔

تیسری صورت: کہ اجرت تو روپے کی معین مقدار کے ذریعہ طے ہوجائے، اور فریقین کے درمیان یہ شرط ہوجائے کہ وہ اجرت مالک کے ذمہ واجب ہوگی، جو عقدِ اجارہ میں طے ہوئی ہے، لیکن جس دن یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریہ میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہوگا، اسی تناسب سے وہ اجرت میں بھی اضافہ کرکے ادا کرے گا۔

مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک ہزار روپے پر ملازم رکھا، اور دونوں کے درمیان یہ طے ہوگیا کہ اجرت ایک ہزار روپے ہے، لیکن مالک پر یہ ضروری نہیں ہوگا کہ جس دن وہ یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریہ میں جس تناسب سے اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہوگا، اسی تناسب سے وہ بھی ایک ہزار روپے میں اضافہ کردے گا، لھذا مالک نے اگر یہ اجرت مہینے کے آخری دن میں ادا کی اور اس روز قیمتوں کے اشاریہ میں دو فیصد کے تناسب سے اضافہ ہوچکا تھا، تو اب مالک بھی دو فیصد کے تناسب سے اضافہ کرکے ایک ہزار اور بیس روپے ادا کرے گا، اور اگر مالک نے یہ اجرت ایک سال کے بعد ادا کی، اور اس وقت تک قیمتوں میں دس فیصد کے تناسب سے اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوچکا تھا، تو اب مالک بھی دس فیصد کے تناسب سے اضافہ کرکے گیارہ سو روپے ادا کرے گا۔

یہ صورت شرعاً جائز نہیں، کیونکہ "قرضوں کے قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ ربط" کی طرح ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر گئی ہے۔

تیسری اور دوسری صورت میں فرق: دوسری صورت میں اشاریہ سے صرف متفقہ اجرت کی تعیین کا کام لیا جاتا ہے، اور اشاریہ کی بنیاد پر جب ایک مرتبہ اجرت متعین ہوگئی، تو اشاریہ کا کام ختم ہوچکا، اب ہمیشہ کے لئے یہی متعین اجرت مالک کے ذمہ واجب رہے گی، اس پر زیادتی نہ ہوگی، چاہے مالک جب بھی ادا کرے۔

بخلاف تیسری صورت کے کہ اس صورت میں اجرت ایک ہزار روپے متعین تھی، جو ادا نہ کرنے کی

بنا پر مالک کے ذمہ قرض (دین) بن گئی تھی، اور پھر اس قرض کو اشاریہ کے ساتھ ملا دیا گیا تھا، لھذا اس تیسری صورت کا بھی وہی حکم ہوگا، جو اس سلسلہ میں قرضوں کا ہے۔(۱)

فلوس کی قیمت میں تبدیلی اور اقوالِ فقہاء: اس مسئلہ پر مفصل کلام "افراطِ زر اور تفریطِ زر" کے عنوان کے تحت ہوا ہے، مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

❖

(۱) فقہی مقالات (۱/۷۴)، احکام الاوراق النقدیة (ص۲۷)، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم

باب ہفتم

زرِ اعتباری یا زرِ تجارت(Credit Money)

باب ہفتم

زرِ اعتباری یا زرِ تجارت (Credit Money)

اعتبار (کریڈٹ) کی حقیقت

''اعتبار'' انگلش لفظ ''Credit'' کا ترجمہ ہے، عربی میں کریڈٹ کو ''ائتمان'' کہتے ہیں، جس کے معنی اعتبار اور اعتماد کے ہیں۔

اصطلاحی تعریفات درج ذیل ہیں:

برٹانیکا میں کریڈٹ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

Transaction between two parties in which one (the creditor or lender) supplies money , goods , services or securities in return for a promised future payment by the other (the debtor or borrower)(۱)

''کریڈٹ ایک ایسا معاملہ ہے، جس میں ایک پارٹی زر، سامان، خدمات یا سیکورٹیز مہیا کرتی ہے، جبکہ دوسری طرف سے مستقبل میں موعود ادائیگی ہوتی ہے۔''

مختصر الفاظ میں یہ تعریف کی گئی ہے:

Present right to a future payment

آئندہ ادائیگی پر حالیہ حق کا نام کریڈٹ ہے۔ (۲)

---

(۱) Britannica V:3,P: 722

(۲) Footnotes on Introduction to Economics principles P: 341

کریڈٹ کی ایک اور تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"یعرف الائتمان بانه تنازل عن مال حاضر لقاء مال مستقبل و اساسه الثقة"(۱)

"کریڈٹ کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ آئندہ مال کے بدلہ میں حالیہ مال سے دستبردار ہونا، اور اس کی بنیاد اعتماد ہے۔"

موسوعة المصطلحات الاقتصادية میں کریڈٹ کی تعریف ان الفاظ میں یہ کی گئی ہے:

"منح حق استخدام او امتلاک السلع و الخدمات دون دفع القیمة فوراً"(۲)

اس تعریف کا بھی حاصل وہی ہے، جو سابقہ تعریفات کا ہے۔

اردو کتابوں میں درج ذیل تعریف کی گئی ہے:

"اعتبار سے مراد بھروسہ، یقین یا اعتماد ہے جو قارض اپنے کسی مقروض پر اسے قرضہ دیتے وقت یا ادھار مال دیتے وقت کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ مقروض اسے طے شدہ مدت کے بعد قرض کی رقم واپس کردے گا، یا اس نے ادھار پر جو مال خریدا تھا، اس کی قیمت ادا کرے گا۔"(۳)

حاصل یہ کہ "کریڈٹ" اعتماد، یقین، اور اعتبار کو کہتے ہیں، اور اس میں اسی اعتماد کی بنیاد پر ادھار معاملہ ہوتا ہے۔

(۱) القاموس الاقتصادی، النجفی(حسن النجفی)بغداد، مديرية مطبعة الادارة المحلية۱۹۷۷م (ص۸۸)

(۲) موسوعة المصطلحات الاقتصادية و الاحصائية، هيكل(الدكتور عبدالعزيز فهمی هيكل) بيروت، دارالنهضة العربية ۱۹۸۰م (ص۱۸۲)

(۳) تعارف زر و بنکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکالر اوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع اول ۱۹۹۱ء (ص۲۲۱)

زراعتباری یا زرِتجارت کی حقیقت

زرِاعتباری یا زرِتجارت کی تعریف یہ کی گئی ہے:

صکوک مکتوبة بشکل قانونی محدد تتضمن التزاما بدفع مبلغ من النقود فی وقت معین او قابل للتتعین ویمکن نقل الحق الثابت بطریق التظهیر والمناولة (۱)

لکھے ہوئے صکوک ہیں جو محدود ہوں، اور قانونی شکل میں ہوں، اور جن میں اس بات کی ضمانت ہو کہ ایک معین وقت میں زر کی کچھ مخصوص مقدار ان کی بنیاد پر دی جائے گی، اور جو حق واجب ہو اس کو دوسرے کی طرف تظہیر یا مناولہ کے طریقہ سے منتقل کرنا ممکن ہو۔

ڈاکٹر محمد زکی شافعی اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ومن هنا یطلق علیها اصطلاح النقود الائتمانیة لان الائتمان عبارة عن الوعد بدفع مبلغ من النقود ومن هنا ایضا لیست النقود الائتمانیة سوی دیون تترتب لصالح حاملها فی ذمة الدولة او البنوک وتعتمد فیما تتمتع به من قبول عام فی المعاملات علی عنصر الثقة (۲)

اسی وجہ سے ان پر زرِاعتباری کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ ''ائتمان'' زر کی مخصوص مقدار کے دینے کے وعدہ کو کہتے ہیں، اسی وجہ سے زرِاعتباری دیون ہی ہیں جو حکومت یا بنکوں کے ذمہ حاملین کے لئے واجب ہوتے ہیں، اور اعتماد کی بنیاد پر معاملات میں عام طور پر قبول کئے جاتے ہیں۔

(۱) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجعید (ص ۲۲۱)

(۲) مقدمة فی النقود والبنوک، شافعی (محمد زکی) بیروت، دارالنهضة العربیة طبع هفتم (ص ۴۳)

اردو میں زرِاعتباری کی آسان الفاظ میں یہ تعریف کی گئی ہے:

قرض کی صورت میں لین دین کرنے یا ادھار پر مال کا لین
دین کرنے کو اعتبار کہا جاتا ہے، اور اس مقصد کے لئے جو تحریری وعدہ
بطور آلہ استعمال کیا جاتا ہے اسے اعتباری زر کا نام دیا جاتا ہے۔(۱)

زرِاعتباری کی چار خصوصیات: ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ زرِاعتباری میں چار خصوصیات پائی جاتی ہیں:

۱۔ ان میں لین دین تظہیر (Endorsment) کے طریقہ سے ہوتا ہے۔
۲۔ دین کا محل زر کی مخصوص مقدار ہے۔
۳۔ معاملات میں زر کا وظیفہ ادا کرتا ہے۔
۴۔ خاص شکل میں لکھے ہوئے دستاویزات ہیں۔(یعنی محدود اور قانونی شکل میں)

زراعتباری کی مشہور قسمیں:

زراعتباری کی مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:

۱۔ ہنڈی (Bill of Exchange)
۲۔ بانڈز (Bonds)
۳۔ چیک (Cheque)
۴۔ پرامیسری نوٹ (Promissory Note)
۵۔ ڈرافٹ(Draft)

بعض مصنفین نے کمی بیشی کے ساتھ زرِاعتباری کی مذکورہ قسمیں بیان کی ہیں۔

اس عنوان کے تحت صرف زرِاعتباری کی موٹی موٹی قسمیں بیان کرنی ہیں، ان اقسام کی مختلف اقسام اور حکام اور دیگر مختلف مالی دستاویزات کی تفصیل باب ہشتم میں ان شاء اللہ تعالی آئے گی۔

(۱) تعارف زروبنکاری ، شیخ مبارک علی ، ریسرچ سکالر اوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع اول ۱۹۹۱ء(ص ۲۲۱)

نوٹ: یاد رکھنا چاہیئے کہ بہت سارے مصنفین نے کرنسی نوٹ کو بھی زرِاعتباری کی اقسام میں ذکر کیا ہے، لیکن کرنسی نوٹ کی حیثیت اور تفصیلات گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرنسی نوٹ بحالاتِ موجودہ بذات خود ''ثمن'' ہے، لھذا قانونی اور شرعی لحاظ سے کرنسی نوٹ کی ہو حیثیت نہیں ہوگی جو دیگر آلات مثلاً چیک وغیرہ کی ہے۔

زرِاعتباری کی اقسام سے متعلق بطور نمونہ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

الجعید فرماتے ہیں:

تستقسم الاوراق التجارية الى ثلثة انواع:

اولا: الكمبيالة ......

ثانيا: السند........

ثالثا: الشيک ......(١)

زرتجاری کی تین قسمیں ہیں: ہنڈی، بانڈ، چیک

ڈاکٹر اے، این آگروال کہتے ہیں:

We shall now discuss the chief forms of credit isnstruments :

Promissory notes Bank Notes and currency notes , Bill of exchange ...Cheque ..Bank Draft.

اب ہم زرِاعتباری کی کچھ موٹی قسمیں بیان کرتے ہیں:

پرومیسری نوٹ، بنک نوٹ، کرنسی نوٹ، ہنڈی، چیک اور بنک ڈرافٹ(٢)

---

(١) احكام الاوراق النقدية و التجارية للجعيد (ص ٢٢١)

(٢)Introduction to Economics principles P: 352

حسن نجفی کہتے ہیں:

وادوات الائتمان هی الاوراق التجارية الممثلة بالسفتجة والسند الاذنی والشیک وهی اوراق قابلة للتحويل وتستخدم فی عمليات الائتمان لآجال قصيرة، اوراق البنكوت، الاوراق المالية وهی الاسهم والسندات (١)

انہوں نے شیئرز اور مختلف سرٹیفکیٹس کو بھی زرِ اعتباری میں شامل کیا ہے۔

ابراہیم صالح عمر کہتے ہیں:

فالنقود الورقية هی نقود ائتمانية لكونها ائتمانا يمنحه من يملک هذه النقود للجهة التی اصدرتها ای انها دين والتزام فی ذمة المصرف المصدرلها (٢)

انہوں نے کرنسی نوٹوں کو بھی زرِ اعتباری میں شمار کیا ہے۔

شیخ مبارک علی کہتے ہیں:

آلات اعتبار کی مختلف اقسام کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے،
چیک(Cheque)مبادلتی بل یا مبادلتی ھنڈی(Bill of Exchange)اقرارنامہ(Promissory notes)
مطالباتی بنک ڈرافٹ(Bank Draft)(٣)

---

(١) القاموس الاقتصادی، النجفی(حسن النجفی)بغداد، مديرية مطبعة الادارة المحلية١٩٧٧م (ص٨٨)

(٢) النقود الائتمانية، العمر(ابراهيم بن صالح العمر) بيروت، دارالعاصمة ١٤١٤هج،

(٣) تعارف زروبنکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکالر اوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع اول١٩٩١ء(ص٢٦٤)

زر اعتباری کا ارتقاء:

اس میں شک نہیں کہ ہنڈی، چیک وغیرہ کا ارتقاء بنکنگ کے ارتقاء کے ساتھ ہی ہوا ہے، اور ہو رہا ہے ،اس سلسلہ میں کچھ مختصر جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

بعض ماہرینِ اقتصاد کا خیال ہے کہ ہنڈی بصورت موجودہ قرون وسطی میں متعارف ہوئی ہے، ان میں بعض نے اس کی تحدید بھی کی ہے کہ ہنڈی اٹھارویں صدی عیسوی میں متعارف ہوئی ہے، اور اس ابتداء اس طرح ہوئی کہ یہ عقدِ صرف کے لئے بطور آلہ استعمال ہوتی تھی، یعنی ایک ملک کے زر کے دوسرے ملک کے زر کے تبادلہ میں ہنڈی کا طریقہ کار بطور آلہ استعمال ہوتا تھا۔

چیک انیسویں صدی کی نصف میں متعارف ہوا ہے، اور اس کے متعارف ہونے کا منشاء کمرشل بنکوں کا وجود میں آنا ہی ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ زرِ اعتباری کی جڑیں بہت پرانی ہیں، چنانچہ دیکھئے فقہاء کرام نے ''سفتجہ'' (جس کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے) اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اسی طرح ''حوالہ'' فقہ کی ہر کتاب میں مذکور ہے، اور اس کے بڑے تفصیل احکام کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپی تعامل کی اصل یہی چیزیں ہیں۔

چنانچہ بعض مستشرقین نے اس کی تصریح بھی کی ہے، جوزیف شاخت، ڈاکٹر ھوفلین، اور روبسون سے وضاحت کے ساتھ یہ بات منقول ہے۔

جوزیف کے کلام میں ہے کہ Chaqae یہ فرانسیسی لفظ ہے جو ''حوالہ'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چیک ''صک'' کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔

روبسون کہتے ہیں کہ اہلِ عرب کو تجارت کے میدان میں فضیلت وسبقت حاصل ہے، اہلِ عرب نے تجارت کو دفتری شکل دی، کفالہ کی وضاحت کی، فقراء کے لئے بیت المال قائم کیا، ''سفتجہ'' کو رواج دیا۔(۱)

نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ شروع زمانہ میں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین کے زمانہ میں ''صکوک'' موجود تھے، صحابہ کرامؓ نے ان صکوک کے لین دین پر نکیر بھی فرمائی، کیونکہ یہ صکوک طعام کے

---

(۱) احکام الاوراق النقدیة و التجاریة للجعید

ہوتے تھے، اور طعام کی بیع (خرید وفروخت) قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔

جاء فی الموطاء للامام مالک رحمه الله تعالی :

وحدثنی عن مالک انه بلغه ان صکوکا خرجت للناس فی زمان مروان بن الحکم من طعام الجار، فتبایع الناس تلک الصکوک بینهم قبل ان یستوفوها فدخل زید بن ثابت ورجل من اصحاب النبی ﷺ علی مروان بن الحکم فقالا: اتحل الربایا مروان؟ فقال: اعوذ بالله وماذلک ؟ فقال: هذه الصکوک تبایعها الناس ثم باعوها قبل ان یستوفوها فبعث مروان بن الحکم الحرس یتتبعونها ینزعونها من ایدی الناس ویردونها الی اهلها.

یقول الشیخ الکاندهلوی رحمه الله تعالی تحته:

صکوک جمع صک وهو الورقة المکتوبة بدین ..والمراد ههنا الورقة التی یکتب فیها ولی الامر برزق من الطعام لمستحقیه بان لفلان کذا وکذا من الطعام وغیره(۲)

موطاءامام مالک میں ہے: امام مالک رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''مروان بن الحکم کے زمانہ میں لوگوں میں طعام کے صکوک ظاہر ہوئے، تو لوگ ان کا معاملہ قبل القبض کرنے لگیں، چنانچہ زید بن ثابتؓ اور ایک اور صحابیؓ مروان بن حکم کے پاس تشریف لے آئے، اور کہا کہ آپ ربا کو جائز قرار دے رہے ہیں؟ مروان بن حکم نے کہا کہ اللہ کی پناہ، یہ کس طرح؟ انہوں نے کہا کہ یہ صکوک ہیں، لوگ ان کی

(۲) اوجز المسالک ، الکاندهلوی(شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا)ملتان، اداره تالیفات اشرفیه (۱۱/ ۲۰۲)

خریدوفروخت قبل القبض کررہے ہیں، چنانچہ مروان بن حکم نے
پہرداروں کو بھیجا کہ صکوک ضبط کریں، اور اصل مالکوں کو واپس کریں۔

اس کے تحت حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:

''صکوک'' ''صک'' کی جمع ہے، اس سے مراد وہ کاغذ (دستاویز) ہے، جس میں دَین لکھا ہوا ہوتا تھا۔۔۔اور یہاں اس سے مراد وہ دستاویز ہے، جس میں حاکم مستحق افراد کے لئے راشن وغیرہ لکھ کر دیتا تھا کہ فلاں کا اتنا حصہ ہے، اور فلاں کا اتنا حصہ۔''

اس روایت سے یہ بات بالکل واضح اور صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ زرِاعتباری کا رواج بہت پرانا ہے، البتہ اس کی نئی اور ترقی یافتہ شکلیں بعد میں وجود میں آئیں۔

زرِاعتباری اور اس کے وظائف:

زرِاعتباری کے بہت سے معاشی اور اقتصادی فوائد ہیں، اور یہ کئی وظائف ادا کرتا ہے، ذیل میں ہم چند اہم وظائف کا ذکر کرتے ہیں:

i۔ نقلِ زر سے استغناء:

یعنی زرِاعتباری کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کی بدولت آدمی کو نقد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ بات معلوم ہے کہ باہمی معاملات کے لئے آدمی کو نقلِ رقم کی ضرورت پڑتی ؛ہے، مثلاً کوئی چیز خریدنی ہو، یا کسی کا قرضہ ادا کرنا ہو وغیرہ، تو اس کے لئے پیسہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا پڑتا ہے، زرِاعتباری کی وجہ سے آدمی اس مشقت سے محفوظ رہتا ہے، جس کی وجہ سے چوری وغیرہ کا خوف بھی نہیں رہتا، چنانچہ مبادلاتی بل (Bill of Excange) اسی مقصد کے لئے ایجاد ہوا ہے، اور یہی وظیفہ چیک بھی ادا کرتا ہے۔

ii۔ ادائیگی کا آلہ (Instrument of Payment)

زراعتباری ادائیگی کا آلہ ہے، اور اس کی وجہ سے ادائیگیوں میں بڑی سھولت ہو جاتی ہے، جس میں چیک سرِفہرست ہے۔

iii۔ اعتماد کا آلہ ہے:(Instrument of Credit)

زرِ اعتباری کو اعتباری اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سے اعتماد اور اعتبار پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اسی اعتماد کی بنیاد پر زرِ اعتباری کے ذریعہ باہمی لین دین ہوتا ہے،''اعتماد'' زرِ اعتباری کا اہم وظیفہ ہے۔

اب مبالاتی بلوں اور چیکوں کے الگ الگ فوائد ملاحظہ ہوں:

چیکوں کے نظام کے فوائد:

چیکوں کے ذریعہ لین دین کا نظام بہت سے فوائد کا حامل ہے، مثلاً:

ا۔ سھل اور کم خرچ:

چیک ادائیگی اور وصولی دونوں کا انتہائی سھل اور کم خرچ ذریعہ ہوتا ہے، چھوٹی سے چھوٹی رقم سے لیکر بڑی سے بڑی رقم کی ادائیگی اور وصولی کاغذ کے ایک حقیر پرزے کی بدولت بلا خوف وخطر اور کوئی وقت ضائع کئے بغیر عمل میں آجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں بڑے بڑے کاروباری اور صنعتی ادارے نقد رقموں کی بجائے چیکوں کے ذریعہ لین دین کو زیادہ محفوظ، سھل اور با کفایت سمجھتے ہوئے انہیں ادائیگیوں اور وصولیوں کے ذریعہ کے طور پر بے روک ٹوک قبول کرتے ہیں۔

۲۔ ادائیگیوں کا محفوظ ذریعہ:

چیک کو ادائیگیوں کے لئے محفوظ ترین ذریعہ کے طور پر بھی بخوبی استعمال کیا جاتا ہے، کاروباری ادارے اور تاجر لوگ باہمی ادائیگیوں کے لئے عموماً کراس چیک جاری کرتے ہیں، ایسے چیک چونکہ جس شخص یا ادارے کے نام جاری کئے جائیں، وہ صرف ان کے کھاتوں میں جمع ہونے کے بعد ہی قابلِ وصول ہوتے ہیں، اسلئے ان کے چوری یا ضائع ہوجانے کے باوجود ان میں مندرجہ رقم کے ضائع ہونے خطرہ نہیں ہوتا، اس کے علاوہ ادائیگیوں کی رسید کا قانونی تقاضا بھی پورا کرتے ہیں۔

۳۔ با کفایت عمل پیرائی:

چیکوں کے استعمال سے نقد زر کا استعمال کم ہوجاتا ہے، اس سے نقد زر کے لین دین کی بچت ہوجاتی ہے، بڑی بڑی ادائیگیوں اور وصولیوں کا تصفیہ کھاتوں میں اندراج سے ہوجاتا ہے، اور اس عمل میں نقد زر کے باہمی لین دین اس کے گننے، ادھر ادھر لے جانے اور پھر اس کی حفاظت کرنے جیسے اقدامات کی ضرورت نہیں

پڑتی، اس طرح چیک ادائیگیوں اور وصولیوں کا انتہائی با کفایت عمل ثابت ہوتا ہے، جس کی بدولت کاروباری سرگرمیوں کو خوب پھلنے پھولنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو جاتے ہیں۔

مبادلاتی بلوں (Bill of Exchange) کے فوائد:

مبادلاتی بل اعتبار کے کاروبار کے لین دین میں متعدد فوائد انجام دیتا ہے، مثلاً:

۱۔ بطور وسیلہ مبادلہ:

یہ بل ملکی اور بین الاقوامی تجارت میں بطور وسیلہ مبادلہ (Medium of Excange) کے فوائد کا حامل ہوتا ہے، اور تجارتی لین دین میں ادائیگی کے لئے موثر اور اہم ذریعہ ادائیگی تصور کیا جاتا ہے۔

۲۔ فریقین کے لئے فائدے کا باعث:

مبادلاتی بل کی صورت میں ایک طرف ادھار پر مال فروخت کرنے والے فریق کو اپنی رقم کی عدم وصولی کا خطرہ کم سے کم رہ جاتا ہے، تو دوسری طرف مال کے خریدار کو اس کی بدولت یہ سہولت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ رقم ادا کئے بغیر مطلوبہ مال خرید سکتا ہے، اور بل کی ادائیگی اس کی مدت ختم ہونے پر کر سکتا ہے، اس وقت تک اشیاء فروخت ہو چکی ہوتی ہیں، اس طرح مبادلاتی بل فروخت کار اور خریدار کے درمیان ادھار کاروباری لین دین میں ایک اہم وسیلہ ادائیگی بن کر دونوں فریقین کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۳۔ ادائیگیوں کا محفوظ ذریعہ:

مبادلاتی بل ادائیگی کے ایک محفوظ ذریعہ کے فرائض بھی بخوبی انجام دیتا ہے، کیونکہ عدمِ ادائیگی کی صورت میں بل کا حامل شخص عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ بآسانی بل کی رقم وصول کر سکتا ہے۔

۴۔ بل پر کٹوتی کا فائدہ:

مبادلاتی بل مدت پوری ہونے سے پہلے بھی کیش ہو سکتا ہے، جس کے لئے اسے بنک میں کٹوتی کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے، کٹوتی کی صورت میں بنک بل کی بقیہ مدت کا سود مقررہ شرح سے کاٹ کر باقی نقد رقم ادا کر دیتا ہے۔

زرِاعتباری کے معتبر ہونے کی شرطیں:

اہلِ قانون کے نزدیک ''زرِاعتباری'' کے معتبر ہونے کی کچھ شرطیں ہیں، جن کے بغیر زرِاعتبار زر ہی نہیں، اور قانوناً اس کے ساتھ زرسا معاملہ نہیں کیا جاتا، ذیل میں ہم ان شرطوں کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:

۱۔ باہمی رضامندی:

اس شرط کا پایا جانا مرتب (Drawer) اور مرتب الیہ (Drawee) دونوں میں ضروری ہے، مرتب کی طرف سے اس پر دستخط، اور مرتب الیہ کا اس کو وصول کرنا ہی ان دونوں کی رضامندی اور خوشی کی علامت ہے۔

۲۔ سبب:

یعنی جس کی وجہ سے یہ دستاویز یا کاغذ تیار کیا جاتا ہے ۔جس کو ''باعث'' اور ''داعی'' بھی کہتے ہیں۔لھذا سبب سے مراد باعثِ تحریر ہے۔

۳۔ محل :

جس کی بدولت زرِاعتباری زر ہو، اور وہ نقد ہی ہے، یعنی زرِاعتباری کا محل ''نقد'' ہے، چنانچہ سامان وغیرہ پر مشتمل کاغذ زرِاعتباری نہیں ہوسکتا۔

۴۔ اہلیت :

اہلیت کا پایا جانا ایک ایسی شرط ہے جس کا پایا جانا ہر چیز کے لئے ضروری ہے، اہلیت کے بغیر کوئی چیز قانوناً وشرعاً معتبر نہیں، بعض اہلِ قانون نے اہلیت کے لئے عمر کی قید بھی لگائی ہے، یعنی اکیس سال، اکیس سال سے کم عمر والا شخص زرِاعتباری کے ساتھ لین دین نہیں کرسکتا الا یہ کہ محکمہ کی طرف سے اس کو اس کی اجازت حاصل ہو۔جیسا کہ ستر بن ثواب الجعید اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:

واهل القانون يحددون سنا معينة للاهلية وهي احدى وعشرين سنة.

اہلِ قانون اہلیت کے لئے عمر کی حد بندی کرتے ہیں، اور وہ اکیس سال ہے ۔(۱)

(۱) احكام الاوراق النقدية والتجارية الجعيد (ستر بن ثواب) السعودية ، الطائف ،مكتبة الصديق ، طبع اول ۱۹۹۳ء(ص ۲۴۹)

۵۔ مرتب (Drawer) کے دستخط:

زرِ اعتباری پر مرتب کے دستخط ضروری ہیں۔

۶۔ مرتب الیہ (Drawee)

وہ شخص جس کے نام حکم نامہ لکھا جاتا ہے، اس کا نام دستاویز پر لکھنا ضروری ہے۔

۷۔ وصول کنندہ (Payee)

حکم نامہ پر وصول کنندہ کا نام کا ہونا بھی ضروری ہے۔

۸۔ جاری کرنے کی تاریخ اور جگہ کا نام لکھنا ضروری ہے۔

۹۔ ادائیگی کی تاریخ اور جگہ کا نام لکھنا بھی ضروری ہے۔

۱۰۔ رقم کا اندراج اور مقدار کی تعیین بھی ضروری ہے۔

۱۱۔ ''مالیت وصول شدہ'' یا ''برائے مالیت وصول شدہ'' کے الفاظ کا اندراج بھی ضروری ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عام طور پر مبادلاتی بل (ہنڈی) اور چیک کے تین فریق ہوتے ہیں:

الف: مرتب (Drawer)

ب: مرتب الیہ (Drawee)

ج: وصول کنندہ (Payee)

اور بانڈز کے عام طور پر دو فریق ہوتے ہیں: مرتب اور مرتب الیہ

اسی وجہ سے مبادلاتی بل (ہنڈی) اور چیک کو عربی میں ''ثلاثیۃ الاطراف'' اور بانڈز کو ''ذو طرفین'' کہا جاتا ہے۔(۱)

(۱) (۱) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة الجعید (ستر بن ثواب) السعودیة ، الطائف ،مکتبة الصدیق ، طبع اول ۱۹۹۳ء(ص ۲۵۰)

زرِ اعتباری میں لین دین کے طریقے:

زرِ اعتباری میں لین دین کا اہم طریقہ "تظہیر" (Endorsement) ہے، تظہیر سے مراد قابلِ منتقلی آلاتِ اعتبار یعنی چیکوں، وعدے ناموں اور مبادلاتی بلوں وغیرہ کی رقم کی وصولی کے لئے کسی دوسرے شخص کو اختیار دینا ہے، آلاتِ اعتبار خصوصاً وعدے ناموں اور مبادلاتی بلوں کی ادائیگی کے لئے مدت دی ہوئی ہوتی ہے جو ملکی آلاتِ اعتبار میں کم سے کم ایک ماہ اور زیادہ سے زیادہ تین ماہ اور غیر ملکی بلوں کی صورت میں چھ ماہ تک ہوتی ہے، اس مدت کے دوران آلاتِ اعتبار ایک دوسرے اور دوسرے سے تیسرے شخص کو منتقل ہوتے رہتے ہیں، تاہم اس کے لئے تحریری تظہیر ضروری ہوتی ہے، اور یہ اسی صورت میں درست قرار دی جاسکتی ہے جبکہ متعلقہ شخص اس کا مجاز ہو، اور اس میں وہ ساری شرائط پائی جاتی ہوں، جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

تظہیر (Endorsement) کے قانونی تقاضے:

تظہیر کو قانونی طور پر مندرجہ ذیل تقاضوں کو پورا کرنا چاہیئے:

۱۔ تظہیر کو مبادلاتی بل پر درج کیا جانا چاہیئے، اور اس مقصد کے لئے سپرد کرنے والے کے دستخط بھی کافی سمجھے جاتے ہیں۔

۲۔ تظہیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ بل کو مکمل طور پر سپرد کئے جانے کے لئے ہونی چاہیئے، یعنی بل کو جزوی طور پر کسی کے سپرد نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی ایک بل کو ایک ہی وقت میں مختلف اشخاص کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اگر بل کی ادائیگی دو یا دو سے زیادہ افراد کے حکم سے مشروط ہو، تو ایسی صورت میں فرداً فرداً ان تمام مجاز کی طرف سے ادا کی جانی چاہیئے۔

۴۔ جب بل حسبِ حکم ادا کیا جانے والا ہو، اور اس میں سپرد کنندہ کا نام غلطی سے لکھا گیا ہو، تو ایسے شخص کو بل کسی دوسرے شخص کو سپرد کرتے وقت وہی نام لکھنا چاہیئے جو بل پر لکھا گیا ہو، تاہم اگر وہ چاہے تو سپردگی (تظہیر) کے ساتھ اپنا صحیح نام لکھ دے، وہ بل میں لکھے گئے نام کی تصدیق بھی کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔

۵۔ اگر بل کئی بار تظہیر کے ذریعہ منتقل کیا جاتا رہا ہو، تو اس صورت میں سپردگی کی اہمیت اور اصلیت

اس کی ترتیب کے ذریعہ ظاہر کی جاتی ہے، مثلاً ایک بل یکم جنوری کو انور کے نام سپرد کیا گیا، اور وہی بل تیس جنوری کو اکبر کے نام اور اکبر نے وہی بل تیس جنوری کو حامد کے نام کر دیا، تو ایسی صورت میں انور، اکبر اور حامد کا حق بل پر اسی تریب سے قائم کیا جائے گا۔

تظہیر کی اقسام:

تظہیر کو مندرجہ ذیل سات اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ تظہیر محض (Blank Endorsement)

محض تظہیر بل کی پشت پر مجاز سپردکار کے محض دستخطوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس قسم کی تظہیر اگر کسی بل کے پابند (Payee) یا سپرد کنندہ (Endorsee) کی طرف سے کی گئی ہو، تو پھر وہ بل ایک عام حاملِ بل کی طرح قابل ادا ہوگا یعنی اسے جو شخص بھی پیش کرے گا، وہ اسے ادا کر دیا جائیگا۔

۲۔ خصوصی تظہیر (Special Endorsement)

خصوصی تظہیر یا سپردگی وہ ہے جو اس شخص کے نام مخصوص کر دے جسے یا جس کے حکم سے بل قابلِ ادا ہو، اس قسم کی تظہیر میں سپردکار بل کی پشت پر اپنے دستخطوں کے ساتھ اس شخص کا نام بھی درج کر دیتا ہے، جسے یا جس کے حکم سے وہ بل قابلِ ادا ہوتا ہے۔

۳۔ مشروط تظہیر (Conditional Endorsement)

مشروط تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط کر دیا جاتا ہے، مثلاً اکرم کو اس بل کی رقم بل آف لینڈنگ (Bill of Landing) کی حوالگی پر ادا کر دی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اکرم مذکورہ بل آف لینڈنگ کی حوالگی کے بعد ہی بل کی رقم وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

۴۔ جزوی تظہیر: (Partial Endorsement)

جزوی تظہیر کی صورت میں بل کی کل رقم کا کچھ حصہ کسی اور شخص کو ادا کرنے لئے کہا جاتا ہے مثلاً ایک ہزار روپے کے اس بل میں سے سات سو روپے اکرم کو ادا کر دیے جائیں، جزوی تظہیر کی صورت میں اکرم اس بل میں سات سو روپے کی رقم وصول کرنے کا مجاز تو بن جاتا ہے، مگر بل اس کے نام منتقل نہیں ہو سکتا ہے۔

۵۔ پابند تظہیر (Restrictive Endorsement)

پابند تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کسی خاص شخص کے لئے مخصوص کردی جاتی ہے مثلاً اس بل کی رقم صرف اکرم کو ادا کردی جائے، یا اس بل کی رقم صرف اس کھاتہ نمبر میں جمع کی جائے وغیرہ۔

۶۔ منفی تظہیر (Negative Endorsement)

جب سپردکار اپنے دستخطوں کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کردے "بلا رجوع یا عدم ادائیگی کی ذمہ داری میری نہیں ہوگی" (Sans Recourse or Without Recourse to Me) تو اس حوالگی کے تحت منتقل کرنے والے پر زیادہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اگر وہ بلا اخراجات (Sans Frains) یا (No Charges) کے الفاظ لکھ دے، تو اس سے وہ دیگر قسم کے اخراجات کی ذمہ داری سے مستثنیٰ ہو جائے گا۔

۷۔ مجاز تظہیر (Facultative Endorsement)

مجاز سپردگی وہ ہے جس میں سپردکار اپنے کچھ یا سارے حقوق سے دستبردار ہو جائے، مثلاً کسی شخص کے نام ایک بل کی عدمِ ادائیگی کے نوٹس کو واپس لے لینا مجاز سپردگی ہوگی۔

❖

باب ہشتم

مالیاتی دستاویزات

باب ہشتم

مالیاتی دستاویزات

چونکہ مالی دستاویزات کے شرعی حکم بیان کرنے میں "بیع الدین"اور"حوالہ" کی بحث بکثرت آئے گی، اور مالی دستاویزات میں سے اکثر کا شرعی حکم اسی بحث پر موقوف ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مالی دستاویزات پر گفتگو کرنے سے پہلے "بیع الدین" اور "حوالہ" سے بحث کی جائے، اس کی مختلف صورتیں بیان کی جائیں، اور ہر صورت کا شرعی حکم بیان کیا جائے۔

آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) میں بیع الدین کا لین دین بکثرت ہونے لگا ہے، اور بہت سارے مالی دستاویزات میں اس کا رواج ہونے لگا ہے، کبھی قیمت اسمیہ (Face Value) سے کم پر مالی دستاویز بیچا جاتا ہے، اور کبھی قیمت اسمیہ سے زیادہ پر۔

"بیع الدین" ترکیب اضافی ہے، جو دو اجزا پر مشتمل ہے، یعنی بیع اور دین، بیع کے معنی فروخت (Sale) کرنے کے ہیں، اور دین کے معنی ادھار (Debt) کے ہیں۔ تو اس مرکب کے معنی ہوئے ادھار کو فروخت کرنا۔

بیع الدین کی بہت ساری صورتیں ہیں، جو تین قسم میں منحصر کی گئی ہیں:

۱۔ بیع الدین بالدین

۲۔ بیع الدین ممن علیہ الدین

۱۔ بیع الدین بالدین:

اس کو "بیع الکالی بالکالی" بھی کہتے ہیں، "کالی" بھی ادھار کو کہتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، کہ معاملہ خود مدیون کے ساتھ ہو، اور یہ بھی ہوسکتا کہ معاملہ کسی تیسرے شخص کے ساتھ ہو۔ مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں نے تم سے ایک ٹن گندم دو ہزار روپے میں خریدی، لیکن میں گندم پر اور تم دو ہزار روپے پر ایک ماہ بعد قبضہ کریں گے، اس مثال میں دو ہزار روپے زید کے ذمہ دین ہے، اور ایک ٹن گندم عمرو کے ذمہ دین ہے، یہ بیع الدین بالدین ہے۔ اس لئے کہ دونوں طرف معاملہ ادھار پر ہوا۔

یا مثلاً زید نے بیع سلم کے طریقہ سے ایک ٹن گندم بیچی، لیکن جب وقت مقررہ آگیا، تو وہ ایک ٹن گندم

دینے سے عاجز رہا، تو اس نے خریدنے والے سے کہا کہ میرے ذمہ جو تمھارا ایک ٹن گندم ہے، وہ مجھے تین ہزار روپے میں بیچو، لیکن میں تین ہزار روپے ایک ماہ بعد ادا کروں گا، یہ بیع الدین بالدین ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

یہ قسم جمہور علماء کرام کے نزدیک ناجائز ہے، اور اس میں ان کی دلیل مشہور حدیث ہے، جو درج ذیل ہے:

ان النبی ﷺ نھی عن بیع الکالی بالکالی

رسول اللہ ﷺ نے ادھار بمقابلہ ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۱)

اس حدیث شریف پر بعض علماء نے کچھ کلام کیا ہے، لیکن اصولِ حدیث کے پیش نظر یہ حدیث قابل استدلال ہے، اور امت نے اس حدیث کو قبول کیا ہے، اور علماء نے اس حدیث سے اس باب میں استدلال کیا ہے، اس کو "تلقی بالقبول" کہتے ہیں، اس سے حدیث کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وکذا مااعتضد بتلقی العلماء له بالقبول قال بعضھم : یحکم للحدیث بالصحة اذا تلقاہ الناس بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح ، قال ابن عبد البر فی الاستذکار: لما حکی عن الترمذی ان البخاری صحح حدیث البحر : ھو الطھور ماء ہ "واھل الحدیث لایصححون مثل اسنادہ ، لیکن الحدیث عندی صحیح لان العلماء تلقوہ بالقبول وقال فی التمھید: روی عن

(۱) ھذ االحدیث مروی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما فیما اخرجه الحاکم فی المستدرک ۲:۶۵رقم الحدیث ۲۳۴۲طبع بیروت ۱۴۱۱ھ والدارالقطنی فی سننه ۳: ۷۱رقم الحدیث ۲۶۹ من کتاب البیوع والبیھقی فی سننه الکبری ۵: ۲۹۰باب ماجاء فی النھی عن بیع الدین بالدین وعبدالرزاق فی مصنفه۸: ۹۰رقم الحدیث ۱۴۴۴۰ وغیرہ

جابر عن النبی ﷺ الدینار اربعة وعشرون قیراطا ، قال:
وفی قول جماعة العلماء واجماع الناس علی معناه غنی
عن الاسناد فیه.(۱)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے اس کلام کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف ہو، لیکن اس کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے، تو اس حدیث کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

بہر حال جمہور فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "بیع الکالی بالکالی" ناجائز ہے۔ بلکہ بعض علماء کرام نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۲. بیع الدین ممن علیه الدین

یعنی جس پر دین ہو، اسی کو دین بیچا جائے، مثلاً: زید کے ذمہ عمرو کا دین ہے، تو زید مدیون ہے، اور عمرو دائن ہے، تو زید عمرو سے کہتا ہے کہ تمھارا جو قرضہ میرے ذمہ ہے، اس کے بدلہ میں مجھ سے یہ کپڑا خریدو، یا عمرو کہے کہ جو قرضہ میرا تمھارے ذمہ ہے، اس کو میں تمھیں اس کپڑے کے بدلہ میں بیچ دیتا ہوں، یہ صورت جمہور فقہاء کرام کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ویجوز بیعه (یعنی الدین)ممن علیه لان المانع هو
العجز عن التسلیم ولاحاجة الی التسلیم هنا ونظیره : بیع
المغصوب انه یصح من الغاصب ولایصح من غیره اذا
کان الغاصب منکرا ولابینة للمالک .

جس پر دین ہے، اس پر دین فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ مانع عجز عن التسلیم ہے، اور یہاں تسلیم کی ضرورت ہی نہیں الخ (۲)

---

(۱) تدریب الراوی للسیوطی ص۲۵، طبع المدینة المنورة

(۲) بدائع الصنائع ۱۴۸/۵

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ جتنی شرطیں عام بیع کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہیں، وہ تمام شرطوں کا متحقق ہونا یہاں بھی ضروری ہے، مثلاً عام بیع میں یہ شرط ہے کہ مبیع بائع کے قبضہ میں ہو، یہ شرط بیع الدین کی مذکورہ صورت میں ہونا بھی ضروری ہے، اوراسی وجہ سے مسلم فیہ (مبیع) کو مسلم الیہ کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔جیسا کہ علامہ کاسائیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

ولایجوز بیع المسلم فیه لان المسلم فیه مبیع ولا یجوز المبیع قبل القبض .

مسلم فیہ کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ مسلم فیہ مبیع ہے، اور مبیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔(۱)

اسی طرح اگر دین اور اس کا عوض دونوں ربوی ہوں، تو اس کے جواز کے لئے ربویات کی شرائط پوری کرنا ضروری ہے، اسی وجہ سے اکثر فقہاء کرام نے منع فرمایا ہے کہ دین موجل کو معجّل کیا جائے بشرطیکہ بعض دین کو معاف کیا جائے، جیسے "ضع وتعجل" کا مسئلہ کہتے ہیں، اور انگریزی میں اس کو "Rebat" کہتے ہیں، جس پر علماء کرام نے متعلقہ مقام پر مفصل بحث کی ہے۔

اسی طرح اگر مدیون نے اپنا دین دائن سے دین کی مقدار سے زائد ثمن موجل پر خریدا، تو یہ بھی عین ربا ہے، اور یہ "اتقضی ام تربی" کے اندر داخل ہے، جس کی حرمت قرآن وسنت میں موجود ہے۔ مثلاً:

زید کے عمرو کے ذمہ ایک ہزار روپے دین واجب الاداء ہے، اب عمرو زید سے یہ ایک ہزار روپے ایک ڈیڑھ ہزار روپے میں ایک ماہ کی تاجیل پر خرید رہا ہے، تو اس کا ربا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۳۔ بیع الدین من غیر من علیہ الدین

یہ بیع الدین کی تیسری صورت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دائن اپنا دین کسی تیسرے شخص (Third Person) کو فروخت کرتا ہے، اس کے حکم میں اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ، حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) بدائع الصنائع ۱۴۸/۵)

لاینبغی للرجل اذا کان له دین ان یبیعه حتی
یستوفیه لانه غرر فلایدری ایخرج ام لالایخرج

جب تک کوئی شخص اپنا دین وصول نہ کرے، اس کے لئے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں غرر ہے، کچھ پتہ نہیں کہ وہ دین وصول ہو یا نہ ہو۔(۱)

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولاینعقد بیع الدین من غیر من علیه الدین لان الدین اما ان یکون عبارة عن مال حکمی فی الذمة واما ان یکون عبارة عن فعل تملیک المال وتسلیمه وکل ذلک غیر مقدور التسلیم فی حق البائع ولوشرط التسلیم علی المدیون لایصح ایضالانه شرط التسلیم علی غیر البائع فیکون شرطا فاسدا فیفسد البیع.

غیر مدیون کے ساتھ بیع الدین کا عقد منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ یا تو دین مال حکمی فی الذمہ سے عبارت ہے، اور یا تملیک المال کے فعل سے عبارت ہے، اور دونوں صورتیں بائع کے حق میں غیر مقدورالتسلیم ہیں، اور اگر مدیون پر تسلیم کو شرط قرار دیا جائے، تو یہ بھی درست نہیں، کیونکہ یہ شرط غیر بائع کی طرف متوجہ ہے، تو یہ شرط فاسد ہوگی، جس سے بیع فاسد ہوجائے گی۔(۲)

قاضی ابویعلی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واختلف فی بیع الدین ممن هو علیه فنقل ابوطالب المنع

(۱) الموطاء للامام محمد رحمه الله باب الرجل یکون له العطایا او الدین علی الرجل فیبیعه ص ۳۵۴)

(۲) بدائع الصنائع ۱۴۸/۵)

ونقل منه جواز ذالک ولاتختلف الرواية انه لايجوز بيعه
من غيرمن هو في ذمته الخ

دین کوفروخت کرنامن علیہ الدین میں اختلاف ہے، چنانچہ
ابوطالب نے منع نقل فرمایا ہے، لیکن جواز بھی منقول ہے، اوردین کومن
لیس علیہ الدین کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلافِ روایت نہیں۔(۱)

علامہ مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لايجوز بيع الدين المستقر لغير من هو في ذمته
وهو الصحيح من المذهب وعليه الاصحاب الخ

دین کوفروخت کرنامن لیس علیہ الدین کوجائز نہیں، یہی صحیح
مذہب ہے، اوراسی کواصحاب نے اختیار کیا ہے۔(۲)

اہم نوٹ: یہ یادرکھنا چاہیئے کہ بیع الدین من لیس علیہ الدین بیع کے طریقہ سے ممنوع ہے، اگر یہ حوالہ کے طریقہ سے ہو، تو سب کے نزدیک جائز ہے، بیع اورحوالہ میں یہ فرق ہے کہ حوالہ میں اگرمحال علیہ مفلس ہوجائے، یاانکار کرے، اورگواہ موجود نہ ہوں، تواس صورت میں محتال (اصل دائن) اپنادین وصول کرنے کے لئے محیل (اصل مدیون) کی طرف رجوع کرسکتا ہے، لیکن بیع کی صورتحال یہ ہے کہ جب مدیون اپنادین فروخت کرے، توگویا کہ دین خریدنے والاتمام حقوق میں مدیون کا قائم مقام بن جاتا ہے، لھذا جب مدیون مفلس ہوجائے یادین کاانکار کرے، تواس کے لئے جائز نہیں کہ دین فروخت کرنے والے کی طرف رجوع کرے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بیع کی صورت میں غرر ہے، اورحوالہ کی صورت میں غرر نہیں ہے ،اس لئے کہ دائن محیل کی طرف رجوع کرسکتا ہے، کمامر۔

بہرحال حنفیہ اورحنابلہ کے نزدیک بیع الدین من لیس علیہ الدین کوناجائز ہے، جہاں تک مالکی اور شافعی مذہب کاتعلق ہے، تووہ درج ذیل ہے:

---

(۱) كتاب الروايتين والوجهين لابي يعلى ۱/۳۵۷)

(۲) الانصاف للمرداوی ۵/۱۱۲، وراجع ايضاالفروع لابن مفلح ۴/۱۸۵)

مذہب مالکی:

ان کے نزدیک بھی اصل یہی ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ مدیون حاضر ہو۔

۲۔ مدیون دین کا اقرار کرتا ہو۔

۳۔ دین اس قبیل سے ہو کہ اس کی بیع قبل القبض جائز ہو، لھذا دین اگر طعام کی شکل میں ہو، تو اس کی بیع جائز نہیں، کیونکہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

۴۔ دین کا تبادلہ غیر جنس کے ساتھ ہو،

۵۔ یہ معاملہ سونے و چاندی کا نہ ہو۔

٦۔ مدیون اور دین خریدنے والے کے درمیان عداوت نہ ہو۔

اس سلسلہ میں علامہ زرقانی مالکیؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

ومنع بيع الدين على الغائب ولو قربت غيبته او
ثبت ببينة وعلم ملاء ه بخلاف الحوالة عليه فانها جائزة
...ومنع بيع دين على حاضر ولو ببينة الاان يقر والدين
ممايباع قبل قبضه وبيع غير جنسه وليس ذهبا بفضة
ولاعكسه وليس بين مشتريه ومن عليه عداوة ولا قصد
اعناته فلابد من هذه الخمسة شروط لجواز بيعه زيادة
على قوله يقر.(١)

اس عبارت کا حاصل وہی شرائط ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

(١) شرح الزرقانی علی مختصر خلیل ۸۳/۳

مذہب شافعی:

ان کے ہاں اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلم ان الاستبدال بیع لمن علیہ دین ، فاما بیعہ لغیرہ کمن لہ علی انسان مائۃ فاشتری من آخر عبدا بتلک المائۃ فلایصح علی الاظہر لعدم القدرۃ علی التسلیم وعلی الثانی یصح بشرط ان یقبض مشتری الدین ممن علیہ علیہ وان یقبض بائع الدین العوض فی المجلس فان تفرقا قبل قبض احدھما بطل العقد قلت: الاظہر الصحۃ(۱)

وفی شرح المہذب: فاما بیعہ لغیرہ کمن لہ علی رجل مائۃ فاشتری من آخر عبدا بتلک المائۃ ففی صحتہ قولان مشہوران اصحھما : لایصح لعدم القدرۃ علی التسلیم والثانی: یصح بشرط ان یقبض مشتری الدین ممن ھو علیہ وان یقبض بائع الدین العوض فی المجلس فان تفرقا قبل قبض احدھما بطل العقد (۲)

ان نصوص کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بیع الدین من غیر المدیون شافعیہ کے ہاں جائز نہیں، البتہ اگر مشتری مجلسِ عقد میں دین پر قبضہ کرلے، لیکن ظاہر ہے کہ اس شرط کی وجہ سے دین دین ہی نہیں رہا، تو حاصل یہی رہا کہ بیع الدین ممن لیس علیہ ان کے ہاں جائز نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج الطالبین میں عدم جواز کا قول ہی ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا:

(۱) روضۃ الطالبین للنووی ۳/۵۱۴

(۲) المجموع شرح المہذب ۹/۳۰۰

وبيع الدين لغير من عليه باطل في الاظهر بان

اشترى عبد زيد بمائة له على عمرو. (۱)

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر شافعیہ مطلقاً بیع الدین ممن لیس علیہ کو نا جائز کہتے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ کہ بیع الدین کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت جمہور علماء کے نزدیک نا جائز ہے، دوسری صورت جائز ہے، اور تیسری صورت حنفیہ، حنابلہ اور اکثر شافعیہ کے نزدیک نا جائز ہے، البتہ مالکیہ چند شرائط کے ساتھ یہ صورت جائز ہے، لیکن ان تمام شرائط کو پورا کرنا آسان کام نہیں، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ان کے مذہب کا حاصل بھی عدم جواز ہی نکلتا ہے۔ (۲)

(۱) منهاج النووى مع مغنى المحتاج ۲/۷۱

(۲) من اراد ان يطالع هذا البحث الانيق بالاستيعاب فله ان يراجع كتاب "بحوث فى قضايافقهية معاصرة" المجلد الثانى، للشيخ المفتى محمد تقى العثمانى، مكتبه دارالعلوم كراتشى، طبع ربيع الاول ۱۴۲٦ من الهجرة النبوية على صاحبها الصلاة والسلام

حوالہ:

دوسری بحث جس کا تذکرہ مالیاتی دستاویزات میں بکثرت ہوتا ہے، وہ حوالہ کی بحث ہے، لھذا حوالہ کی تعریف وحقیقت، چند مخصوص اصطلاحات، حوالہ کی شرائط اور احکام کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

حوالہ کی تعریف:

حوالہ لغت میں ''نقل'' کو کہتے ہیں، یعنی منتقل ہونا یا منتقل کرنا، اور اصطلاح شرع میں اس کی تعریف درج ذیل ہے:

نقل الدين من ذمة المحيل الى ذمة المحتال عليه

دین محیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جائے۔(۱)

یعنی دین (Debt) محیل کے ذمہ واجب ہوتا ہے، لیکن حوالہ کے بعد اس کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور محیل کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور یہی فرق ہے حوالہ اور کفالہ میں کہ حوالہ میں ''انتقال'' پایا جاتا ہے، اور کفالہ میں ''ضم'' پایا جاتا ہے، یعنی کفالہ میں اصل مدیون کے ساتھ کفیل کا ذمہ بھی مشغول ہو جاتا ہے، اور اصل مدیون بری عن الدین نہیں ہوتا۔

اصطلاحات:

محیل:۔اصل مدیون (Debter) کو کہتے ہیں۔

محتال/محال/محتال لہ/محال لہ:۔اصل دائن (Creditor) کو کہتے ہیں۔

محتال علیہ/محال علیہ:۔ تیسرے شخص (Third Person) کو کہتے ہیں، یعنی جو قرضہ کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔

محال بہ:۔ دین (Debt) کو کہتے ہیں۔

---

(۱) الدرالمختار كتاب الحواله، اور هنديه كے الفاظ يه هيں: نقل الدين من ذمة الى ذمة هو الصحيح كذا فى النهر الفائق (۹۵/۳)

توی: لغت میں ھلاک المال کو کہتے ہیں، اور شریعت میں اس کی دوصورتیں ہیں:

۱۔ محال علیہ حوالہ کا انکار کرے، اور قسم بھی کھائے کہ میں نے حوالہ قبول نہیں کیا ہے، ورمحتال کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں۔

۲۔ محال علیہ مفلس ہونے کی حالت میں مرجائے۔

ان دونوں صورتوں میں اگر دائن اصل مدیون سے اپنے دین کا مطالبہ نہ کرے، تو اس کا مال ھلاک یعنی ضائع ہوجائے گا، اس کو ''توی'' کہتے ہیں۔

رکنِ حوالہ:

حوالہ کا رکن صرف ایجاب وقبول ہے۔ یعنی محیل کی طرف سے ایجاب ہو، اور محال علیہ اور محال دونوں کی طرف سے قبول ہو۔ جیسا کہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اما ركن الحوالة فهو الايجاب و القبول، الايجاب من المحيل و القبول من المحال عليه و المحال جميعا الخ (۱)

شرائطِ حوالہ:

حوالہ میں اطرافِ ثلاثہ یعنی محیل، محال لہ، اور محال تینوں کا عاقل ہونا، بالغ ہونا، اور تینوں کی رضامندی کا پایا جانا ضروری ہے، لھذا اطراف ثلاثہ میں سے کسی بھی طرف کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ نیز محال بہ کا دین ہونا بھی ضروری ہے، لھذا اعیان کا حوالہ درست نہیں۔ نیز دین وغیرہ کا معلوم ہونا ضروری ہے، لھذا حوالہ بالمجھول جائز نہیں۔ چنانچہ معاییر شرعیہ میں لکھا ہے:

يشترط ان يكون كل من الدين المحال به و الدين المحال عليه معلوما صحيحاقابلا للنقل (۲)

(۱) بدائع الصنائع للكاسانى كتاب الحواله(۱۵/۶)

(۲) المعايير الشرعية (ص ۱۰۱)

اقسامِ حوالہ:

حوالہ کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:

حوالہ مقیدہ ، حوالہ مطلقہ، حوالہ حالہ ، حوالہ موجلہ

حوالہ مقیدہ: اس میں محیل کا محتال علیہ کے ذمہ کوئی دین یا عین واجب ہوتا ہے، اور حوالہ میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ محتال علیہ اسی میں سے محیل کا دین ادا کرے گا، اس صورت میں محتال علیہ کو دین کی ادائیگی کی صورت میں محیل کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔

حوالہ مطلقہ: اس میں محیل کا محتال علیہ کے ذمہ کوئی دین یا عین واجب الاداء نہیں ہوتا، بلکہ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق محتال علیہ اپنے مال میں سے محیل کی طرف سے دین ادا کر دیتا ہے، اور پھر محیل کی طرف رجوع کر لیتا ہے کہ میری رقم دیدو۔

حوالہ حالہ: یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں دین محتال علیہ کے ذمہ فی الحال واجب ہو، خواہ پہلے سے اس طرح ہو، یا پہلے سے موجل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کو ساقط کر دیا گیا ہو۔

حوالہ موجلہ: یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں دین محتال علیہ کے ذمہ موجل طریقہ سے واجب ہوتا ہے، خواہ پہلے سے اس طرح ہو، یا پہلے سے معجّل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کی قید لگائی گئی ہو۔(۱)

احکامِ حوالہ:

۱۔ حوالہ میں محیل اپنے دین سے بری ہو جاتا ہے۔

۲۔ اس میں محال کو محال علیہ سے دین کے مطالبہ کی ولایت حاصل ہو جاتی ہے۔

۳۔ اگر محال محال علیہ کا تعاقب شروع کرے، تو محال علیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ محیل کا تعاقب کرے۔

محال علیہ حوالہ سے کس طرح خارج ہوگا؟ اس کی صورتیں:

المعايير الشرعية (ص ۱۰۱)

۱۔ حوالہ فسخ ہو جائے۔

۲۔ توی کی صورت میں، جس کی تفصیل اصطلاحات کے ذیل میں گزر گئی۔

۳۔ محال علیہ دین محال کو ادا کرے۔

۴۔ محال دین محال علیہ کو ہبہ کرے۔

۵۔ محال دین محال علیہ کو صدقہ کرے۔

۶۔ محال مر جائے، اور محال علیہ کا اس کا وارث ہو۔(۱)

(۱) کل ذلک ماخوذ من بدائع الصنائع للعلامة الکاسانی کتاب الحوالہ. کذا فی الکتب العامة للفقه.

چیک:(Bank Cheque)

بیع الدین اور حوالہ کی بحث کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد اب ہم اللہ تعالی کے نام سے مالیاتی دستاویزات کا مختصر جائزہ لے رہے ہیں، اللہ تعالی ہر مرحلہ پر اپنی مدد شاملِ حال رکھے۔

چیک کی تعریف:

چیک ایک قسم کا تحریری اور دستخط شدہ حکم نامہ ہوتا ہے جس میں بنک کا کوئی کھاتہ دار سے اس کے کھاتہ سے ایک مخصوص رقم کسی دوسرے شخص کو ادا یا منتقل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔(۱)

ڈاکٹر محمد عثمان شبیر چیک کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الشیک ماخوذ من الصک وهو وثیقة بمال او نحوه والشیک محرر یتضمن امرا مکتوبا یطلب به الساحب من المسحوب علیه (المصرف) ان یدفع بمجرد الاطلاع علیه مبلغا معینامن النقود لشخص معین اولاذنه او لحامله.

چیک صک سے لیا گیا ہے، صک مال وغیرہ کے وثیقے کو کہتے ہیں، اور چیک ایک مکتوب ہے جس میں ایسا حکم لکھا ہوا ہوتا ہے جس سے لکھنے والا بنک سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس پر مطلع ہونے کے بعد ایک خاص مقدار رقم کی کسی خاص شخص یا اس کے اذن سے یا حامل (Bearer) کو ادا کرے (۲)

---

(۱) تعارف زروبنکاری ص ۲۲۳

(۲) المعاملات المالیة المعاصرة فی الفقه الاسلامی، (شبیر)محمد عثمان شبیر،اردن، دارالنفائس ، طبع ثالث ۱۴۱۹ھ

ڈاکٹر جعید نے یوں تعریف کی ہے:

هو امر مكتوب وفقا لاوضاع حددها العرف
يطلب به الآمر (الساحب) ،من المسحوب عليه ويكون
بنكا غالبا ان يدفع بمقتضاه وبمجرد الاطلاع مبلغا معينا
لاذن شخص معين او لحامله (١)

اس تعریف کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

آگرہ وال نے یوں چیک کی یوں تعریف کی ہے:

A cheque is an instrument containing an unconditional order, signed by the depositor, directing his banker to pay on demond a definite sum of money to himself or to the person named therein or the bearer of the cheque.

چیک ایک ایسا آلہ ہے جو غیر مشروط حکم پر مشتمل ہو، اور اس پر ڈپازٹر کے دستخط ہوں، جس میں وہ اپنے بنکر کو ہدایت دیتا ہے کہ مطالبہ پر ایک خاص رقم اس کو یا جس کا اس میں نام ہو، یا حامل کو ادا کرے۔(۲)

چیک کے اطراف:

کسی بھی چیک کے عموماً تین فریق ہوتے ہیں:

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية الجعيد (ستر بن ثواب) السعودية ، الطائف ،مكتبة الصديق ، طبع اول ۱۹۹۳ء(ص ۳۶۰)

(۲) Intrudaction to Economic Principles.Dr.A.N.Agrawal

الف: مرتب /ساحب (Drawer)

ب: مرتب الیہ /مسحوب علیہ (Drawee) جو عموماً بنک ہی ہوتا ہے۔

ج: وصول کنندہ /مستفید (Payee)

الف سے مراد وہ شخص ہے جو چیک جاری کرتا ہے اور اس پر دستخط کرتا ہے، ب سے مراد وہ فریق ہے، جس کو چیک پیش کیا جاتا ہے، جو عموماً بنک ہی ہوتا ہے، اور ج سے مراد وہ شخص ہے جس کو چیک میں درج شدہ رقم مل جائے۔

چیک اور مبادلاتی بل (Bill of Exchange) میں چند نمایاں فروق:

۱۔ مبادلاتی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک صرف متعلقہ بنک کے نام ہی جاری کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت ضروری ہے، جبکہ چیک میں بنک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳۔ مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴۔ مبادلاتی بل کراس نہیں کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک کو کراس کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ مبادلاتی بل میں ڈسکاونٹ ہوسکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاونٹ نہیں کیا جاسکتا۔

۶۔ مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ چیک میں درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جاسکتا۔ وغیرہ

چیک کی چند مشہور اقسام:

بنک چیک کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں چند مشہور اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ حامل چیک: (Bearer Cheque)

یہ چیک کی ایک عام اور سادہ ترین قسم ہے، اس قسم کا چیک بنک میں جو شخص بھی پیش کرتا ہے، بنک اس کی بلا حیل وحجت ادائیگی کرتا ہے، اس قسم کے چیک کی ادائیگی کا بنک ہرگز ذمہ دار نہیں ہوتا، کیونکہ اس پر

اس قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ اس امر کی لازمی تصدیق کرے کہ اس کے کھاتہ دار نے وہ چیک جس شخص کے نام جاری کیا ہے، آیا اسے کیش کرانے والا واقعی وہی شخص ہے یا کوئی دوسرا، جو شخص بھی اسے پیش کرے بنک اسے ادائیگی کرتا ہے، بشرطیکہ چیک کے ضروری مندرجات میں کوئی غلطی نہ ہو۔

۲۔ ہدایتی چیک:(Order Cheque)

یہ وہ چیک ہوتا ہے جو جس شخص کے نام جاری کیا گیا ہو، بنک اس شخص کے نام ضروری تصدیق اور تسلی کے بعد ہی اس کی ادائیگی کرتا ہے، نام کی تصدیق کرانا اس شخص کی ذمہ داری ہوتی ہے، جس کے نام وہ چیک جاری کیا گیا ہو، تصدیق کے بعد یہ ذمہ داری بنک کی بن جاتی ہے کہ جس کے نام چیک جاری کیا گیا ہے یہ چیک مجاز شخص کے علاوہ کوئی دوسرا شخص کیش نہیں کرسکتا۔

۳۔ خط کشیدہ چیک:(Cross Cheque)

یہ محفوظ ترین چیک ہوتا ہے، کیونکہ وہ جس شخص یا ادارے کے نام جاری کیا گیا ہو، وہی اسے کیش کرانے کا مجاز ہوتا ہے، اس میں جعل سازی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں، نیز یہ چیک اکاونٹ میں جمع کیا جاتا ہے، براہ راست کیش نہیں ہوتا، اور اس کی کسی چوری وغیرہ کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔

۴۔ پس تاریخی چیک(Post dated Cheque)

یہ وہ چیک ہوتا ہے جو آئندہ کی کسی تاریخ کے لئے جاری کیا گیا ہو، مثلاً آج تمیں ستمبر ۲۰۰۶ء کو ایک تاجر کسی ادائیگی کے سلسلہ میں کسی دوسرے تاجر کو پندرہ دسمبر ۲۰۰۶ء کی تاریخ کا چیک دیتا ہے، اس چیک کا مقصد تاخیر سے ادائیگی کرنا ہوتا ہے تاکہ ادائیگی کرانے والے کو اس دوران اپنے کھاتے میں مطلوبہ رقم جمع کرانے کی سہولت حاصل ہو جائے، اور چیک وصول کرنے والے کو یہ تسلی رہے کہ اسے دی گئی تاریخ پر وصولی ہو جائے گی، ایسا چیک مقررہ تاریخ سے قبل کیش نہیں کیا جاسکتا۔

چیک کو مسترد (Dishonour) کرنے کی وجوہات:

بنک درج ذیل قسم کی وجوہات کی بناء پر چیک کو مسترد کرسکتا ہے:

۱۔ دستخطوں میں فرق ہو۔

۲۔ مقررہ تاریخ سے پہلے پیش کیا جائے۔

۳۔ مقررہ تاریخ کے بعد پیش کیا جائے۔

۴۔ اکاونٹ میں مطلوبہ رقم ناکافی ہو۔

۵۔ اکاونٹ ہولڈر کا انتقال ہو جائے۔

۶۔ بنک دیوالیہ ہو جائے۔

۷۔ عدالت اس سے متعلق حکم جاری کرے۔

۸۔ چیک میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو۔

۹۔ مقدار رقم میں فرق ہو۔

۱۰۔ دستخطوں میں دھوکہ سے کام لیا گیا ہو۔

چیک کی شرعی تکییف:

چیک کی شرعی تکییف میں مختلف اقسام اور مختلف حالات کی وجہ سے علماء کے مختلف اقوال سامنے آتے ہیں، کہ چیک حوالہ ہے یا وکالہ ہے، یا کیا ہے، ہم یہاں صرف اس کے ضروری خلاصہ ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

سید محمد باقر الصدر نے چیک کی شرعی تکییف کے بارے میں جو بحث کی ہے، اس کا حاصل درج ذیل ہے:

> چیک میں چیک لکھنے والا عام طور پر مدیون (Debtor) ہوتا ہے، اور مستفید (Beneficiary) دائن (Creditor) ہوتا ہے، لھذا مدیون بنک کے لئے چیک لکھتا ہے، اور اس کو دائن کو دیتا ہے، تا کہ اسکا قرضہ چک جائے، پھر کبھی مدیون کا بنک میں بیلنس ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا، بلکہ اوور ڈرافٹ کا معاملہ ہوتا ہے، لھذا ان دوں حالتوں کا حکم لکھا جاتا ہے:
>
> پہلی حالت: اگر چیک لکھنے والا خود اپنے اکاونٹ سے رقم نکلواتا ہے، تو یہ محض اپنا قرض وصول کرنا ہے، جسے "استیفاء دین" کہتے

۲۔ مقررہ تاریخ سے پہلے پیش کیا جائے۔

۳۔ مقررہ تاریخ کے بعد پیش کیا جائے۔

۴۔ اکاونٹ میں مطلوبہ رقم ناکافی ہو۔

۵۔ اکاونٹ ہولڈر کا انتقال ہو جائے۔

۶۔ بنک دیوالیہ ہو جائے۔

۷۔ عدالت اس سے متعلق حکم جاری کرے۔

۸۔ چیک میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو۔

۹۔ مقدار رقم میں فرق ہو۔

۱۰۔ دستخطوں میں دھوکہ سے کام لیا گیا ہو۔

چیک کی شرعی تکییف :

چیک کی شرعی تکییف میں مختلف اقسام اور مختلف حالات کی وجہ سے علماء کے مختلف اقوال سامنے آتے ہیں، کہ چیک حوالہ ہے یا وکالہ ہے، یا کیا ہے، ہم یہاں صرف اس کے ضروری خلاصہ ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

سید محمد باقر الصدر نے چیک کی شرعی تکییف کے بارے میں جو بحث کی ہے، اس کا حاصل درج ذیل ہے:

چیک میں چیک لکھنے والا عام طور پر مدیون (Debtor) ہوتا ہے، اور مستفید (Beneficiary) دائن (Creditor) ہوتا ہے، لھذا مدیون بنک کے لئے چیک لکھتا ہے، اور اس کو دائن کو دیتا ہے، تاکہ اسکا قرضہ چک جائے، پھر کبھی مدیون کا بنک میں بیلنس ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا، بلکہ اوراوور ڈرافٹ کا معاملہ ہوتا ہے، لھذا ان دوں حالتوں کا حکم لکھا جاتا ہے:

پہلی حالت: اگر چیک لکھنے والا خود اپنے اکاونٹ سے رقم نکلواتا ہے، تو یہ محض اپنا قرض وصول کرنا ہے، جسے ''استیفاء دین'' کہتے

ہیں، لھذا اس صورت میں اگر محررِ چیک مستفید کا مدیون ہو، اور وہ چیک لکھ کر مستفید کو دیدے، تو یہ حوالہ ہے، اور یہ دائن کا حوالہ ہے بمقابلہ مدیون، یہ شرعاً درست ہے، اور اس سے مدیون کا ذمہ فارغ سمجھا جائے گا۔

دوسری حالت: کہ محرر کا بنک میں کوئی بیلنس نہ ہو، اور یہ "سحب علی المکشوف" (Overdraft) ہو، اور محرر مستفید کا مدیون ہو، دائن یعنی مستفید یہ چیک بنک کو پیش کرتا ہے تا کہ وہ اپنی قیمت وصول کرے، تو یہ صورت بھی حوالہ کی ہے، لیکن اس میں محتال علیہ محیل کا مدیون نہیں ہے، اسی وجہ سے فقہاء کی اصطلاح کے مطابق اس کو "حوالہ علی البری" کہتے ہیں، اور یہ بھی جائز ہے، بنک اگر چیک قبول کرے، تو گویا کہ اس نے حوالہ کو قبول کرلیا، تو اس کا ذمہ محال کے لئے مشغول ہو جائے گا اس رقم کے ساتھ جو محال کا محول کے ذمہ واجب ہے، اور محول بنک کا مدیون ہو جائے گا۔(۱)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ:

۱۔ اگر محرر کا بنک میں بیلنس ہے، اور وہ خود اپنے لئے بنک سے چیک کے ذریعہ پیسہ نکلواتا ہے، تو یہ محض استیفاء دین ہے۔

۲۔ اور اگر محرر کا بنک میں بیلنس موجود ہے، اور محرر کسی اور کو چیک دیتا ہے، اور وہ محرر کا دائن ہے، تو یہ دائن کا حوالہ ہے مدیون کے مقابلہ میں۔

---

(۱) البنک اللاربوی فی الاسلام ، الصدر (السید محمد باقر الصدر) بیروت لبنان، دارالتعارف للمطبوعات ، طبع ششم ۱۴۱۰ھ

۳۔ اور اگر محرر کا بنک میں بیلنس نہیں، اور محرر اپنے لئے بنک سے رقم نکلواتا ہے، تو یہ قرض کا معاملہ ہے کہ بنک مقرض ہے، اور محرر مستقرض ہے۔

۴۔ اور محرر کا بنک میں بیلنس نہیں، اور محرر کسی اور کو چیک لکھ کر دیتا ہے، اور وہ محرر کا دائن ہے، تو یہ بھی حوالہ ہے، جس کی تفصیل دوسری حالت میں گزر گئی۔

اور "Shari,A Standards" میں چیک کی شرعی تکییف کے بارے میں جو خلاصہ لکھا گیا ہے، وہ اسی کے الفاظ میں ذیل میں ملاحظہ ہو:

An issuance a cheque against a current account is a form of hawala if the beneficiary is a creditor of the issuer or the account holder for the amount of the cheque , in which case the issuer, the bank and the beneficiary are the transferor, the payer and the transferee respectively.

If the beneficiary is not a creditor to the issuer of the cheque, then his is not a hawalala transaction because there can be no hawala transaction without an existing debt.In the absence of a debt, the transaction becomes an agency contract for recovery of the amount of the debt on behalf of the transferor, which is lawful in Sharia.

If the beneficiary of the amount of a cheque is a creditor to the issuer, then issuing a cheque against the account of the issuer without a balance is unrestricted transfer of debt if the bank accepts the overdraft. If the bank rejects the overdraft, then this is not considered a transfer of debt, in which case the potential beneficiary may have recourse to the issuer.

The holder of a travelers, cheque, the value of which has been paid by him to the issuing institution, is a creditor to such an institution. If the holder of the travelers, cheque endorses the cheque in favour of his creditor, it becomes a transfer of debt in favour of a third party against the issuing institution that is a debtor to the holder of the traveler, s cheque. This is a restricted transfer of debt and the amount of the debt is the value of the cheque for which the institution received payment. (1)

اس کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ کرنٹ اکاونٹ کے لئے چیک کو جاری کرنا حوالہ ہے، جبکہ مستفید محرر کا دائن ہو، تو محرر محیل ہے، بنک محال علیہ ہے، اور مستفید محال ہے۔

۲۔ اور جب محرر مستفید کا مدیون نہ ہو، تو یہ حوالہ نہیں، کیونکہ حوالہ بغیر دین کے نہیں ہوتا، بلکہ یہ وکالہ بالقبض ہے، جو شرعاً جائز ہے۔

۳۔ جب محرر مستفید کا مدیون ہو، اور محرر کا بنک میں بیلنس نہ ہو، تو یہ حوالہ مطلقہ ہے جب بنک اس کو قبول کرے، اور اگر بنک اس کو قبول نہ کرے، تو یہ حوالہ نہیں، اور حامل کو محرر کی طرف رجوع درست ہے۔

۴۔ سفری چیک کا حامل جو اس کی قیمت ادارہ کو ادا کرتا ہے، حامل اس ادارہ کا دائن سمجھا جائے گا، اور اگر حامل اس کو اپنے دائن کے حق میں انڈورس کرے، تو یہ حوالہ بن جائے گا، اور یہ حوالہ مقیدہ ہے، حوالہ مطلقہ اور حوالہ مقیدہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تکملہ فتح الملہم میں چیک اور اس کے احکام کے بارے میں فرماتے ہیں:

> فالصحیح ان الشیک المصرفی سند یدل علی ان
> الذی وقع علیه قد وکل حامله لقبض دینه من البنک
> و مقاصة دینه منه فلیس ذلک من الاثمان فی شئی
> فلایعتبر القبض علیه قبضا علی مبلغه حتی ینقده البنک
> و لایتادی باداء ہ الزکوة حتی ینقده الفقیر و لایجوز
> اشتراء الذهب و الفضة به لفقدان التقابض فی المجلس
> ویجوز لموقعه ان یعزل حامله عن الوکالة قبل ان یبلغ به
> الی البنک

Shari,A Standards 1423 AH ,2002 Accounting and Auditing (۱)
organization for Islamic Financial Institutions

صحیح یہ ہے کہ بنک چیک ایک سند ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اس پر دستخط کئے ہیں، وہ حامل کو وکیل بناتا ہے، تا کہ وہ اسکا دین وہاں سے وصول کرے، اور پھر مقاصہ ہو جائے، لھذا چیک ثمن نہیں، اس لئے چیک پر قبضہ اس کے اندر درج شدہ رقم پر قبضہ تصور نہیں ہو گا جب تک اس کو کیش نہ کرایا جائے، جب تک فقیر اس کو کیش نہ کرائے، اس وقت تک اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، نیز چیک سے سونا چاندی کی خریداری بھی جائز نہیں، کیونکہ مجلس کے اندر تقابض نہیں پایا جاتا، اور اس کے دستخط کنندہ کے لئے جائز ہے کہ اس کے حامل کو وکالت سے معزول کرے، جب تک وہ اس کو لے کر بنک نہ پہنچ جائے۔(۱)

کتاب البنک اللاربوی اور شرعیہ اسٹینڈرز کی مذکورہ عبارات کی روشنی میں بندہ کا خیال یہ ہے کہ بعض صورتوں میں چیک کا معاملہ ضرور حوالہ کے زمرے میں آجاتا ہے، اس لئے علی الاطلاق چیک میں حوالہ کی نفی بظاہر درست نہیں، اور اس کو ہر حال میں محض رسید قرار دینا اور اس معاملہ کو وکالت قرار دینا محل نظر ہے، نیز خط کشیدہ حکم بظاہر اس وقت ہے جبکہ سونے یا چاندی پر بھی مجلس عقد میں قبضہ نہ ہو، ورنہ اگر سونے یا چاندی پر مجلس عقد میں قبضہ پایا جائے، تو میرے خیال میں یہ معاملہ درست ہونا چاہیئے، کیونکہ چیک میں درج شدہ رقم کوئی کرنسی ہوگی، اور کرنسی کے ساتھ سونے چاندی کا ادھار معاملہ درست ہے، کیونکہ یہ بیع صرف میں داخل نہیں۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم، العثمانی(محمد تقی العثمانی) کراتشی، مکتبة دار العلوم کراتشی،(۱/۵۱۵)

ھنڈی(Bill of Exchange)

Bill of exchange کی حقیقت اور تعریف:

اس کی حقیقت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنی مشہور اردو تصنیف اسلام اور جدید معیشت وتجارت میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

> بل آف ایکسچینج ایک خاص قسم کی دستاویز ہے، جب کوئی تاجر اپنا مال فروخت کرتا ہے، تو خریدار کے نام بل بناتا ہے، بعض اوقات اس بل کی ادائیگی کسی آئندہ تاریخ میں واجب ہوتی ہے، اس بل کو دستاویزی شکل دینے کے لئے مدیون کو اس کو منظور کر کے اس پر دستخط کر دیتا ہے، کہ میرے ذمہ فلاں تاریخ کو اس بل کی ادائیگی واجب ہے ،اس کو عربی میں ''کمبیالہ'' اردو میں ''ہنڈی'' انگریزی میں ''Bill of Exchange'' کہتے ہیں، اور اس کو ''مبادلاتی بل'' بھی کہتے ہیں، اس دستاویز میں ادائیگی کی جو تاریخ لکھی ہوئی ہوتی ہے، اس تاریخ کے آجانے کو عربی میں ''نضج الکمبیالہ'' اور انگریزی میں ''Maturity'' کہتے ہیں، اس تاریخ ادائیگی کو ''Maturity Date'' کہتے ہیں، ہنڈی میں لکھا ہوا دین تو مدیون سے تاریخ ادائیگی آنے پر ہی لیا جا سکتا ہے، مگر دائن کو فوری طور پر رقم کی ضرورت ہوتی ہے، تو کسی تیسرے شخص کو وہ بل دے کر لکھی ہوئی رقم لے لیتا ہے، اور بل کی پشت پر دستخط کر کے اس کے حقوق اس تیسرے شخص کی طرف منتقل کر دیتا ہے، تیسرا شخص اس پر لکھی ہوئی رقم میں کٹوتی بھی کر دیتا ہے، مثلاً ہنڈی پر ایک ہزار روپے لکھے ہوئے ہیں، تو وہ نو سو پچاس روپے دیتا ہے، اس عمل کو عربی میں ''خصم الکمبیالہ'' اور انگریزی میں Discounting of the Bill of the Exchange

''اور اردو میں ''بٹہ لگانا'' کہتے ہیں، اور ہنڈی کی پشت پر جو دستخط کئے جاتے ہیں، اس کو عربی میں ''تظہیر'' اور انگریزی میں ''Endorsment'' کہتے ہیں، اور اردو میں ''عبارت ظہری لکھنا'' کہتے ہیں، ہنڈی پر بٹہ لگانے کی شرح ''Maturity'' کو مدنظر رکھ کر طے ہوتی ہے، تاریخ ادائیگی جتنی قریب ہوتی جائے، بٹہ لگانے کی شرح کم ہوتی جاتی ہے، بنک کو عموماً ہنڈی کی ڈسکاونٹنگ کرتے ہیں، اور یہ بھی بنکوں کے قصیر المیعاد قرضوں میں داخل ہے، اس لئے کہ بل کی ادائیگی ''Maturity'' عموماً تین ماہ میں ہوتی ہے۔(۱)

اسی کو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور عربی تصنیف بحوث میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے:

"النوع الثانی من الاوراق المالية التی تتداول فی السوق اليوم تسمی کمبيالةوهی عبارة عن الوثيقة التی يکتبها المشتری للبائع فی بيع موجل ويعترف فيها بانه وجب فی ذمته ثمن المبيع ، وانه يلتزم باداء فی تاريخ آجل ، وان البائع حامل الکمبيالة ربما يريد استعجال الحصول علی مبلغها فلاينتظر الی تاريخ نضج الکمبيالة بل يبيعها الی طرف ثالث باقل من قيمتها الاسمية ويسمی حسم الکمبيالة او خصم الکمبيالة "Discounting"والعادة فی سوق الاوراق ان مقدارهذا الحسم نسبة مبلغ

---

(۱) اسلام اورجدید معیشت وتجارت،عثمانی(محمد تقی عثمانی)کراچی، مکتبہ معارف القرآن کراچی طبع جدید ۱۴۲۴ھ (.ص ۱۲۲)

الکمبیالة تحدد علی اساس مدة نضجها فکلما کانت مدة
نضجها اکثر کانت نسبة الحسم اکثر و کلما کانت المدة
اقل کانت نسبة الحسم اقل (۱)

اس کا حاصل بھی وہی ہے جو اردو متن میں بیان ہوا۔

ڈاکٹر عبدالعزیز فہمی ہیکل نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

ھی نوع من السندات الاذنیة التی تستخدم فی
التجارة الخارجیة فی الدول الغربیة یتعھد بموجبھا
الساحب(The Drawer) وبدون شروط ان یدفع
للمسحوب لصالحه(The Drawee) مبلغا من المال
فی تاریخ معین

یہ ان دستاویزات میں سے ہے جو بیرونی تجارت میں مغربی
ممالک میں استعمال ہوتا ہے،اس کی بموجب لکھنے والا ذمہ داری لیتا
ہے بغیر کسی شرط کے کہ وہ مستفید کو کسی خاص تاریخ میں مال کی ایک
مقدار دے گا۔(۲)

آگرہ وال نے اس کی یوں تعریف کی ہے:

A bill of Echange is an order from a
creditor to the debtor to pay a certain
sum of money to himself or to the

(۱) بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، العثمانی(محمد تقی العثمانی"کراتشی، مکتبه دارالعلوم کراتشی ، طبع جدید۱۴۲۶ھ (۲/۱۱۲)

(۲) موسوعة المصطلحات الاقتصادیة الاحصائیة، ھیکل(الدکتور عبدالعزیز فھمی ھیکل)بیروت ، دارالنھضة العربیة (ص۷۵)

\bearer.

بل آف ایکسچینج دائن کی طرف سے مدیون کے لئے ایک حکم نامہ ہے کہ مدیون دائن کو یا حامل کو کوئی خاص مقدار پیسوں کے ادا کرے۔(۱)

بل آف ایکس چینج ایکٹ مجریہ ۱۸۸۲ء میں اس کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

An unconditional order in writing, addressed by one person to another singned by the person giving it, requiring the person to whom it is addressed to pay on demand or at a fixed or detrminable future time a sum certain in money or to the order of a specified person, or to bearer.

مبادلاتی بل ایک غیر مشروط تحریری حکم نامہ ہے جو حکم دینے والے شخص یا فریق کے دستخطوں سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام جاری کیا جاتا ہے، جس میں ایک مخصوص رقم اس میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے شخص یا حامل بل کو اس کے مطالبہ پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا کسی قابل تعین تاریخ کو ادا کرنے کیلئے کہا گیا ہوتا ہے۔ (۲)

---

(۱) Intrudaction to Economic Principles.Dr.A.N.Agrawal

(۲) بحوالہ تعارف زرو بنکاری، شیخ مبارک علی (ص ۲۳۴)

ہنڈی کی شرائط:

ہنڈی یا مبادلاتی بل میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ یہ ایک حکم نامہ کی صورت میں ہونا چاہیئے، درخواست یا گزارش وغیرہ کی صورت میں نہیں ہونا چاہیئے۔

۲۔ یہ حکم نامہ غیر مشروط ہونا چاہیئے، یعنی اس میں درج رقم کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔ یہ حکم نامہ تحریری شکل میں ہونا ضروری ہے۔

۴۔ یہ حکم نامہ ایک شخص یا فریق کی طرف سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام ہونا چاہیئے۔ اگر بل مرتب کرنے والا اور جس کے نام مرتب کیا گیا ہو، دونوں ایک ہی شخص ہوں، تو اس کا شمار مستند بل میں نہیں ہوگا۔

۵۔ بل مرتب کرنے والے پر اس کے دستخط ہونے چاہئیں، اگر اس کا شخص کا تعلق کسی کمپنی سے ہو، تو وہ لازماً با اختیار شخص ہونا چاہیئے۔

۶۔ بل میں لکھی ہوئی مخصوص رقم کی ادائیگی اس کے مطالبے پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ کو ہونی چاہیئے۔

۷۔ بل میں قابل ادائیگی مخصوص رقم کا اندراج ہونا چاہئے، اگر قابل ادا مخصوص رقم کا اندراج نہیں ہوگا، تو اس بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

۸۔ بل کی رقم بل میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے مخصوص شخص کو یا حامل کو ادا ہونی چاہیئے۔(۱)

---

(۱) تعارف زرو بنکاری، شیخ مبارک علی

بل آف ایکس چینج کی چند مشہور قسمیں:

اس بل اس کی نوعیت کے اعتبار سے ان تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ بلحاظ مقام ۲۔ بلحاظ مقاصد ۳۔ بلحاظ ادائیگی قیمت

بلحاظ مقام:

بل کی دو قسمیں ہیں:

ملکی بل:(Inland Bill) یہ وہ بل ہے جسے اندرون ملک ہی تجارتی لین دین میں استعمال کیا جا سکتا ہے، دوسرے لفظوں میں بل کے فریقین کا تعلق ایک ہی ملک سے ہوتا ہے، اور اس بل کے عوض رقم کا لین دین بھی اندرون ملک ہی ہوگا۔

غیر ملکی بل:(Foreign Bill) یہ وہ بل ہوتا ہے جس کے فریقین میں ملکی تاجر کے علاوہ غیر ملکی تاجر بھی شامل ہو، مثلاً اگر پاکستان کے کسی تاجر نے سنگاپور کے کسی تاجر کے نام کوئی بل بنایا ہے، اور اس نے اس کی ادائیگی تحریری طور پر قبول کر لی ہے، تو یہ بل غیر ملکی بل کہلائے گا، کیونکہ اس بل کی ادائیگی سنگاپور میں ہوگی۔

بلحاظ مقاصد:

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں:

تجارتی بل:(Commarcial Bill) وہ بل جو تجارتی لین دین کے تصفیے کے لئے بنایا جائے، اسے تجارتی بل کہتے ہیں، کاروباری دنیا میں اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ کسی شئی کا خریدار اس کی رقم فروخت کنندہ کو نقد ادا کرنے کی بجائے اس سے مستقبل میں ادائیگی کے لئے بل بنوالیتا ہے، اور اس پر اس امر کی اپنی قبولیت ثبت کر دیتا ہے کہ وہ بل میں درج رقم اس کی ہدایت کے مطابق دی گئی مقررہ تاریخ کو ادا کرے گا۔

اعانتی بل:(Accomodation Bill) یہ بل تجارتی ادھار کے لین دین کے تصفیے کے لئے نہیں، بلکہ کسی کی مالی اعانت کے لئے بنائے جاتے ہیں، ایسے بلوں کا مقصد کسی شخص کو بل کی کٹوتی کا موقع فراہم کر کے کچھ عرصے کے لئے اس کی مالی اعانت کرنا ہوتا ہے۔

بلحاظ ادائیگی وقت:

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں:

عندالطلب بل:(On demand Bill) وہ بل جو پیش کرنے یا دکھانے پر قابل ادائیگی ہو، اسے عندالطلب بل کا نام دیا جاتا ہے۔

مدتی بل:(Time Bill) یہ وہ بل ہوتا ہے جو مستقبل میں کسی مخصوص تاریخ یا کسی معینہ مدت کے بعد قابل ادائیگی ہو، یہ مدت یا تو بل کی اجرائی تاریخ سے شروع ہوتی ہے، یا پھر قبولیت کی تاریخ سے۔

بل کی تیاری کا طریقہ کار:

بل کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے:

۱۔ ریونیو ٹکٹ چپکانا: بل کو قانونی آلہ مبادلہ کی حیثیت دینے کے لئے مرتب یا جاری کنندہ کو اس کے عوض ایک مخصوص رقم کا سرکاری ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے، جسے بل کے اوپر ایک کونے پر ٹکٹ کی شکل میں چپکانا پڑتا ہے۔

۲۔ رقم کا اندراج: بل میں مندرج قابل ادا رقم کو ہندسوں اور الفاظ دونوں میں صاف اور واضح طور پر لکھا جاتا ہے۔

۳۔ تاریخ کا اندراج: بل جس تاریخ کو مرتب یا تیار کیا جائے، وہ واضح اور صاف طور پر تحریر کی جانی چاہیئے، تاریخ عام طور پر بل کے اوپر ٹکٹ کے مخالف کونے پر درج کی جاتی ہے۔

۴۔ وصول کنندہ کا نام: بل جس شخص یا فریق کو ادا کیا جانا مقصود ہو، اس میں اس کا نام بھی اس کے متن میں صاف اور واضح طور پر تحریر کیا جانا چاہیئے۔

۵۔ مالیت وصول شدہ: بل ہمیشہ ایک مخصوص قدر یا مالیت کے لئے لکھا جاتا ہے، لھذا بل میں یہ الفاظ ''مالیت وصول شدہ ہے'' یا برائے مالیت وصول شدہ (For value received) ضرور تحریر کئے جانے چاہیئں۔

۶۔ مرتب کے سنخط ثبت ہوں: بل میں اس کے مرتب کے دستخط ثبت ہونا بھی لازمی ہے، دستخط کے بغیر بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

۷۔ مرتب الیہ کا نام اور پتہ: بل کے آخر میں اس کے مرتب الیہ کا نام اور پتہ نچلے سرے پر دستخط کی مخالف سمت میں درج کیا جانا ضروری ہے۔

۸۔ بل کی قبولیت: صرف بل کی تیاری کے بعد اس میں مندرج رقم کسی شخص پر واجب الاداء نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مرتب الیہ یا اس کی طرف سے کوئی مجاز شخص اپنی تحریری قبولیت کا اندراج بل پر کر دے، اس کے بغیر بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔

بل کی کٹوتی:(Discounting of Bill of Exchange)

تجارتی دنیا میں ادھار لین دین میں سہولت کے پیش نظر مدتی بل عموماً زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں، مدتی بل کی ادائیگی کے لئے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہوتی ہے، چنانچہ اگر حامل کو بل میں لکھی ہوئی رقم کی مقررہ مدت سے ضرورت پڑ جائے، تو اسے کٹوتی کے لئے کسی بنک میں پیش کرتا ہے، آج کے ترقی یافتہ دور کے تقریباً تمام تجارتی بنک اس قسم کے بلوں پر کٹوتی کی سہولت مہیا کر کے کاروباری لوگوں کو مالیات فراہم کرنے کے کاروبار میں سرگرم عمل ہیں، دراصل بنک ایسے بل کو خریدتے ہیں، اور اس کے عوض بل میں درج شدہ رقم سے کچھ کم رقم ادا کرتے ہیں، کٹوتی کا تعین بنک کی مروجہ شرح سود کے مطابق کیا جاتا ہے، اس قسم کی کٹوتی کو بنک کی طرف سے حامل بل کے لئے ایک قسم کا قلیل مدتی قرضہ بھی کہا جاسکتا ہے جس پر بنک کٹوتی کی صورت میں پیشگی سود کی وصولی کر لیتا ہے۔

ہنڈی(Bill of Exchange) کی شرعی تکییف:

اگر مرتب (ساحب) مستفید کا مدیون ہو، تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ ہے، مرتب محیل ہوگا، مرتب الیہ محال علیہ ہوگا، اور مستفید محال ہوگا، اور اگر مرتب مستفید کا مدیون نہ ہو، تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ نہیں ہوگا، بلکہ یہ وکالہ ہوگا۔

پھر جاننا چاہیئے کہ اگر مرتب اور مرتب الیہ میں مدیونیت کا علاقہ نہ ہو، تو یہ حوالہ مطلقہ ہے۔

في المعايير الشرعية:تعتبر الكمبيالة من قبيل الحوالة اذا كان الشخص المستفيد الذى سحبت لامره دائنا للساحب ، ويكون الساحب هو المحيل الذى يصدر امرا للمسحوب عليه بدفع مبلغ معين من النقود فى تاريخ معين للمستفيد المحدد.

اما الجهة الملتزمة بدفع المبلغ المعين (المسحوب عليه) فهى المحال عليه ، والمستفيد حامل الكمبيالة هو المحال ، فان لم يكن المستفيد دائنا للساحب كان اصدار الكمبيالة توكيلا من الساحب للشخص فى قبض واستيفاء مبلغ الكمبيالة .

تعتبر الكمبيالة فى حال عدم وجود مديونية بين الساحب والمسحوب عليه من قبيل الحوالة المطلقة (١).

اس عبارت کا حاصل وہی ہے، جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

وفى تكملة فتح الملهم :فاما البون والكمبيالة والوثائق الاخرى التى يكتب عليها مبلغ الدين منذ يوم اجراءها، فان التعامل بها حوالة صحيحة بلاريب لان الذى اصدرها قد كتب عليها انى مدين لكل من يحملها بهذا المبلغ المعلوم فكلما سلمها حاملها الى رجل آخر ،

(١) المعايير الشرعية، هيئة المحاسبة والمراجعة للموسسات المالية الاسلامية. ١٤٢٤ھ

فقد احال دينه عليه ، وقد وجد رضا المحيل والمحتال صريحا ورضا المحتال عليه معنى لان المحتال عليه هو الذى اجرى هذه الاوراق اول مرة وقد رضى باداء مبلغها الى كل من يحملها فرضاه عام لكل من يحملها واما تلفظ الايجاب والقبول فلايشترط فى الحوالة بل تنعقد الحوالة بالتعاطى كما ينعقد البيع.

بانڈ، ہنڈیاں اور دیگر مالی دستاویزات جن پر خاص مقدار لکھی ہوئی ہوتی ہے جاری کرنے کے دن سے، ان کے ساتھ تعامل بلاشبہ حوالہ صحیحہ ہے، کیونکہ جس نے اس کو جاری کیا ہے، اس نے اس پر لکھا ہے کہ میں ہر اس شخص کا مدیون ہوں جس کے پاس یہ بل موجود ہو، پس جب وہ یہ بل کسی اور آدمی کو دیتا ہے، تو وہ حوالہ کر رہا ہے، اس میں محیل اور محتال کی رضامندی صراحۃً پائی جاتی ہے، اور محتال علیہ کی رضامندی معنیً پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ جاری کرتے وقت اس بات پر راضی ہے کہ وہ اس میں لکھی ہوئی رقم ہر اس شخص کو ادا کرے گا، جس کے پاس یہ بل موجود ہو، جہاں تک ایجاب وقبول کے تلفظ کا تعلق ہے، تو وہ حوالہ میں شرط نہیں، (یعنی تلفظ شرط نہیں ہے)، بلکہ یہ تعاطی سے بھی منعقد ہوتا ہے، جیسا کہ بیع تعاطی سے منعقد ہو جاتی ہے۔(۱)

کٹوتی (Discounting) کا حکم:

جمہور علماء معاصرین نے کہا ہے کہ یہ "بيع الدين من غير من عليه اقل منه " جو

(۱) تکملة فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم، العثمانی (محمد تقی العثمانی) کراتشی، مکتبة دار العلوم کراتشی، (۱/ ۵۱۵)

ناجائز ہے، بیع الدین کی پوری تفصیل شروع میں ذکر ہو چکی ہے۔

فقہاء کرام نے ایک پیپر کا ذکر کیا ہے، جو ہنڈی کے مشابہ ہے، اور اس کو ''جامکیہ'' کا نام دیا ہے، یہ اس دستاویز کو کہتے ہیں جس کو بیت المال یا متولی وقف کسی ایسے شخص کے لئے جاری کرتا ہے، جس کا بیت المال یا وقف میں مالی حق موجود ہو، اور اس کو پیسوں کی فی الحال ضرورت ہے، تو وہ کسی آدمی سے کہتا ہے کہ جامکیہ میں جو رقم لکھی ہوئی ہے، اس سے کم مجھے دو، تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ بیع الدین میں داخل ہے، علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالی نے اس کو اس طرح ذکر کیا ہے:

وافتی المصنف (ای صاحب تنویر الابصار) ببطلان بیع الجامکیة لما فی الاشباه : بیع الدین انما یجوز من المدیون

وقال ابن عابدین تحته: عبارة المصنف فی فتاواه : سئل عن بیع الجامکیة وهو ان یکون لرجل جامکیة فی بیت المال ویحتاج الی دراهم معجلة قبل ان تخرج الجامکیة ، فیقول: له رجل: بعنی جامکیتک التی قدرها کذا بکذا انقص من حقه فی الجامکیة فیقول: بعتک ، فهل البیع المذکور صحیح ام لا؟ لکونه بیع الدین بنقد اجاب :اذا باع الدین من غیر من هو علیه کما ذکر لایصح.قال مولانا فی فوائده: وبیع الدین لایجوز ولوباعه المدیون اووهبه .(۱)

اور حنابلہ کی کتابوں میں یہ عبارت ہے:

ولایصح بیع العطاء قبل قبضه لان العطاء مغیب

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار مطلب فی بیع الجامکیة

فیکون من بیع الغرر وھو ان العطاء قسطه فی الدیوان ،
ولایصح بیع رقعة به ای بالعطاء لان المقصود بیع العطاء
لاھی .

عطا کو قبض کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ عطا حاضر نہیں، لھذا اس میں غرر ہے کیونکہ عطا کی قسط دیوان میں ہے، اور اس کی دستاویز بیچنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہاں مقصود عطا ہی کو فروخت کرنا ہے، نہ کہ دستاویز۔(۱)

یادرکھنا چاہیئے کہ حنفیہ اور حنابلہ کی اصل کے مطابق بیع الدین من غیر من علیہ الدین مطلقا ناجائز ہے، لھذا اس سے مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ ہنڈی ڈسکاونٹ کے بغیر فروخت کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ بیع الدین من غیر من علیہ الدین ہے، جوعلی الاطلاق ناجائز ہے۔

البتہ مالکیہ کی اصل کے مطابق ہنڈی کا ثمن یا تو نقود میں سے نہ ہو، یا پھر ثمن اس کی قیمت کے برابر ہو۔اور شوافع کا مذہب بھی اس طرح معلوم ہورہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کٹوتی تو بہرحال کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

اس سلسلہ میں مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کی قرارد کے الفاظ درج ذیل ہیں:

ان حسم الاوراق التجاریة غیر جائز شرعا لانه یول الی
ربا النسئیة المحرم.

مالیاتی دستاویزات کی کٹوتی بہرحال ناجائز ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ ربا النسیئہ کی شکل میں نکلتا ہے، جوحرام ہے۔(۲)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مذکورہ موقف سے متفق نہیں، وہ اس معاملہ کو بیع الدین قرار نہیں دیتے،

(۱) کشاف القناع للبھوتی ۳/۱۵۶)

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامی ، العدد السابع ۲/۲۱۷، قرار رقم ۶۶/۲/۷فقره۳، بحواله "بحوث"فی قضایافقھیة معاصرة المجلد الثانی.

بلکہ اس کو حوالہ قرار دے رہے ہیں، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ڈسکاونٹنگ کی فقہی حیثیت یہ ہے کہ دائن جس کے ہاتھ میں بل ہے، وہ دین کا بٹہ لگانے والے (Discounter) کی طرف حوالہ کر دیتا ہے، اور یہ حوالہ بانقص من الدین ہے جو نا جائز ہے، اس لئے کہ یہ ربا الفضل ہے، ڈسکاونٹنگ کے اس معاملے کو بیع الدین نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ بیع اور حوالہ میں یہ فرق ہوتا ہے کہ بیع کے بعد دائن بری الذمہ ہو جاتا ہے، اور دین کے تمام حقوق اس شخص کی طرف راجع ہو جاتے ہیں، جس سے دین خریدنا ہوتا ہے، اور حوالہ میں محیل ہی دائن رہتا ہے، وہ بری الذمہ نہیں ہوتا، اگر محتال کو دین نہ ملے تو وہ محیل کی طرف رجوع کا حق دار ہوتا ہے، اور آج کل ڈسکاونٹنگ میں صورتحال یہی ہوتی ہے کہ اگر بٹہ لگانے والے (Discounter) کو بل وصول نہ ہو، تو وہ اصل دائن سے رجوع کرتا ہے، لھذا یہ بیع الدین من غیر من علیہ الدین نہیں، بلکہ یہ حوالہ الدین بانقص من الدین ہے۔(۱)

اسی کو حضرت مفتی صاحب اپنی عربی تصنیف میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

والذی یظھر لی ان حسم الکمبیالة لیس بیعا فی الحقیقة وانما ھو اقراض وحوالة ، فالذی یحسم الکمبیالة یقرض الی حاملھا مبلغا ثم یحیل الحامل المقترض ایاہ علی مصدر الکمبیالة والدلیل علی ذلک ان فی قوانین معظم البلاد لایتحمل الحاسم خطر عدم التسدید بل یحق لہ ان یرجع علی حامل الکمبیالة اذالم

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص ۱۵۰

يقع التسديد من مصدر الكمبيالة وهذا شان الحوالة على مذهب الحنفية.(١)

Bill of Exchange کی کٹوتی کا شرعی متبادل (Alternative)

اس کی کئی جائز صورتیں ہوسکتی ہیں، ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تاجر اس بل کو فروخت کرنے کی بجائے بنک کو اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنائے، اور اس کے لئے وکالہ فیس مقرر کردے، پھر اس بنک سے بل پر درج شدہ رقم کے برابر قرض لے لے، بنک تاجر کے وکیل کی حیثیت سے قرضہ وصول کرنے کے بعد تاجر کو دئے ہوئے قرض کے بدلے میں اپنا قرض وصول کرے۔

مثلاً: زید کے پاس ایک بل ہے جس پر ایک لاکھ روپے کا مبلغ درج ہے، تو زید بنک کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس رقم کو بل کے جاری کرنے والے سے ایک ہزار روپے کے عوض وصول کرے، پھر بنک زید کو عقد مستقل کے ساتھ ننانوے ہزار روپے قرض دیتا ہے، پھر جب بنک ایک لاکھ روپے اصل آدمی سے وصول کرلے گا، تو مقاصہ واقع ہوجائے گا، تو بنک اس میں سے ننانوے ہزار روپے اپنے قرض کے طور پر رکھ لے، اور ایک ہزار روپے وکالہ فیس کے طور کے رکھ لے۔

لیکن یہ معاملہ درست ہونے کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

الاول: ان يكون كل واحد من العقدين منفصلا عن الآخر فلاتشترط الوكالة فى القرض والقرض فى الوكالة

الثانى: ان لاتكون اجرة الوكالة مرتبطة بمدة نضج الكمبيالة بحيث تكون الاجرة زائدة ان كانت المدة طويلة وتكون اقل ان كانت قصيرة.

الثالث: ان لايزاد فى اجرة الوكالة بسبب القرض الذى اقرضه البنک فانه يكون حينئذ قرضا جر منفعة.

---

(١) بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، العثمانى (محمد تقى العثمانى" كراتشى، مكتبه دارالعلوم كراتشى، طبع جديد ١٤٢٦ھ

۱۔ قرض اور وکالہ کے دونوں عقد بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں، وکالہ عقد قرض کے لئے شرط نہ ہو، اور عقد قرض وکالہ کے لئے شرط نہ ہو۔

۲۔ وکالہ فیس (Maturity) کی مدت کے ساتھ مربوط نہ ہو کہ اگر مدت لمبی ہو، تو اجرت زیادہ ہو، اور اگر مدت کم ہو، تو اجرت بھی کم ہو۔

۳۔ قرض کی وجہ سے وکالہ فیس میں اضافہ نہ ہو، ورنہ یہ "کل قرض جر منفعۃ" میں داخل ہو جائے گا، جو ناجائز ہے۔(۱)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> لیکن اس تجویز میں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ عموماً وکالت کی اجرت کو بل کی رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کیا جائے گا، بل کی رقم زیادہ ہو، تو اجرت بھی زیادہ ہوگی، اور رقم کم ہو، تو اجرت بھی کم ہوگی، دوسری بات یہ کہ اجرت کو مدت کے ساتھ بھی مربوط کیا جائے گا، بل کی پختگی زیادہ مدت کے بعد ہونی ہو، تو اجرت زیادہ ہوگی، اور پختگی کم مدت میں ہونی ہو، تو اجرت کم ہوگی۔ اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اجرت کو رقم کی تعداد اور مدت پختگی کے ساتھ مربوط کرنا درست ہے یا نہیں؟
>
> اجرت کو رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دلالی (سمسرہ) کی اجرت کو مالیت کے ساتھ وابستہ کرنے میں اختلاف ہے۔ لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے جواز کو

---

(۱) بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، العثمانی (محمد تقی العثمانی" کراتشی، مکتبه دار العلوم کراتشی، طبع جدید ۱۴۲۶ھ

ترجیح دی ہے، یعنی دلال نے زیادہ مالیت کی چیز بیچی ہے تو زیادہ اجرت لینا اور کم مالیت کی چیز میں دلال بنا ہے، تو کم اجرت لینا جائز ہے، اس کی جو وجہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ گو یہاں مالیت کم یا زیادہ ہونے کی صورت میں دلال کی محنت اور عمل برابر ہے، مگر اجرت مقرر کرتے ہوئے صرف عمل اور محنت کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اجرت مقرر ہونے میں عمل کی قدر اور نوعیت کا بھی دخل ہوتا ہے، کم مالیت کی چیز کی دلالی کی قدر کم ہے، اور زیادہ مالیت کی چیز کی قدر زیادہ ہے، لھذا اس کی بناء پر اجرت میں بھی کمی بیشی ہوسکتی ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے وکالت کی اجرت کو مقدار رقم کے ساتھ وابستہ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر اجرت کو مدت اور زمانہ کے ساتھ مربوط کرنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے یہ عینہ والی شکل ہے کہ بلاسود قرض لے کر قرض کی مدت کے حساب سے وکالت کی اجرت وصول کرلی گئی، یعنی جو سود قرض پر نہیں لیا جاسکا، وہ وکالت کی اجرت بڑھا کر وصول کرلیا گیا۔(۱)

حاصل یہ کہ وکالہ فیس کو مذکورہ معاملہ میں:

۱۔ بل کی رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کرنے کی گنجائش ہے۔

۲۔ لیکن بل کی پختگی کی مدت کے ساتھ مربوط کرنا جائز نہیں۔

(۱) اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ۱۵۱

مالیاتی دستاویزات کی تظہیر (Endorsement) کی فقہی تکییف:

تظہیر کی دو قسمیں ہیں:

تظہیر تملیکی، اور تظہیر توکیلی

پہلی قسم میں مظہر (Endorser) دستاویز کی قیمت کو مظہر الیہ (Beneficiary) کو منتقل کرتا ہے ، اب اگر مظہر مظہر الیہ کا مدیون ہو، تو یہ حوالہ ہے، اور اگر ایسا نہ ہو، تو یہ توکیل بالقبض ہے۔

دوسری قسم میں کلائنٹ تظہیر کے ذریعہ ادارہ سے دستاویز کی قیمت وصول کرنا چاہتا ہے، یہ حوالہ نہیں، بلکہ یہ وکالہ ہے، جو جائز ہے، خواہ اجرت کے ساتھ ہو، یا بدون اجرت ہو۔

بنکی تحویلات (Remittances/Transfer of money) کی شرعی تکییف:

اگر کلائنٹ بنک/ادارہ سے کہے کہ میرے کرنٹ اکاونٹ سے اسی کرنسی میں فلاں شخص کو رقم بھیج دے ، تو یہ حوالہ ہے، اور اس پر ادارہ جو اجرت لیتا ہے، وہ جائز ہے، کیونکہ یہ پہنچانے کی اجرت ہے۔ بقیہ تفصیلات اس مسئلہ کی گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں۔(۱)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المعاییر الشرعیة بالعربیة، و Sharia Standards

پرامیسری نوٹ/اقرارنامہ:(Promissory Note)

An uncondtional promise in wraiting made by one person to another signed by the maker engaging to pay on demand or at a fixed or determinable future time, a sum certain in money to orto the order of a specfied person, or to b e a r e r .

اقرارنامہ ایک شخص کا اپنے دستخط کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے نام ایک غیر مشروط تحریری وعدہ ہوتا ہے، جس میں اقرارنامہ تیار کرنے والا یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس میں تحریر کردہ رقم کو جب وہ طلب کی جائے یا مستقبل کی کسی مقررہ قابل تعین مدت پر اسے یا اس کے حکم کے مطابق کسی دوسرے شخص کو یا اس کے اقرارنامے کے حامل یا قابض شخص کو ادا کرے گا۔(۱)

ایک اقرارنامہ کی لازمی شرائط یہ ہوتی ہیں:

۱۔ غیر مشروط
۲۔ تحریری
۳۔ ایک خاص رقم کی ادائیگی
۴۔ ادائیگی کسی مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی اور شخص کو یا اس کے حامل یا قابض کو
۵۔ ادائیگی مطالبہ پر، یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر

(۱) تعارف زروبنکاری ص ۲۵۸

۶۔ وعدہ کرنے والے کے دستخط

Promissory Note: a financial instrument containing an unconditional undertaking signed by the maker to pay on demand , or at a fixed or determinable time in future, a certain sum of money to the holder or to the bearer of the instrument , or to the order of a designated party . (1)

اس تعریف کا حاصل بھی وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا۔

حکم شرعی:

اس نوٹ پر قبضہ اس میں درج رقم پر قبضہ نہیں لھذا اس کے ساتھ ان معاملات میں تعامل درست نہیں، جن میں قبضہ شرط ہے، مثلاً بیع صرف میں، یا بیع سلم، یعنی صرف میں اس کو بدلِ صرف اور سلم میں اس کو رأس المال بنانا جائز نہیں۔

اسی طرح اس کو فیس ویلیو سے زیادہ پر فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ وغیرہ (۲)

(۱) Glossary ;Banking and Finance,English-English-Urdu ,Shakil Faruqi Student Edition , State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المعاییر الشرعیة

بل آف ایکس چینج، چیک، اور پرامیسری نوٹ کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کچھ اہم فروق:

چیک اور بل (Bill of Exchange) میں فرق:

۱۔ مبادلاتی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جا سکتا ہے، جبکہ چیک صرف متعلقہ بنک کے نام ہی جاری کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت ضروری ہے، جبکہ چیک میں بنک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳۔ مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴۔ مبادلاتی بل کراس نہیں کیا جا سکتا ہے، جبکہ چیک کو کراس کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ مبادلاتی بل میں ڈسکاونٹ ہو سکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاونٹ نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جا سکتی ہے، جبکہ چیک میں درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ وغیرہ

بل اور پرمیسری نوٹ میں فرق:

۱۔ بل جب قبول کر لیا جاتا ہے، تو اس کے مرتب الیہ کی ذمہ داری ثانوی نوعیت کی رہ جاتی ہے، جبکہ پرامیسری نوٹ تیار کرنے والا اول مقروض ہوتا ہے، اور وہی اس کو قبول کرنے والے سے خط و کتابت کرتا ہے
۔

۲۔ بل کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط حکم نامہ ہے، جبکہ نوٹ کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط وعدہ ہے۔

۳۔ بل کے لئے قبولیت درکار رہوتی ہے، جبکہ نوٹ کے لئے قبولیت درکار نہیں ہوتی، کیونکہ اقرار نامہ رقم ادا کرنے والا خط لکھ کر دیتا ہے۔

۴۔ غیر ملکی بل کے دو تین سیٹس میں بھی تیار ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامہ کسی سیٹ کی صورت میں تیار نہیں ہوتا۔

۵۔ بل کو تیار کرنے والوں کی ذمہ داری مشترکہ ہوتی ہے، جبکہ اقرار نامہ تیار کرنے والے مشترکہ طور پر یا اقرار نامہ کے الفاظ کے مطابق مشترکہ یا انفرادی طور پر رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

۶۔ بل کا وسیع پیمانے پر عام لین دین ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامہ کا محدود طور پر لین دین ہوتا ہے۔

۷۔ بل غیر ملکی بھی ہو سکتا ہے، جبکہ اقرار نامہ صرف ملکی ہی ہو سکتا ہے۔

پرامیسری نوٹ اور چیک میں فرق:

۱۔ پرامیسری نوٹ کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کے لئے غیر مشروط وعدہ ہوتا ہے، جبکہ چیک بنک کے نام حکم نامہ ہوتا ہے۔

۲۔ نوٹ کے صرف دو فریق ہوتے ہیں، اقرار کرنے والا، اور رقم پانے والا، جبکہ چیک میں تین فریق بھی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ نوٹ میں ادائیگی کے لئے کوئی خاص مدت مقرر ہوتی ہے، جبکہ چیک میں ہمیشہ عند الطلب واجب الاداء ہوتا ہے۔

۴۔ نوٹ کا استعمال محدود ہے، جبکہ چیک کا استعمال غیر محدود ہے۔

۵۔ نوٹ کی ادائیگی اسے بنانے والے شخص کو ہی کرنا ہوتی ہے، تاہم اسے بنانے والے اگر مشترکہ کاروبار سے وابستہ ہیں، تو ادائیگی ان کی مشترکہ ذمہ داری ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی صرف متعلقہ مخصوص بنک اور اس کی مخصوص شاخ سے ہی ہو سکتی ہے۔

کریڈٹ کارڈ:(Credit Card)

آج کل تین قسم کے کارڈ رائج ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

کریڈٹ کارڈ

ڈیبٹ کارڈ

چارج کارڈ

کریڈٹ کارڈ:(Credit Card)

اس کارڈ کے حامل کا ادارے میں کوئی اکاونٹ نہیں ہوتا، بلکہ وہ معاہدہ ہی ادھار پر سودا کا کرتا ہے، اس معاہدہ میں اگر چہ ادارہ ایک متعین مدت فراہم کرتا ہے کہ جس میں اگر حامل کارڈ ادائیگی کردے، تو اس کو سود ادا نہیں کرنا پڑتا لیکن اصلاً معاہدہ سود کی بنیاد ہی پر ہوتا ہے، اور اس کی ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس میں تجدید مدت (Rescheduling) کہ سہولت بھی موجود ہوتی ہے، جس سے ادائیگی کی مدت بڑھ جاتی ہے، البتہ اس کے ساتھ ساتھ شرح سود میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اور بعض صورتوں میں اضافی رقم لی جاتی ہے۔

ڈیبٹ کارڈ:(Debit Card)

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے ادارہ میں اکاونٹ موجود ہوتا ہے، جس ادارہ کا اس نے کارڈ حاصل کیا ہے، حامل کارڈ یعنی کارڈ ھولڈر اس کارڈ کو جب بھی استعمال کرسکتا ہے، ادارہ اس کے اکاونٹ میں موجود رقم سے اس کی ادائیگی کردیتا ہے، اس میں کارڈ ہولڈر کو ادھار کی سہولت حاصل نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف اس وقت تک کارڈ کو استعمال کرسکتا ہے، جب تک اس کے اکاونٹ میں رقم موجود رہتی ہے۔

ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

چارج کارڈ:(Charge Card)

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے ادارہ میں اکاونٹ نہیں ہوتا ہے، بلکہ ادارہ کارڈ ہولڈر کو ادھار کی سہولت فراہم کرتا ہے، کارڈ ہولڈر کو ایک متعین ایام کی ادھار کی سہولت میسر ہوتی ہے، جس میں اس کو ادارہ کو ادائیگی کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر اس مدت میں ادائیگی ہو جائے، تو سود نہیں لگتا، البتہ اگر حامل کارڈ نے وقت پر

ادائیگی نہ کی، تو پھر اس کو سود کے ساتھ ادائیگی کرنا پڑتی ہے۔

ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

شرعی احکام:

ڈیبٹ کارڈ کا شرعی حکم:

اس کارڈ کو استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے، اور اس کے ذریعہ خرید وفروخت کرنا درست ہے، کیونکہ اس میں نہ قرض کی صورت ہے، نہ سود کی، البتہ کارڈ ہولڈر کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

چارج کارڈ کا شرعی حکم:

اس کارڈ کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے:

۱۔ حامل کارڈ اس بات کا پورا انتظام کرے کہ وہ معین مدت سے پہلے پہلے ادائیگی کردے اور کسی بھی وقت سود عائد ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

۲۔ حامل کارڈ کی یہ ذمہ داری ہو کہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

۳۔ اگر ضرورت ڈیبٹ کارڈ سے پوری ہو رہی ہو، تو بہتر ہے کہ اس کارڈ کو استعمال نہ کرے۔

کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم:

اس کارڈ کا استعمال جائز نہیں، الا یہ کہ ڈیبٹ کارڈ یا چارج کارڈ الگ سے مہیا نہ ہو، اور اس کو ڈیبٹ کارڈ یا چارج کارڈ کی طرح مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

ان تمام کارڈز کو کریڈٹ کارڈ کہا جاتا ہے، لیکن اصلا کریڈٹ کارڈ وہی ہے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی، اور اس کا استعمال اصلا جائز نہیں، البتہ کریڈٹ کارڈ کا اطلاق مذکورہ بالا دو قسموں پر کیا جائے، تو ان کا استعمال جائز ہے۔

اے ٹی ایم کارڈ Automated Transfer Machine(ATM)

یہ رقم نکالنے کا کارڈ ہوتا ہے، اور آج کل بہت عام ہو چکا ہے، اس کے ذریعہ بنک سے رقم نکالی جاتی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اس کارڈ کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کارڈ کو استعمال کرنے پر اگر متعین رقم مشین کے استعمال کی اجرت کے طور پر ادارہ وصول کرے، جو مقدار رقم سے قطع نظر ہو، تو یہ جائز ہے، لیکن اگر ادارہ رقم کو بنیاد بنا کر اس پر کچھ وصول کرے، تو یہ جائز نہیں، بلکہ سود ہوگا، البتہ ادارہ کارڈ جاری کرنے کی فیس وصول کرسکتا ہے۔

فی المعاییر الشرعیة:بطاقة الحسم الفوری:Debit Card)تصدر هذه البطاقة من الموسسة لمن له رصید فی حسابه ، تخول هذه البطاقة لحاملها السحب اوتسدید اثمان السلع والخدمات بقدر رصیده المتاح ، ویتم الحسم منه فورا ، ولاتخوله الحصول علی ائتمان ، لایتحمل العمیل رسوما مقابل استخدامه هذه البطاقة غالبا الا فی حال سحب العمیل نقدا او شراء ه عملة اخری عن طریق موسسة اخری غیر الموسسة المصدرة للبطاقة، تصدر هذه البطاقة برسم اوبدونه ، تتقاضی بعض الموسسات من قابل البطاقة نسبة من اثمان المشتریات او الخدمات.

بطاقة الائتمان والحسم الآجل:(Charge Card) هذه البطاقة اداة ائتمان فی حدود سقف معین لفترة محددة وهی اداة وفاء ایضا.تستعمل هذه البطاقة فی تسدید اثمان السلع والخدمات وفی الحصول علی النقد، لایتیح نظام هذه البطاقة تسهیلات ائتمانیة متجددة لحاملها حیث یتعین علیه المبادرة بسداد ثمن مشتریاته خلال الفترة المحددة عند تسلمه الکشوف المرسلة الیه من الموسسة، اذا تاخر حامل البطاقة فی تسدید ماعلیه بعد الفترة المسموح بها یترتب علیه فوائد ربویة اما

الموسسات فلاتترتب فوائد ربوية، لاتتقاضى الموسسة المصدرة للبطاقة اية نسبة من حامل البطاقة على المشتريات والخدمات ولكنها تحصل على نسبة معينة (عمولة) من قابل البطاقة على مبيعاته او خدماته التى تمت بالبطاقة. تلتزم الموسسة فى حدود سقف الائتمان (وبالزيادة الموافق عليها) للجهة القابلة للبطاقة بسداد اثمان السلع والخدمات وهذا الالتزام بتسديد اثمان المبيعات والخدمات شخصى ومباشر بعيدا عن علاقة الجهة القابلة للبطاقة بحامل البطاقة، للموسسة المصدرة للبطاقة حق شخصى ومباشر قبل حامل البطاقة فى استرداد ما دفعته عنه وحقها فى ذلك حق مجرد ومستقل عن العلاقة الناشئة بين حامل البطاقة والجهة القابلة لها بموجب العقد المبرم بينهما.

بطاقة الائتمان المتجدد: (Credit Card) هذه البطاقة اداة ائتمان فى حدود سقف متجدد على فترات يحددها مصدر البطاقة وهى اداة وفاء ايضا، يستطيع حاملها تسديد اثمان السلع والخدمات والسحب نقدا فى حدود سقف الائتمان الممنوح، فى حالة الشراء للسلع او الحصول على الخدمات يمنح حاملها فترة سماح يسدد خلالها المستحق عليه بدون فوائد ، كما تسمح له تاجيل السداد خلال فترة محددة مع ترتب فوائد عليه ، اما فى حالة السحب النقدى فلايمنح حاملها فترة سماح، ينطبق على هذه البطاقة ماجاء فى البند ٢/٥٢، و، ز.

الحکم الشرعی لانواع البطاقات:بطاقة الحسم الفوری

:یجوز للموسسات اصدار بطاقة الحسم الفوری مادام حاملها یسحب من رصیده و لایترتب علی التعامل بها فائدة ربویة، بطاقة الائتمان و الحسم الآجل:یجوز اصدارها بالشروط الآتیة:

الایشترط علی حامل البطاقة فوائد ربویة فی حال تاخره عن سداد المبالغ المستحقة علیه.

فی حالة الزام الموسسة حامل البطاقة بایداع مبلغ نقدی ضمانا لایمکن لحامل البطاقة التصرف فیه یجب النص علی انها تستثمره لصالحه علی وجه المضاربة مع اقتسام الربح بینه وبین الموسسة بحسب النسبة المحددة .

ان لایشترط الموسسة علی حامل البطاقة عدم التعامل بها فیما حرمته الشریعة وانه یحق للموسسة سحب البطاقة فی تلک الحالة .

بطاقة الائتمان المتجدد: لایجوز للموسسات اصداربطاقات الائتمان ذات الدین المتجدد الذی یسدده حامل البطاقة علی اقساط آجلة بفوائد ربویة.(۱)

---

(۱) المعاییر الشرعیة، هیئة المحاسبة والمراجعة للموسسات المالیة الاسلامیة. ۱۴۲۴ه

مذکورہ تفصیل اگر انگریزی میں جاننا ھے ، تو اس کے لئے Sharia Standards کا مطالعہ فرمائیں، جوبھت مفید ھے .

بنک ڈرافٹ:(Bank Draft)

A bill of exchange payable on demand, usually drawn by one bank on another or by one branch on another, a popular means of transfer of funds.

یہ ایک بل ہے جو طلب کرنے پر واجب الا دء ہوتا ہے، جو بالعموم ایک بنک سے دوسرے بنک کو یا ایک شاخ سے دوسری شاخ کو واجب الا داء ہوتی ہے، یہ رقوم منتقل کرنے کا ایک مقبول عام طریقہ ہے۔(۱)

آ گروال بنک ڈرافٹ کی یوں تعریف کرر ہے ہیں:

A bank draft is a cheque drawn by one bank upon another bank or its own branch situated at a different place, requiring it to pay a certain sum of money to a specified person or to his order to the bearer. A bank draft may be inland or foreign. Usually persons who have to make payment to distant creditors go to their bank to obtain a bank draft. They have to deposit with the

(۱) Glossary ;Banking and Finance,English-English-Urdu ,Shakil Faruqi Student Edition , State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

banker the amount to be remitted a small commissions.Draft is then issued which is sent to the creditor concerned who gets it encashed.

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا، البتہ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ بنک ڈرافٹ اندرون ملک بھی ہوسکتا ہے، اور بیرون ملک بھی ہوسکتا، اور اس پر کمیشن بھی وصول کیا جاتا ہے۔(۱)

پے آرڈر(Pay Order)

It is a cheque like instruments issued by bank on the request of its customers or in payment of its own expenses or dues, drawn on itself, to pay a specified sum of money to the order of specified person.Paymenent orders are usually issued by the banks on receipt of full amounts involved, which means that it would not be returned unpaid due to lack of funds, it is ALSO CALLED BANKERS CHEQUES OR CASHIERS CHEQUES.

Intrudaction to Economic Principles.Dr.A.N.Agrawal P:352 (۱)

یہ چیک کی طرح آلہ ہے جو بینک سے اس کے گاہکوں کی درخواست پر یا
اس کے اپنے اخراجات یا بقایا جات کے لئے خود اس پر
جاری کئے جائیں، تاکہ ایک معینہ رقم مذکورہ شخص کو ادا کی جائے، ادائیگی
کے احکامات عام طور پر بینکوں کی جانب سے پوری متعلقہ رقم وصول
ہو جانے کے بعد ہی جاری کئے جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ
فنڈ کی کمی کے عذر پر بغیر ادا کئے واپس نہ کر دئے جائیں، انہیں بینکاروں
کے چیک یا کیشئرز چیک بھی کہا جاتا ہے۔(۱)

بنک ڈرافٹ اور پے آرڈر میں شرعی نقطہ نظر کوئی خاص پیچیدگی نہیں، البتہ بنک ان دونوں پر حق الخدمت وصول کرتا ہے، جو شرعاً جائز ہے۔

---

1)Glossary ;Banking and Finance,English-English-Urdu ,Shakil Faruqi Student Edition , State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

بانڈ (Bond)

Bond is an interest bearing government or corporate security , obligating the bond issuer under an agreement called bond indenture to pay the bond holder a principal amount on the date of maturity and periodic payment of interest over the life of the bond, bonds are long term debt instrument and are a preferred mode of raising long term funds without selling shares, bond enables the bond issuer to convert non liquid or less liquid assets into marketable instruments, the market value , or the price of the bond in the market differs from the face value or he par value of the bond at the maturity by a discount factor based primarily on the current interest rate and the bond rating generally , if interest rate rises bond prices fall and vice versa.

بانڈ یہ حکومت یا کسی مشترکہ کمپنی کا ایک سودی تمسک ہے جو بانڈ کے اجراء کرنے والے کو اس معاہدہ کے تحت ، جسے بانڈ کا اقرار نامہ

کہا جاتا ہے، پابند کرتا ہے کہ وہ حامل بانڈ پختگی کی تاریخ پر اس کی اصل رقم واپس کرے، اور بانڈ کی زندگی تک عرصہ دار سود کی ادائیگی کرے۔ بانڈ قرض حاصل کرنے کے طویل مدتی آلہ ہے، اور حصص کو فروخت کئے بغیر طویل مدتی فنڈ حاصل کرنے کا ایک ترجیحی طریقہ ہیں، یہ غیر سیال یا کم سیال اثاثوں کو قابل فروخت آلات میں تبدیل کرنے ایک ذریعہ بھی ہیں، بازار کی مالیت یا بازار میں قیمت میچورٹی کے لحاظ سے اس کی فیس ویلیو سے مختلف ہوتی ہے، اس کی وجہ بڑہ وہ عنصر ہے جو خاص طور پر سود کی موجودہ شرح اور بانڈ کی درجہ بندی پر مبنی ہوتا ہے، عام طور پر اگر سود بڑھ جائے، تو بانڈ کی قیمتیں گرنے لگتی ہیں، یا دوسری صورت اس کے برعکس ہوتی ہے۔(۱)

مفتی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بانڈ کی تعریف اور حقیقت یوں بیان فرماتے ہیں:

السند(Bond) فی الاصطلاح المعاصر وثیقة یصدرها المدیون لمقرضه اعترافا منه بانه استقرض من حاملها مبلغا معلوما یلتزم باداء ہ فی وقت معلوم وان هذه السندات تصدرها عادةلعرضها علی الجمهور لیحصلوا علیها باداء المبلغ المکتوب علی وجهها حتی یصیروا مقرضین ذلک المبلغ لمصدر السندوان هذه السندات ربما تصدرها الشرکات المساهمة التجاریة او الصناعیة حینما تحتاج الی اقتراض مبالغ کبیرة من المال لانجاز مشاریعها ولاتجد افرادا او موسسات تقرضها الاموال

1)Glossary ;Banking and Finance,English-English-Urdu ,Shakil Faruqi Student Edition , State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

بالحجم المطلوب، فتعرض هذه السندات على الجمهور
وربما تصدر هذه السندات من قبل الحكومات
التي تريد ان تمول عجز ميزانيتها فتقترض من الجمهور
وان هذه السندات سواء اصدرتها الشركات اور
اصدرتها الحكومة انما تلتزم باداء فوائد ربوية الى من
يحملها فالسند الذى قيمته الاسمية مائة روبية مثلا
تستحق ان يدفع لحاملها مائة وخمس عشرة بعد سنة،
ويحق له ان يبيع هذا السند فى السوق وانها تباع
وتشترى بثمن يتراضى عليه الفريقان فمن حصل على هذا
السند بمائة فانه يبيعه الى آخر بمائة وخمسة ويشتريه
ذلك الاخربهذ الثمن لانه يرجو ان يحصل على مائة
وخمس وعشرة روبية فى نهاية المدة.

وهناك سندات اخرى تصدر من قبل الحكومة
وتعرض عادة على البنوك والموسسات المالية الاخرى
، وتسمى سندات الخزينة ومقصودهذه السندات نفس
المقصد الذى من اجله تصدر السندات الحكومية
الاخرى، غير ان هذه السندات تعرض على البنوك
لتشتريها على اساس المزايدة، فالسند الذى قيمته الف
روبية مثلا يتضمن التزام الحكومة باداء الف روبية الى
حامله عند حلول اجله فتجرى فى شراء ه المزايدة فيما
بين البنوك وتاتى العروض من قبلها الى البنك
المركزى فتباع هذه السندات الى من عرضه اكثر،

ومعنى بيع هذه السندات ان مشتريها اقرض مبلغ الثمن
الى الحكومة واستحق من خلال هذاالاقراض ان يحصل
على قيمة السند الاسمية عند حلول الاجل .(۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ بانڈ آج کل کی اصطلاح میں اس سند کو کہتے ہیں، جس کو مقروض جاری کرتا ہے اس اس اعتراض میں کہ اس نے اس کے حامل سے متعین رقم بطور قرض لی ہے۔

۲۔ یہ بانڈز عام طور پر عوام پر پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ عوام ان کو خریدیں اس قیمت پر جو ان پر لکھی ہوئی ہے، تو گویا کہ انہوں نے یہ قیمت جاری کنندہ کو قرض کے طور پر دی۔

۳۔ یہ بانڈز بسا اوقات کمپنیوں کی طرف سے جاری ہوتے ہیں، جن کو بڑی رقوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ بعض اوقات حکومت بھی ان بانڈز کو اپنے بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے جاری کرتے ہیں۔

۴۔ بانڈز خواہ کمپنی جاری کرے یا حکومت جاری کرے، ان پر حاملین کو سود دیا جاتا ہے۔

۵۔ بانڈز قابل تبادلہ آلہ ہے، مارکیٹ میں اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے کمی بیشی کے ساتھ۔

۶۔ حکومت ایک خاص قسم کے بانڈز بھی جاری کرتی ہے، جن کو سندات الخزینہ (Treasary Bills) کہتے ہیں، یہ بانڈز بنکوں اور دیگر مالیاتی اداروں پر پیش کئے جاتے ہیں، ان کا مقصد بھی وہی ہوتا ہے، جو عام بانڈز کا ہوتا ہے، البتہ یہ بنکوں پر پیش کئے جاتے ہیں، اور پھر بنک آپس میں ان کا لین دین کرتے ہیں۔

(۱) بحوث فی قضایا فقهية معاصرة، العثمانی(محمد تقی العثمانی"کراتشی، مكتبه دارالعلوم کراتشی ، طبع جدید۱۴۲۶ھ

کمپنیوں کے بانڈز:

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات ابھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات کمپنیاں جاری کرتی ہیں، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمپنیوں کے پاس سیال اثاثہ کم ہوتا ہے، تو ان کو منصوبوں کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ویسے کوئی ان کو قرض یا رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کر کے ان کے ذریعہ عوام سے قرض وصول کرتی ہیں۔

کمپنیاں جو بانڈز جاری کرتی ہیں، ان کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ تفصیل کے لئے درج ذیل کتابیں ملاحظہ ہوں:

المعاملات المالیۃ المعاصرۃ فی الفقہ الاسلامی۔ ڈاکٹر محمد عثمان شبیر

احکام الاسواق المالیۃ۔ الدکتور صبری ھارون

گلوسری۔ اسٹیٹ بنک آف پاکستان

قابلِ تحویل بانڈز:(Bonds convertible into shares)

بانڈز کی دو قسمیں ہیں:

غیر قابل تحویل بانڈز(Non .convertible into shares) اور قابل تحویل بانڈز، اصل یہ ہے کہ بانڈز قابل تحویل نہ ہوں، لیکن بعض اوقات بانڈز قابل تحویل بھی ہوتے ہیں، جن کے بارے میں با قاعدہ جاری کرنے کے عقد میں تصریح کی جاتی ہے کہ ان کے حامل کو یہ حق حاصل ہے کہ اتنی مدت کے اندراندر وہ ان بانڈز کو عام حصص یا حصص ممتاز میں تبدیل کرے، اسی طرح یہ بانڈز دوسری مالی دستاویزات میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔

قابلِ تحویل بانڈز کے بارے میں گلوسری سٹیٹ بنک آف پاکستان میں بہت اچھی بحث ہے، جو درج ذیل ہے:

A bond that can be converted into a common stock at a conversion ratio

specified at the time of bond issue, it has all the factures of a regular bond , namely the par value, the coupon rate, maturity period the interest payment period, but additionally , the band issuer pays dividend an d offers the option to the investor to convert the bond into a number of common stocks as per conversion ratio of the conversion price of the stock, as a result the market price of the bond is affected both by the interest rate movements as cell stock market movements, the cost of conversion option is usually gauged by the premium paid for the bond in the secondary market trading, convertible bonds proved a potential gain to the investor if the bond price goes up , while at the same time offer an attractive bond yield, specially for corporate bond whose price is likely to materially increase over the maturity period, the market value of the option attached to convertible bond

is zero or insignificant at the time bond stars selling initially in the secondary market, but the value of the option increases as the bond price clibs up, it is also possible that bond price bay fall instead of rising with disastrous consequences for the option holder, therefore convertible bond can also be risky in addition to being potentially rewarding.

یہ وہ بانڈز ہیں جنہیں عام حصص میں تبدیل کیا جا سکے، اور تبدیل کے اس تناسب سے جس کی صراحت بانڈ کے اجراء کے وقت کی گئی ہو، اس میں وہ تمام فیچرز ہوتے ہیں، جو کسی باضابطہ بانڈز میں ملتے ہیں، جسے کہ مساوی مالیت، کوپن شرح، میچرٹی، عرصہ دار اور سودی ادائیگی، لیکن اس کے علاوہ بانڈ کا جاری کنندہ نفع ادا کرتا ہے، اور سرمایہ کار کو اختیار دیتا ہے کہ وہ بانڈ کو عام حصص کی ایک تعداد میں تبدیلی کے تناسب سے یا تبدیلی کی قیمت پر بدلوا سکتے ہیں، اس وجہ سے قابل تحویل بانڈ کی بازاری قیمت شرح سود کے علاوہ اسٹاک مارکیٹ کے اتار چڑھاو سے بھی متاثر ہوتی ہے، تبدیل کے اس اختیار کی لاگت کا اندازہ اس پریمم سے کیا جا سکتا ہے جو کہ بانڈ کی ثانوی بازار میں اجرت پر دینا پڑے، قابل تحویل اس کے سرمایہ کار کو ایک احتمالی نفع پہنچاتے ہیں، اگر اس کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بانڈ کی میچرٹی میں اضافہ ہو، اور ساتھ ہی ساتھ ایک پرکشش بانڈ کا نفع بھی، خاص طور پر ان کارپوریشنوں کے

ضمن میں جن کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت میں خاطر خواہ اضافہ کا مکان ہو، کسی قابل تحویل بانڈ سے منسلک اس آپشن کی بازاری قیمت یا تو صفر ہوتی ہے ، یا برائے نام، اس کی ثانوی بازار میں تجارت شروع ہوتے وقت آپشن کی مالیت میں اس کی اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بڑھنے پر اضافہ ہونا شروع ہوجاتے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اسٹاک مارکیٹ کی قیمت کے بجائے اضافہ کے کمی ہو، جس کے بانڈ کی مالیت پر تباہ کن اثرات بھی ہوسکتے ہیں، اس لئے قابل تحویل بانڈ احتمالی طور پر پرخطر بھی ہوسکتا ہے، یا نفع بخش بھی ہوسکتا ہے۔(۱)

سرکاری بانڈز:

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات ابھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات حکومت جاری کرتی ہے، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے پاس سیال اثاثہ کم ہوتا ہے، تو اس کو بجٹ کے خسارے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ویسے کوئی ان کو قرض یا رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کرکے ان کے ذریعہ عوام سے قرض وصول کرتی ہے ۔

سرکاری بانڈز بھی تقریبا کمپنیوں یا سادہ بانڈز کی طرح ہوتے ہیں، اوران کے وہی فیچر ہوتے ہیں، جو عام بانڈز کے ہوتے ہیں، البتہ یہ کہ سرکاری بانڈز دوسرے بانڈز کے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں، اوران میں رسک نسبتاً کم ہوتا ہے۔

سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں درج ذیل ہیں:

ا۔ سندات الخزینۃ(Treasary Bills)

1)Glossary ;Banking and Finance,English-English-Urdu ,Shakil Faruqi Student Edition , State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

۲۔ شہادات الخزانہ (Treasary Certificates)

۳۔ سندات البلدیہ (Minucipal Bonds)

بانڈز کا حکم شرعی:

بانڈ کی اور بہت بھی بہت ساری قسمیں ہیں، جن سے یہاں بحث کرنا مقصود نہیں، گزشتہ صفحات میں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، تفصیل کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں، تاہم بانڈ خواہ کسی بھی قسم کا ہو، یہ سودی ہوتا ہے، اور اس کا لین قیمت اسمیہ کے علاوہ کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے، نیز اس پر انعام کے نام سے جو اضافی رقم ملتی ہے، وہ بھی سود ہے، اور ناجائز ہے، جسے حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہی جمہور علماء امت کا موقف ہے، اور یہی درست موقف ہے، مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کی قرارداد اور دیگر بعض عبارات ذیل میں ملاحظہ ہوں:

ان مجلس مجمع الفقه الاسلامی المنعقد فی دورة موتمر السادس بجدة فی المملكة العربية السعودية من ۱۷ الی ۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ الموافق ۱۴.۲۰ آزار (مارس) ۱۹۹۰م.

بعد اطلاعه علی الابحاث والتوصيات والنتائج المقدمة فی ندوة الاسواق المالية المنعقدة فی الرباط ۲۰.۲۴ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ ۲۰.۲۴/۱۰/۱۹۸۹م بالتعاون بين هذا المجمع والمعهد الاسلامی للبحوث والتدريب بالبنك الاسلامی للتنمية وباستضافة وزارة الاوقاف والشئون الاسلامية بالمملكة المغربية.

وبعد الاطلاع علی ان السند شهادة يلتزم المصدر بموجبها ان يدفع لحاملها القيمة الاسمية عند الاستحقاق مع دفع فائدة متفق عليها منسوبة الی القيمة الاسمية للسند او ترتيب نفع مشروط سواء كان جوائز توزع

بالقرعة ام مبلغا مقطوعا ام خصما قرر:

ا. ان السندات التی تمثل التزاما بدفع مبلغها مع فائدة منسوبة الیه او نفع مشروط محرمة شرعا من حیث الاصدار والشراء والتداول لانها قروض ربویة سواء کانت الجهة المصدرة لها خاصة او عامة ترتبط بالدولة ولااثر تسمیتها شهادات او صکوکا استثماریة او ادخاریة او تسمیة الفائدة الربویة الملتزم بها ربحا اوربعا او عمولة او عائدا.

۲. ... کماتحرم ایضا السندات ذات الجوائز باعتبار ها قروضااشترط فیها نفع او زیادة باللنسبة لمجموع المقرضین او لبعضهم لاعلی التعیین فضلاعن شبهة القمار.

مجع الفقه الاسلامی جده (فقہ اسلامک فقہ اکیڈمک جدہ) کی اس قرارداد کا حاصل یہ ہے کہ بانڈز خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، وہ چونکہ سودی قرضوں کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لئے ان کے ساتھ لین دین کرنا، یا ان پر انعام حاصل کرنا بالکل حرام ہے، نیز ان میں بعض صورتوں میں شبہ قمار بھی ہے۔(۱)

ذهب غالبیة العلماء المعاصرین الی عدم جواز تعامل بالسندات وشهادات الاستثمار دون تفریق بین انواعها ومن هولاء الشیخ الشلتوت ، والدکتور عبد العزیز الخیاط والدکتور علی السالوس والدکتور صالح المرزوقی......

---

(۱) مجلة مجمع الفقه الاسلامی الدورة السادسة العدد السادس الجزء الثانی ص ۱۷۲۵ اقرار رقم ۶۲/۱۱/۶

والدکتور یوسف القرضاوی ، لان السند قرض علی الشرکة والموسسة التی اصدرته لاجل فائدة مشروطة وثابتة فهو من ربا لنسئية الذی نزل بحرمته القرآن الکریم الخ

اکثر علماء معاصرین کا موقف یہ ہے کہ بانڈز اور سرٹیفیکیٹ کے ساتھ لین دین ناجائز ہے، خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، ان میں سے شیخ شلتوت، ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر عبدالعزیز الخیاط، ڈاکٹر علی السالوس، ڈاکٹر صالح المرزوقی بھی ہیں، کیونکہ بانڈ کمپنی یا ادارہ کے ذمہ قرض ہے جس نے اس کو جاری کیا ہے، اور اس پر مشروط نفع ملتا ہے، لھذا یہ ربا النسیئہ میں سے ہے، جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔(۱)

ان هذه السندات کلها ربویة من اصلها حیث ان المقرض یلتزم فیها باداء مبلغ القرض وزیادة فلایخفی حرمة تداولها لانها تودی الی تعامل ربوی حرام الخ

یہ سارے بانڈز اصلاً سودی ہیں، کیونکہ ان میں مقرض یہ التزام کرتا ہے کہ وہ بانڈ کی رقم اور کچھ اضافہ دے گا، اور اس کا لین دین کا حرام ہونا ظاہر ہے، کیونکہ یہ ربوی معاملہ ہے۔(۲)

---

(۱) المعاملات المالیة المعاصرة فی الفقه الاسلامی، (شبیر)محمد عثمان شبیر،اردن، دارالنفائس ، طبع ثالث ۱۴۱۹ھ

(۲) بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، العثمانی(محمد تقی العثمانی"کراتشی، مکتبه دارالعلوم کراتشی ، طبع جدید ۱۴۲۶ھ

سرٹیفکیٹس:

ان سندات القروض صكوك تمثل قروضا تحصل عليها الشركة من عامة الناس على اساس الفائدة الربوية المحددة وتكون هذه الصكوك فى التعامل المعاصر قابلة للتداول وغير غير قابلة للتجزئة
وانما تضطر الشركات فى بعض الاحيان الى اصدار هذه السندات لانها قدتحتاج فى اثناء مزوالة اعمالها الى مبالغ اكثر مما حصلت عليه عن طريق اصدار الاسهم لتزيد من قدراتهاعلى انجاز مشاريعها والتوسع فيها او لتواجه ازمة مالية طرأت عليها ولاترغب الشركة فى عرض اكتتاب بالاسهم الجديدة على الجمهور لئلا تتضاء ل انصبة الشركاء فتضطر الى ان تقترض هذه المبالغ ممن يمكن الاقتراض منه .
وفى جانب آخر تكون عند الناس مبالغ افروزوها من حاجاتهم اليومية ورصدوها لحاجاتهم المتوقعة فى المستقبل وان هذه المبالغ فى بيوت اصحابها او فى حسابهم الجارى فى البنوك فلايمكن ان تستغل هذه المبالغ لصالح الوطنى الابان تدفع المنتجين او التجار قرضا فيستعملونها فى اعمالهم الانتاجية او التجارية فجاء ت فكرة اصدار سندات الخ

قرضوں کے سرٹیفکیٹس ایسے صکوک ہیں، جو قرضوں کی نمائندگی کرتے ہیں، جن کو کمپنیاں عام لوگوں سے ایک متعین سودی

فائدہ کی بنیاد پر حاصل کرتی ہے، یہ صکوک آج کے لین دین میں قابل تدوال ہیں، یعنی قابل خرید وفروخت ہیں، اور قابل تجزی نہیں ہیں۔

بعض اوقات کمپنیاں مجبور ہوجاتی ہیں کہ یہ صکوک جاری کریں، کیونکہ اپنے منصوبوں کی تکمیل کی انجام دہی کے سلسلہ میں ان کو فنڈ کی ضرورت ہوتی ہے، حصص سے جو فنڈ حاصل ہوتا ہے، وہ ناکافی ہوتا ہے، یا بعض اوقات مالی بحران سے یہ کمپنیاں دوچار ہوجاتی ہیں، اور یہ نہیں چاہتیں کہ مزید حصص کی پیش کش کریں، کیونکہ اس سے شئر ہولڈرز کے حصص کم ہوجائیں گے، تو وہ یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں۔

دوسری طرف اکثر لوگوں کے پاس بچتیں ہوتی ہیں، یہ بچتیں یا ان کے گھروں میں رکھی ہوئی ہوتی ہیں، یا پھر کرنٹ اکاونٹ میں ہوتی ہیں، لھذا ان سے ان کو کچھ نفع نہیں ملتا، البتہ نفع کی صورت یہ ہے کہ وہ یہ بچتیں تاجروں کو یا صنعتکاروں کو دیدیں، اس طریقہ سے ان کو بھی نفع حاصل ہوجائے گا، اور تاجروں اور صنعتکاروں کو بھی فائدہ ہوگا، یہیں سے ان سرٹیفکیٹس کا تصور اجاگر ہوگیا۔(۱)

اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ سرٹیفکیٹس بھی بانڈز کی طرح سودی صکوک ہیں، اوران کے ذریعہ عام لوگوں سے سودی قرضہ وصول کیا جاتا ہے۔ جس میں کمپنیوں کا بھی فائدہ ہے کہ ان کو ان کے ذریعہ سودی قرضہ مل جاتا ہے، اور لوگوں کا بھی فائدہ ہے کہ ان کو اپنی بچتوں پر کچھ نفع مل جاتا ہے۔

اسی لئے مفتی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ان صکوک کے حکم کے اوران کے شرعی متبادل کے بارے میں فرماتے ہیں:

ولکن هذاالطریق مبنی علی اساس القرض الربوی الذی لاتبیحه الشریعة الاسلامیة فی حال من الاحوال ومن هنا اراد بعض المسلمین فی البلاد الاسلامیة ان یاتوا ببدیل لهذه السندات فی شکل سندات المقارضة

(مضاربة) الخ

لیکن یہ طریقہ اس سودی قرض پر مبنی ہے، جس کو شریعت جائز قرار نہیں دیتی کسی بھی حال میں، اس لئے بعض مسلمانوں نے بعض بلاد اسلامیہ ان صکوک کے شرعی متبادل کے طور پر ''سندات المقارضۃ'' یعنی مضاربہ سرٹیفیکیٹس نکالیں۔(۱)

چنانچہ بانڈز اور سرٹیفیکیٹس کا شرعی متبادل یہی صکوک مشارکہ اور صکوک مضاربہ ہیں، یعنی مشارکہ سرٹیفیکیٹس اور مضاربہ سرٹیفیکیٹس، جو ان سرٹیفیکیٹس کو خریدے گا، گویا کہ وہ حکومت یا کمپنی کے ساتھ شریک ہوگا، اور یا رب المال ہوگا، یعنی یہاں مشارکہ اور مضاربہ کے احکام جاری ہوں گے، اور نفع شرعی اصولوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔

ان صکوک پر مجلّہ مجمع الفقہ الاسلامی الدورۃ الرابعۃ، العدد الرابع، الجزء الثالث میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور متعدد متبحر علماء کرام نے اس موضوع پر اپنے اپنے مقالے پیش کئے ہیں، نیز مفتی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور عربی تصنیف بحوث میں بھی اس پر بقدر ضرورت گفتگو فرمائی ہے ۔جس کا حوالہ اس باب میں جگہ جگہ حاشیہ میں دیا گیا ہے۔

گورنمنٹ سیکیورٹی سرٹیفیکیٹس:

ان کو سرکاری تمسکات بھی کہتے ہیں، ان سرکاری تمسکات کے بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

سرکاری تمسکات ان دستاویزات کو کہتے ہیں، جو حکومت وقتاً فوقتاً عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، جب حکومت کے ذرائع آمدنی (ٹیکس وغیرہ) بجٹ کے لئے ناکافی ہوں، تو حکومت یہ مالیاتی-----

(۱) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة الرابعة، العدد الرابع، الجزء الثالث، مقاله: الشیخ المفتی محمد عثمانی ص۱۸۵۳

دستاویز عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، مثلاً:

۱۔ انعامی بانڈ۔ جس میں ہر بانڈ پر تو نفع نہیں ملتا، تمام بانڈز حاصل ہونے والی رقوم پر مجموعی طور پر نفع ہوتا ہے، جو قرعہ اندازی سے تقسیم ہوتا ہے۔

۲۔ ڈیفینس سیونگ سرٹیفکیٹس

۳۔ خاص ڈپازٹ سرٹیفکیٹس

۴۔ فارن ایکسچینج بیئرر سرٹیفکیٹس ۔ پہلے عوام کو اپنے پاس فارن ایکسچینج (بیرونی کرنسی) اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی کو فارن ایکسچینج کی ضرورت پیش آتی تو اس میں بہت سی قانونی مشکلات ہوتی تھیں، اس صورتحال کا ایک نقصان یہ تھا کہ لوگ غیر قانونی ذرائع سے فارن ایکسچینج حاصل کرتے، اور اپنے پاس رکھتے، دوسرا نقصان یہ تھا کہ لوگ باہر سے فارن ایکسچینج مثلاً ڈالر لاتے تو حکومت کو نہیں دیتے تھے، جب کہ حکومت کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، لھذا اس کو قانونی شکل دے لوگوں سے فارن ایکسچینج بطور قرض لینے کے لئے جو دستاویز حکومت نے جاری کی، اس کو فارن ایکسچینج بیئرر سرٹیفکیٹس (F.E.B.C) کہتے ہیں، اسکی شکل یہ ہے کہ حکومت ڈالر اس وقت کی قیمت کے مطابق پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیتی ہے، مثلاً اس ڈالر کی قیمت ۲۵ روپے ہے اور باہر سے آنے والا سو ڈالر لے کر آیا، تو حکومت اس سے سو ڈالر لے کر اس کو دو ہزار پانچ سو پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹ جاری کرے گی، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومت حامل سرٹیفکیٹ کے لئے پاکستانی ڈھائی ہزار روپے کی مقروض ہے۔

ایف ای بی سی پر سالانہ ۱۲ فیصد اضافہ ملتا ہے، اور اس کو حامل

جب چاہے یہ سرٹیفکیٹ پیش کر کے دوبارہ ڈالر لے سکتا ہے، اور حامل اس سرٹیفکیٹ کو بیچ بھی سکتا ہے۔

یہ تمام سرکاری تمسکات ہیں، ان میں اصل معاملہ تو حکومت اور قرض دہندہ کے درمیان ہوتا ہے، لیکن عوام کی سہولت کے لئے ان کے بیچنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے، فنانشل مارکیٹ میں ان کی خرید وفروخت ہوتی ہے، حامل دستاویز جب اس کی بیع کرے گا، تو اب دائن نہیں رہے گا، اس کا معاملہ حکومت سے ختم ہو جائے گا اور اب خریدار دائن ہوگا، اور حکومت کا معاملہ خریدار سے وابستہ ہو جائے گا۔(۱)

موسوعہ میں ہے:

فی المعنی العام هی مستندات تثبت ملكية معينة او حقا فی دخل معين تودع لدی بنک كضمانة للحصول علی قرض اوراق مالية تعطی حاملها الحق فی دخل معين ويجری فيها التعامل فی سوق الاوراق المالية(البورصة) وفی السوق الثانوية واهم صفة لهذه الاوراق هی انما قابلة للتبادل التجاری وهی اما سندات ذات فوائد ثابتة اوالسهم ممتازة تتضمن الاوراق المالية التی تصدرها الحكومة المركزية والحكومات المحلية الاوراق التی يكون عائدها متغيرا مثل الاسهم العادية.(۱)

(۱) اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص۷۷

(۲) موسوعة المصطلحات الاقتصادية الاحصائية، هيكل(الدكتور عبدالعزيز فهمی هيكل)بيروت، دارالنهضة العربية (ص۷۴۸)

Government Securities, which are usually bonds that pay a fixed amount of interest each year gave unlike most commercial securities a guaranteed safety factor concerning then ultimate repayment. These securities are traded in the Market , and their prices fluctuate in value, depending on trends and condition of the economy. (۱)

شیئرز سرٹیفیکٹ:

الصک الذی یعطی للمساهم اثباتا لحقه

وہ رسید جو شیئر ہولڈر کو دی جاتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ کمپنی میں اس کا حق اور حصہ ہے۔

الصک والوثیقة المثبتة الذی یعطی للساهم اثباتا لحقه لان السهم یعطی للمساهم حقوقا تجاه الشرکة کما یترتب علیه التزمات نحوها.

وہ رسید ہوتی ہے جو شیئر ہولڈر کا حق ثابت کرتی ہے، کیونکہ شیئر شیئر ہولڈر کو کمپنی میں کچھ حقوق اور کچھ واجبات دیتا ہے۔ (۲)

---

(۱) The New Encyclopaedia Britannica v:10,P:595

(۲) المعاملات المالیة المعاصرة فی الفقه الاسلامی، (شبیر)محمد عثمان شبیر،اردن، دارالنفائس ، طبع ثالث ۱۴۱۹ھ

السهم هو الصك الذى تصدره الشركة ويمثل
حق المساهم فيها ويتمتع حامله بالحق فى الحصول على
عائد سنوى نتيجة استثمار رأس ماله (۱)

حاصل یہ کہ وہ سرٹیفکیٹ ہے، جو کمپنی کے اثاثہ میں ایک خاص تناسب سے شیئر ہولڈر کے حصے کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس کی بھی کئی قسمیں ہیں، جن سے بحث کرنے کا یہ مقام نہیں ہے، نیز شیئر سرٹیفکیٹ کے کچھ شرعی احکام ہیں۔جن میں اس کی خرید وفروخت اور زکوۃ وغیرہ کے مسائل شامل ہیں۔(۲)

بونس شیئرز:

بونس شیئر کے بارے میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

Devidend کی تقسیم کے دو طریقے ہوتے ہیں، کبھی تو نقد نفع لوگوں کو فراہم کیا جاتا ہے، اور کبھی اس نفع کے دوبارہ حصص جاری کردیئے جاتے ہیں، اس قسم کے حصے کو "بونس شیئر" (Bonus Share) کہتے ہیں۔

بونس شیئر جاری کرنے سے کمپنی کا سرمایہ بڑھ جاتا ہے، ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جب کہ کمپنی کی کیش پوزیشن کمزور ہو، یعنی اس کے پاس نقد رقم کم ہو، تو بجائے نقد نفع دینے کے مزید حصص جاری کردئے جاتے ہیں، کسی حصہ دار کو مثلاً دس روپے دینے کے بجائے دس روپے کا حصہ دیدیا جاتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ منظور شدہ سرمایہ میں اس کی گنجائش ہو، مثلاً ۸۰ ملین کی

(۱) مجلة مجمع الفقه الاسلامى الدورة السادسة ، العدد السادس الجزء الثانى ص ۱۵۲۵

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلام اور جدید معیشت وتجارت

اجازت ملی تھی، ان میں سے ۶۰ ملین جاری کئے گئے تھے، ۲۰ ملین کی گنجائش باقی تھی، اگر منظور شدہ سرمایہ میں مزید گنجائش نہیں ہے، تو دوبارہ درخواست دیکر اجازت لی جائے گی۔

بونس شیئر جاری کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کمپنی کے شیئرز کی بازاری قیمت (Market Value) قیمت اسمیہ (Face Value) سے کم نہ ہو، اگر بازار میں قیمت گرگئی ہے، تو اب بونس شیئر جاری کرنے میں حصہ داران کو نقصان ہے، مثلاً دس روپے کے شیئر کی قیمت بازار میں نو روپے ہے، تو حصہ دار کو دس روپے کی بجائے نو روپے کا شیئر ملے گا، تو اس کو ایک روپیہ کا نقصان ہوا۔(۱)

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ۶۱

تعہدات(Warrants)

تعہدات کی تعریف مجمع الفقہ الاسلامی جدہ میں یوں الفاظ میں کی گئی ہے:

هو الخيار الذى تبيعه الشركة على مستثمرين جدد ويسمى Warrants حيث يكون لهم حق شراء مجموعة من اسهم الشركة عند سعر محدد خلال مدة محددة وهو قابل للتاول وربما يمتد لسنوات ...تصدر الشركات انواعا من التعهدات(Warrants)تتضمن الوعد ببيع عدد من اسهم الشركة بسعر محدد خلال فترة محددة او غير محددة ويستطيع الشركة بهذه الطريقة ان تحقق دخلا بدون ان تخاطر بتغير هيكل ملكيتها الذى قد ينتجه ادخال مساهمين جدد وفى نفس الوقت يستطيع المستثمرون المضاربة على مستقبل الشركة بدون الحاجة الى مبلغ كبير من المال

Warrantsاس خیار کو کہتے ہیں کہ جس کو کمپنی نئے سرمایہ کاروں کو بیچتی ہے ، اس خیار کی بنیاد پر سرمایہ کاروں کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ کمپنی کے شیئرز خریدلیں، متعین ریٹ پر متعین مدت کے درمیان ، یہ خیار قابل تداول (لین دین) ہے ، یعنی اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اور بسا اوقات یہ خیار کئی سالوں تک ممتد ہوتا ہے ۔۔۔کمپنیاں مختلف قسم کے تعہدات جاری کرتی ہیں، جن میں یہ وعدہ ہوتا ہے کہ حامل کچھ متعین شیئرز متعین قیمت پر متعین مدت تک خرید لے ،اور بعض اوقات مدت کا ذکر نہیں یعنی مدت کی قید نہیں ہوتی ۔

تعہدات کے جاری کرنے میں کمپنی کو یہ فائدہ حاصل ہوتا

ہے کہ نئے شیئرز ہولڈرز کے آنے سے ملکیت کی حالت میں کمی آنے کا خطرہ ہوتا ہے اس سے کمپنی محفوظ ہو جاتی ہے کیونکہ سرمایہ کاروں نے ایک خاص ریٹ پر شیئرز خریدنے کا خیار خریدا ہے، اور دوسری طرف سرمایہ کاروں کو بھی کسی بڑی رقم کے بغیر شیئرز میں سرمایہ کاری کا موقع مل جاتا ہے۔(۱)

گلوسری سٹیٹ بنک آف پاکستان میں وارنٹس کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

Warrants are securities issued with preferred stacks or bond or certificates, that give the holder the right to buy a proportionate amount of common stock at specified price, usually higher than market price at the time of issue of warrants, for a specific period of time, or perpetuity .In this sense, warrants are options the to the holder of corporate stocks or bonds.

وارنٹ یہ وہ تمسکات ہوتے ہیں، جو ترجیحی اسٹاک یا بانڈ یا سرٹیفیکیٹ کے ہمراہ جاری کئے جاتے ہیں، جو حامل کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ ایک خاص قیمت پر عام اسٹاک کی ایک متناسب تعداد خرید لئے، یہ خاص قیمت وارنٹوں کے اجراء کے وقت کسی خاص عرصہ کے لئے یا ہمیشہ کے لئے عموما بازار کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے، اس مفہوم میں

(۱) مجلة مجمع الفقه الاسلامی الدورة السادسة ، العدد السادس الجزء الثانی ص ۱۵۲۵

وارنٹ کارپوریٹ اسٹاک یا بانڈ کو حاصل کرنے کے آپشن ہوتے ہیں۔

(۱)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ وارنٹ ایک خیار ہے، جس سے حامل کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے، کہ وہ ایک مخصوص مدت یا غیر معین مدت میں ایک خاص ریٹ پر عام اسٹاک (سہم عادی) کمپنی (جاری کنندہ) سے خریدے، یعنی حامل کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اگر اس ریٹ پر اس کمپنی کے عام اسٹاک لینا چاہتا ہے، تو لے سکتا ہے۔

نیز وارنٹس قابلِ تداول بھی ہیں، جسے (Negotiable) کہتے ہیں، یعنی ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے، مزید تفصیل اور حکم انشاء اللہ تعالی خیارات میں آئے گا۔

---

1)Glossary ;Banking and Finance,English-English-Urdu ,Shakil Faruqi Student Edition , State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

خیارات(Options)

خیارات کی حقیقت گلوسری میں یوں بیان کی گئی ہے:

Option is a contract giving the asset holder the right but not the obligation to sell or buy an asset at an agreed price called strike price or exercise price over a short period in future which is of critical importance in the contract, if the contract stipulates a fixed date for transaction in future, it is a European Style option, if the transaction can be done a number of times in future over the contract period it is Bermuda Style option, if the time of transaction is chosen by the holder up to maturity date of the contract if is an American Style option . In securities market, this contract could be a call option

یہ ایک کنٹریکٹ ہے جو اثاثہ بردار کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اثاثے کی خرید وفروخت کر سکے، لیکن مجبور نہیں کرتا، یہ خرید وفروخت مستقبل میں ایک مختصر عرصے کے دوران کی جاسکتی ہے، جو کہ کنٹریکٹ کے لئے نازک اہمیت رکھتا ہے، اور صرف ایک منظور شدہ قیمت پر جسے اختیاری

قیمت کہتے ہیں۔

اگر اس کنٹریکٹ میں معاملہ کی کوئی آئندہ تاریخ متعین ہو، تو یہ یورپی طرز کا آپشن ہوگا، لیکن اگر کنٹریکٹ کی مدت میں معاملہ بار بار کی جا سکے، تو یہ برمودہ طرز آپشن ہوگا، اگر معاملہ کا وقت کنٹریکٹ کا حامل فریق متعین کرے، لیکن صرف کنٹریکٹ کے عرصہ کے اندر اندر، تو یہ امریکی طرز آپشن ہوگا، تمسکات کے بازاروں میں آپشن دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کال آپشن اور دوسرا پٹ آپشن (۱)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب آپشن کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

کسی خاص چیز کو خاص قیمت پر بیچنے یا خریدنے کے حق کا نام خیارات یا Options ہے، کوئی شخص دوسرے سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر تم چاہو گے تو فلاں چیز اتنی قیمت میں اتنی مدت تک میں خریدنے کا معاہدہ کرتا ہوں، تو جب چاہو، بیچ سکتے ہو، اس کو بیچنے کا آپشن کہتے ہیں، دینے والا یہ حق دینے پر فیس لیتا ہے، آپشن دینے والا اس مدت میں اس چیز کو کسی قیمت پر خریدنے کا پابند ہوتا ہے، لیکن آپشن لینے والا بیچنے کا پابند نہیں ہوتا، اسی طرح اس کے برعکس بعض اوقات ایک شخص سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں تم سے فلاں چیز فلاں تاریخ تک فلاں نرخ پر بیچنے کی ذمہ داری لیتا ہوں، اس تاریخ تک تم جب چاہو، مجھ سے اس نرخ پر یہ چیز خرید لینا، یہ خریداری کا آپشن ہے ۔۔۔۔۔ آپشن کرنسی پر بھی ہوتا ہے اور اجناس پر بھی ہوتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپشن دینے والا لینے والے کو اس کرنسی یا جنس کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے

1)Glossary ;Banking and Finance,English-English-Urdu ,Shakil Faruqi Student Edition , State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

مطمئن کرتا ہے اور یہ اطمینان دلانے پر کمیشن لیتا ہے، مثلاً ایک شخص نے پچیس روپے کا ایک ڈالر خریدا، وہ اس کش مکش میں ہے کہ اگر یہ اپنے پاس رکھوں تو اس کی قیمت گرنے کا احتمال ہے، اگر ابھی آگے فروخت کردوں، تو ہوسکتا ہے کہ آئندہ اس کی قیمت بڑھ جائے، تو نفع سے محروم رہوں گا، اب دوسرا شخص اس کو اطمینان دلاتا ہے کہ ڈالر تم اپنے پاس رکھو، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تین ماہ تک یہ ڈالر میں پچیس روپے میں خریدوں گا، اور اس وعدہ پر اتنی فیس لوں گا، اس کی وجہ سے وہ شخص قیمت گرنے سے مطمئن رہے گا، اگر قیمت بڑھ گئی، تو کسی اور کو فروخت کردے گا، قیمت گر گئی، تو آپشن بیچنے والے کو پچیس روپے میں فروخت کردے گا۔ آپشن کو مستقل مال تجارت سمجھا جاتا ہے۔ اس کے آگے بھی بیع ہوجاتی ہے۔

یہ کاروبار دوسرے ممالک میں بہت وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے، اور اس کی صورتیں روز بروز پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی جارہی ہیں۔(۱)

۳ آپشن کی چند مشہور اقسام:

آپشن کی مشہور قسمیں تین ہیں:

خیار الطلب (Call Option)

خیار الدفع (Put Option)

خیار المرکب (Stradle Option)

۱۔ خیار الطلب سے مراد کسی چیز کو خریدنے کا حق ہے۔ جس کی مثال اوپر ڈالر کے ساتھ ہم نے دی۔

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص ۷۶

۲۔ خیار الدفع سے مراد کسی چیز کو بیچنے کا حق ہے، یہ پہلے خیار کی ضد ہے، اس میں بیچنے والے شخص کو تو خیار حاصل ہوتا ہے، لیکن خریدار کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ اسے خریدے۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔

۳۔ خیار المرکب سے مراد خریدنے اور بیچنے کا دونوں کا اختیار ہے، بعض مرتبہ لوگ دونوں اختیار لے لیتے ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی میں ایک چوتھی قسم کا بھی ذکر ہے، جس کو "الخیار الممتد" (Spread Option) کا نام دیا ہے، یہ درحقیقت خیار مرکب ہی ہے، البتہ اس میں خریدنے کا نرخ بیچنے کے نرخ سے زیادہ ہوتا ہے۔

خیارات کی ان اقسام سے متعلق مجلّہ مجمع الفقہ الاسلامی کی عبارت ملاحظہ ہو:

عقد خيار الطلب Call Option

عقد خيار الدفع Put Option

عقدالخيار المركب Stardle Option

عقدالخيار الممتد Spread Option

الخيار المركب : ويتضمن هذ الخيار حق فى البيع وحق فى الشراء فى ذات الوقت يصدر المستثمر هذاالخيار ثم ينتظر ماذا يحدث فى السوق فاذا وجد الاجدى له البيع مارسه واذا وجد الاجدى له الشراء مارسه.

الخيار الممتد: ويتضمن خيار شراء وبيع اى خيارا مركبا ولكن بسعر للشراء يزيد على سعر البيع الخ

(۱) فليراجع لتفاصيل هذه الخيارات وتفاصيلها : مجلة مجمع الفقه الاسلامى جده، الدورة السادسة ، العدد السادس الجزء الثانى ، هذه النسخة موجودة فى مكتبة جامعة دارالعلوم كراتشي .

وايضاتفاصيل هذه الاقسام موجودة فى گلوسرى Glossary للبنك المركزى باكستان على صفحة ۴۸۰

حکم شرعی:

یاد رکھنا چاہیئے کہ وارنٹس (جو درحقیقت خیارات ہی میں داخل ہیں، لیکن ان کا زیادہ تر تعلق اسٹاک یعنی شیئرز سے ہے، جیسا کہ وہاں ذکر کردہ تفصیلات سے واضح ہے) اور خیارات کی بیع شرعاً جائز نہیں، اور اس کے ناجائز ہونے کے دو اسباب ہیں:

ا۔ اس معاملہ میں غرر (Uncertainty) ہے، کیونکہ جس کے پاس آپشن ہوتا ہے، اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اسے استعمال کر کے مطلوبہ چیز خرید لے، یا اسے بیچ دے، گویا مستقبل میں اس عقد کا ہونا ضروری نہیں۔

۲۔ یہ خیار شریعت کی نگاہ میں مال نہیں، جبکہ بیع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں طرف سے مال کا تبادلہ ہو، گویا اس بیع پر شرعی بیع کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لئے یہ بیع جائز نہیں، بیع کی تعریف یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے فریقین کا اپنے اموال کو ایک دوسرے سے تبدیل کریں۔(۱)

---

(۱) اسلامی بنکاری اور غرر (Uncertainty)، ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی، ادارہ اسلامیات، کراچی، لاہور، طبع اول، ربیع الثانی ۱۴۲۷

یہ تالیف درحقیقت موصوف کے دکتوراہ کے مقالہ جس کا موضوع ہے "غرر" کا خلاصہ ہے، عوام کی آسانی کے لئے اس مقالہ کا خلاصہ مذکورہ نام سے لیا گیا ہے۔

ضمیمہ ۱ : Bai-al-dain

اس باب کے شروع میں بیع الدین کا مسئلہ ذکر ہوا تھا، اس سے متعلق چونکہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور انگریزی تصنیف An Inroduction to Islamic Finance میں اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خلاصہ کو ان ہی کے الفاظ میں یہاں ضمیمہ ا کے طور پر ذکر کیا جائے، تا کہ انگریزی جاننے والے قارئین اس مفید خلاصہ سے مستفید ہوں:

Here comes the question whether or not bai-al-dain is allowed in Shariah.Dain means debt and Bai means sale .Bai-al-dain, therefore connotes the sale of debt. If a person has a debt receivable from a person and he wants to sell it at a discount, as normally happens in the bills of exchange, it is termed in Sharih as Bai-al-Dain. The traditional Muslim jurists (fuqaha) are unanimous on the point that bai-al-dain with discount is not allowed in Sharaih. The overwhelming majority of the contemporary Muslim scholars are of the same view. However, some scholars of Malaysia have allowed this kind of sale. They normally refer to the ruling of Shafiite school wherein it is held that the sale of debt is allowed, but they did not pay attention to the fact that the Shafiite jurists have

allowed it only in a case where a debt is sold at its par value .

In fact, the prohibition of bai-al-dain is a logical consequence of the prohibition of riba , or interest. A debt receivable in monetary terms corresponds to money, and every transaction where money is exchanged for the same denomination of money, the price must be at par value. Any increase or decrease from one side is tantamount to riba and can never be allowed in Sharia.

Some scholars argue hat the permissibility of bai-al-dian is restricted to a case where the debt is created through the sale of a commodity and its sale may be taken as the sale of a commodity. The argument, however, is devoid of force. for, once the commodity is sold , its ownership is passed on to the purchaser and it is no longer owned by the seller.What the seller owns is nothing other than money. Therefore if he sells the debt, it is no more than the sale of money and it cannot be termed by any stretch of imagination as the sale of the commodity.

That is why this view has not been accepted by the overwhelming majority of the contemporary scholars . The Islamic Fiqh Academy of Jeddah, which is the largest representative body of the Sharia scholars and has the representation of I the Muslim countries, including Malaysia, has approved the prohibition of bai-al-dain unanimously without a (1)single dissent.

An Intoduction to Islamic Finance P:216 (1)

ضمیمہ ۲: شیئرز اور اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار سے متعلق اہم تحقیق:

شیئرز سے متعلق چونکہ گزشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ بحث کی گئی، یہاں اس کی مناسبت سے شیئرز اور اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار سے متعلق ایک اہم فتوی ذکر کیا جاتا ہے، جو اس سلسلہ میں بہت ہی اہم ہے، اور اس پر باقاعدہ اہلِ فتوی حضرات کا اجلاس ہوا ہے، اور اس اجلاس میں منظور ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

آجکل کمپنیوں کے حصص کی بیع وشراء جن طریقوں سے ہوتی ہے، انکی شرعی حیثیت کے بارے میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور پوچھے بھی جاتے ہیں، انکا شرعی حکم معلوم کرنے کیلیئے اس طریق کار کی صحیح واقفیت ضروری ہے جو اس بیع وشراء میں اختیار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت گفتگو ان کمپنیوں کے حصص کے بارے میں ہو رہی ہے جنکا کاروبار شرعاً حلال ہے اور انکے حصص کی خریداری حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے فتوی "القصص السنی فی حصص الکمبنی" کی رو سے جائز ہے۔

یہ معلومات حاصل کرنے کیلیئے دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے اہل علم کی ایک جماعت نے کراچی کے اسٹاک ایکسچینج کا دورہ کیا، ایکسچینج کے ذمہ داروں سے عملی صورتحال معلوم کی، اور ان کے قواعد وضوابط حاصل کر کے ان کا مطالعہ کیا۔ اس تحقیق کے نتیجے میں جو صورتحال واضح ہوئی وہ ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

بنیادی طور پر قابل تحقیق امور مندرجۂ ذیل تھے:

(۱) ڈے ٹریڈنگ۔ یعنی ایک ہی دن میں حصص خرید کر اسی دن بیچ دینا

(۲) مستقبل کے سودے (Forward)

(۳) بدلے کے معاملات

ڈے ٹریڈنگ:

ڈے ٹریڈنگ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ایک ہی دن میں حصص خرید کر اسی دن کسی اور شخص کو وہ حصص بیچ دیتا ہے یہ ڈے ٹریڈنگ فوری سودوں (Spot Transactions) میں بھی ہوتی ہے، اور مستقبل کے سودوں (Forward Trading) میں بھی۔ پہلے ہم فوری سودوں کی تحقیق کرتے ہیں.

فوری سودے (Spot Trading)

فوری سودوں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کمپنی کے حصص خریدتا ہے تو اس خریداری کا اندراج فوری طور سے KAT میں ہو جاتا ہے، جو اسٹاک ایکسچینج میں ہونے والے سودوں کا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ ہوتا ہے، اور اسٹاک ایکسچینج ان سودوں میں فریقین کی ذمہ داریوں کی ضمانت دیتا ہے۔ فوری سودوں میں ہر سودے کے تین دن بعد خریدار کو طے شدہ قیمت ادا کرنی ہوتی ہے اور بیچنے والے کو بیچے ہوئے حصص کی ڈلیوری دینی ہوتی ہے۔ ڈلیوری کا مطلب حصص کی بیع میں یہ ہوتا ہے کہ جس کمپنی کے حصص بیچے گئے ہیں اس کمپنی کے ریکارڈ میں سی ڈی سی کے ذریعے ان حصص کی منتقلی خریدار کے نام ہو جاتی ہے

فقہی نقطۂ نظر سے یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز خریدے تو اسکے لئے شرعاً ضروری ہے کہ پہلے اس چیز پر قبضہ کرے، پھر اس کے لئے آگے فروخت کرنا جائز ہوتا ہے، قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں۔ اب حصص کی خریداری میں صورتحال یہ ہے کہ ڈلیوری، خریداری کے تین دن بعد ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ خریداری اور ڈلیوری کے درمیان جو تین دن کی مدت ہے، کیا خریدار کیلئے جائز ہے کہ اس درمیانی مدت میں وہ اپنے خریدے ہوئے حصص کسی اور شخص کو فروخت کر دے؟

اگر ڈلیوری کو شرعی قبضہ قرار دیا جائے تو ڈلیوری سے پہلے فروخت کرنا بیع قبل القبض قرار پائیگا اور ناجائز ہوگا لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ "ڈلیوری"، شرعی قبضے سے عبارت نہیں، بلکہ کمپنی میں حصص کے خریدار کے نام پر اندراج کو ڈلیوری کہا جاتا ہے، ورنہ جہاں تک خریدے ہوئے حصص کے جملہ منافع اور نقصانات کا تعلق ہے، وہ خریداری کے متصل بعد خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یعنی اگر خریداری اور ڈلیوری کی درمیانی مدت میں کمپنی کو کوئی نقصان ہو جائے تو وہ نقصان خریدار ہی برداشت کرتا ہے اور اگر کمپنی کو نفع ہو جائے تو اس نفع کا فائدہ بھی خریدار ہی کو پہنچتا ہے۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حصص کی بیع کا مطلب کمپنی کے حصصِ مشاعہ کی بیع ہے، لہذا یہ "بیع المشاع" ہے اور مشاع میں حسی قبضہ ممکن نہیں ہوتا۔ دوسری طرف بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ

جب تک مشتری مبیع پر قبضہ نہ کرے، یا کم از کم بائع تخلیہ نہ کرے، مبیع بائع ہی کے ضمان میں رہتی ہے، یعنی اگر اس دوران وہ ھلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جاتی ہے، لہذا اگر قبضہ کئے بغیر مشتری نے مبیع کسی اور کو فروخت کردی، بعد میں وہ بائع اصلی ہی کے قبضے میں ہلاک ہوگئی تو پہلی بیع فسخ ہو جائیگی تو اسکے نتیجے میں دوسری بیع بھی فسخ ہو جائیگی، لہذا اس دوسری بیع میں شروع ہی سے غرر انفساخ پایا جاتا ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ بیع قبل القبض کی ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولانه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاک المعقود عليه ،لانه اذا هلک المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الاول ،فينفسخ الثاني،،

(بدائع الصنائع ج۴ ص ۳۹۴ مؤسسة التاريخ العربي)

بیع قبل القبض کی ممانعت کی اس سے زیادہ واضح علت یہ ہے کہ اس سے ربح مالم یضمن لازم آتا ہے، کیونکہ قبضہ سے پہلے مبیع کا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا، اب اگر وہ اسے آگے فروخت کرے اور اسمیں نفع کمائے تو یہ ربح مالم یضمن ہوگا، جس کی ممانعت مندرجۂ ذیل حدیث میں آئی ہے:

لايحل سلف وبيع ولاشرطان في بيع، ولا ربح مالم تضمن

(سنن ابی داؤد ج۳ ص ۲۸۳ کتاب البيوع ،باب في الرجل يبيع ماليس عنده)

جامع ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:

"نهى رسول الله ﷺ عن سلف وبيع،وعن شرطين في بيع وعن ربح مالم يضمن ،،

(جامع الترمذی ج۳ ص ۵۳۵ باب ماجاء في كراهية بيع ماليس عندک)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"يريد به الربح الحاصل من بيع ما اشتراه قبل ان يقبض وينتقل من ضمان البائع الى ضمانه ،فان بيعه فاسد ،في شرح السنة : قيل : معناه ان الربح في كل شئي

انمایحل ان لو کان الخسران علیه ،فان لم یکن الخسران علیه کالبیع قبل القبض اذا تلف فان ضمانه علی البائع

(مرقاۃ المفاتیح ج٦ ص ٨٩)

اورعلامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وربح مالم یضمن، یرید به الحاصل من بیع مااشتراہ قبل ان یقبضه وینتقل من ضمان البائع الی ضمانه ،فان بیعه فاسد (شرح الطیبیؒ ص ٨٢ ج٦)

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(وربح مالم یضمن) هو ربح مبیع اشتراہ فباعه قبل ان ینتقل من ضمان البائع الاول الی ضمانه بالقبض(حاشیة السندی علی المجتبی للنسائی ص ٢٩٥ ج٧)

اورحضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

ولاربح مالم تضمن. ای لایحل ربح الشئی لم یدخل فی ضمانه وهوربح مبیع اشتراہ فباعه قبل ان ینتقل عن ضمان البائع الاول الی ضمانه بالقبض

(بذل المجهود ص ١٨٠ ج١٥ کتاب البیوع ،باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ)

حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع قبل القبض اس لئے ناجائز ہوتی ہے کہ قبضے کے بغیر اسکا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا لہذا اگر وہ نفع پر آگے بیچنا چاہتا ہے تو یہ ربح مالم یضمن میں داخل ہے، نیز جیسا کہ صاحب بدائع نے فرمایا، قبضہ سے پہلے اگر مبیع ہلاک ہوجائے تو بائع کے ضمان میں ہونے کی بناء پر بیع فسخ ہوجائیگی، اوراسکے نتیجے میں اگلی بیع بھی فسخ ہوگی، لہذا اگلی بیع میں شروع ہی سے غرر انفساخ پایا جاتا ہے۔

لیکن اگر ضمان حسّی اور حقیقی قبضے کے بغیر تخلیہ کے ذریعے مشتری کی طرف منتقل ہوجائے تو پھر چونکہ نہ ربح مالم یضمن کا اندیشہ ہے، نہ غررِ انفساخ کا، اس لئے مشتری کیلئے اسے آگے بیچنا جائز ہے۔اسی لئے فقہاء کرام رحمھم اللہ نے تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام قرار دیا ہے۔فتاوی عالمگیری میں ہے:

واجمعوا علی ان التخلیة فی البیع الجائز تکون قبضاً
،وفی البیع الفاسد روایتان والصحیح انها قبض .....
رجل باع خلّاً فی دنّ فی بیته فخلّی بینه وبین المشتری
فختم المشتری علی الدنّ وترکه فی بیت البائع فهلک
بعد ذلک فانه یهلک من مال المشتری فی قول محمد
،وعلیه الفتوی

(فتاوی عالمگیریه ج۳ ص ۱۶ کتاب البیوع ،باب ۴
فصل ۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاع کی بیع میں قبضہ کیسے متحقق ہوتا ہے؟ اسکے جواب میں بھی فقہاء کرام نے یہی فرمایا ہے کہ مشاع کی بیع میں تسلیم اور قبض کا تحقق تخلیہ ہی سے ہوتا ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ اجارۃ المشاع (جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں) اور بیع المشاع کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" وهذا بخلاف البیع،لان التسلیم هناک بالتخلیة یتم
وذلک فی الجزء الشائع یتم

(مبسوط السرخسی ج۱۵/ ۱۴۶ ،کتاب الاجارة)

صاحب ھدایہ رحمہ اللہ نے بھی اس فرق کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

ولابی حنیفة انه آجر مالا یقدر علی تسلیمه فلایجوز
،وهذا لان تسلیم المشاع وحده لایتصور ،والتخلیة
اعتبرت تسلیماً لوقوعه تمکیناً ،وهو الفعل الذی یحصل
به التمکن ،ولا تمکن فی المشاع ،بخلاف البیع لحصول
التمکن فیه ،،

اسکا مطلب یہ ہے کہ اجارہ میں چونکہ مقصود صرف انتفاع ہوتا ہے، ملک نہیں، اور حصۂ مشاعہ میں تمکین انتفاع نہیں ہوسکتی، اس لئے اسمیں تخلیہ متصور نہیں ہے۔ اس کے برخلاف بیع میں مقصود ملک ہوتی ہے، لہذا تخلیہ

کے ذریعے اسمیں تمکین ہوسکتی ہے، چنانچہ صاحب عنایہ اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

بخلاف البیع فان المقصود به لیس الانتفاع ،بل الرقبة ،ولهذا جاز بیع الجحش فکان التمکن بالتخلیة فیه حاصلاً،،

اور صاحب کفایہ اسکو مزید واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ان التخلیة اعتبرت تسلیماً اذا کان تمکیناً من الانتفاع ،وانما یکون تمکیناً اذا حصل بها التمکن ،والتمکن لایحصل به فلم یعتبر تمکیناً بخلاف البیع ،لحصول التمکن ثمه من البیع والاعتاق وغیر ذلک،،

(فتح القدیر مع العنایة والکفایه ج۸ ص ۴۱ و۴۲ باب الاجارة الفاسدة)

صاحب کفایہ کی خط کشیدہ عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ مشاع میں حسّی قبضہ کے بغیر تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوجاتا ہےاور مشتری کیلئے اسمیں ملک کے تصرفات کرنا جائز ہوجاتا ہے جسمیں اسے آگے فروخت کرنا بھی شامل ہے۔

علامہ طوری رحمہ اللہ نے بھی تکملہ البحر الرائق میں فرق کی وضاحت صاحب ھدایہ اور صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق کی ہے (تکملة البحر ج۸ ص ۳٦ باب الاجارة الفاسدة)

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشاع کی بیع میں حسّی قبضہ تو ممکن نہیں ہوتا،لیکن تخلیہ اور تمکین سے قبضہ کا مقصود حاصل ہوجاتا ہے،اور مشتری کیلئے اس تخلیہ یا تمکین کے بعد اسی مشاع کو آگے فروخت کرنا بھی جائز ہوجاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حصص کی بیع میں بائع کی طرف سے تمکین اور تخلیہ کا تحقق ہوجاتا ہے یا نہیں؟

اگرچہ اسٹاک ایکسچینج کے ذمہ دار اور اسمیں کام کرنے والے اس بات پر متفق نظر آئے کہ سودا ہوتے ہی بیچے ہوئے کے حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں گویا خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں (اور اس لحاظ سے اگر خریدار انہیں آگے بیچے تو ''ربح مالم یضمن،، لازم نہیں آتا) لیکن اسٹاک ایکسچینج کے قواعد وضوابط کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبضۂ شرعی کا تحقق ڈیلیوری سے پہلے نہیں ہوتا،جس

کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ بات فقہ اسلامی میں طے شدہ ہے کہ ''قبض کل شئی بحسبه،، یعنی ہر چیز کا قبضہ اس شئی کی نوعیت کے لحاظ سے عرفاً مختلف ہوتا ہے۔ کے بارے میں عرف عام یہی ہے کہ سودے کے وقت محض اسٹاک ایکسچینج کے فوری اندراج کو قبضہ نہیں کہا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ ''ڈیلیوری،، تین دن بعد ہوگی، ڈیلیوری کے معنی ہی قبضہ دینے کے ہیں، لہٰذا عرف نے اسی کو قبضہ قرار دیا ہے۔

(۲) اسٹاک ایکسچینج میں ''بیع مالا یملک الانسان،، (Short Sale) کا رواج عام ہے۔ جب ہم نے اسٹاک ایکسچینج کا دورہ کیا، اس وقت ہمیں یہ بتایا گیا کہ حاضر سودوں میں شارٹ سیل ممنوع کردی گئی ہے، لیکن قواعد وضوابط سے پتہ چلتا ہے اور بعد میں اسٹاک ایکسچینج کے صدر صاحب نے بھی اس کی تصدیق کی کہ جو چیز منع کی گئی ہے وہ بلینک سیل (Blank Sale) ہے یعنی ایسی بیع جسمیں بائع کے پاس نہ تو ملکیت میں ہوں، اور نہ اس نے شیئرز کی خریداری کیلئے کسی سے قرض کا معاہدہ کر رکھا ہو، لیکن حاضر سودوں میں شارٹ سیل کی اس شرط کے ساتھ اجازت دیدی گئی ہے کہ بیچنے والا خریدار کو بتادے کہ وہ شارٹ سیل کر رہا ہے اور یہ کہ اس نے وقت پر شیئرز کی ڈیلیوری کیلئے کسی سے قرض لینے کا انتظام کر رکھا ہے (۱) اس سے معلوم ہوا کہ حاضر سودوں میں شارٹ سیل کا امکان موجود ہے اور اگر بالفرض قواعد کے لحاظ سے شارٹ سیل منع بھی ہو تو اس بات کی گارنٹی نہیں ہے کہ وہ اس قاعدے کی خلاف ورزی نہیں کر رہا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص شارٹ سیل کر رہا ہے، یعنی شیئر زاسکی ملکیت میں نہیں ہیں، پھر بھی بیچ رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ ''بیع مالا یملک،، ہونے کی بناء پر یہ بیع شرعاً باطل ہے، بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی شیئرز کے حقوق والتزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یا خریدار کے ضمان (Risk) میں آجاتے ہیں وہ یہ بات شرعی مفہوم میں نہیں کہتے، کیونکہ یہ بات وہ شارٹ سیل کی صورت میں بھی کہتے ہیں، حالانکہ شرعی مفہوم میں شارٹ سیل کی صورت میں ضمان منتقل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب شیئرز بائع ہی کی ملکیت میں نہیں ہیں تو وہ خریدار کو تمکین یا تخلیہ کیسے کر سکتا ہے؟ اور اس سے شرعی مفہوم میں ضمان کیسے منتقل ہو سکتا ہے؟

(۳) کراچی اسٹاک ایکسچینج کی طرف سے ہمیں جو قواعد وضوابط فراہم کئے گئے، ان میں حاضر سودوں کے قواعد وضوابط (Rules For Ready Delivery Contracts) کی پہلی دفعہ میں یہ کہا گیا

ہے کہ تمام حاضر سودوں کا تصفیہ آئندہ ہفتے میں پیر کے دن ہونا ضروری ہے یعنی پیر کے دن بائع شیئرز کی ڈیلیوری دیگا، اور خریدار اسکی قیمت بائع کو ادا کریگا، لیکن اسی دفعہ کی شق بی میں یہ صراحت ہے کہ اگر بائع نے مقررہ وقت تک ڈیلیوری نہ دی تو خریدار کو حق ہوگا کہ کسی کمپنی کے جتنے شیئرز اس نے بائع سے خریدے تھے، وہ بازار سے خرید لے (جسکو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں (Buy in) کہا جاتا ہے) اور شق سی میں کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں اگر خریدار کو بازار سے خریداری کرنے میں کوئی نقصان ہو (مثلاً وہ شیئرز بازار سے زیادہ قیمت میں ملیں) تو بائع کا فرض ہوگا کہ وہ خریدار کے نقصان (Damages) کی تلافی کرے۔

یہ قاعدہ واضح طور پر اس بات کا اعتراف ہے کہ سودے کے وقت قبضہ نہیں ہوا تھا، کیونکہ بائع کی طرف سے ڈیلیوری نہ دینا دو ہی صورتوں میں ممکن ہے، یا تو بائع نے شارٹ سیل کی تھی، یعنی شیئرز کے ملکیت میں ہونے کے بغیر فروخت کر دئے تھے، اس صورت کا بطلان اوپر نمبر۲ میں گذر چکا ہے یا پھر اس نے شارٹ سیل نہ کی تھی، مگر خریدار سے سودا کرنے کے بعد اسکی رائے بدل گئی اور اس نے وہ خود رکھنے یا کسی اور کو بیچ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ جب اس کیلئے رائے بدل کر شیئرز خود رکھ لینا یا کسی اور کو بیچنا ممکن ہے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سودے کے وقت اس نے خریدار کو تمکین کر دی ہے یا اسکے حق میں تخلیہ کر دیا ہے؟ نیز اس صورت میں اسٹاک ایکسچینج کے قواعد یہ نہیں کہتے کہ جو شیئرز فروخت کئے گئے تھے، بائع کو انکی ڈیلیوری دینے پر مجبور کیا جائے بلکہ خریدار کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بائع کو ڈیلیوری پر مجبور کرنے کے بجائے بازار سے اسی کمپنی کے اسی مقدار میں دوسرے شیئرز خرید لے، اور اس خریداری میں اسے کوئی نقصان ہو تو بائع کو اسکی تلافی پر مجبور کرے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی بیع یکطرفہ طور پر فسخ کرے۔ اور کسی تیسرے شخص سے نئی بیع کرے۔

(۴) اسٹاک ایکسچینج کے حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ حاضر سودوں کے علاوہ فارورڈ سودوں میں بھی حقوق والتزامات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، صرف کمپنی کے ریکارڈ میں نام کی منتقلی حاضر سودوں کے مقابلے میں زیادہ تاخیر سے ہوتی ہے، حالانکہ فارورڈ سودوں میں شارٹ سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ یہ حضرات حقوق والتزامات کی جس منتقلی کا ذکر کر رہے ہیں وہ شرعی مفہوم میں ضمان کی منتقلی نہیں ہے۔ اور اس سارے مجموعے سے جو بات واضح ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ جس چیز کو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں حاضر سودا کہا جا رہا ہے، اسمیں سودے کے وقت شرعی مفہوم میں قبضہ متحقق نہیں ہوتا، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی تمام حقوق والتزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں وہ اس معنی

میں کہتے ہیں کہ اسٹاک ایکسچینج معاملہ کو انتہا تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اور شیئرز کی قیمت بڑھے یا گھٹے، بائع اسی قیمت پر شیئرز کی ڈیلیوری کرنے کا، اور خریدار وہی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے، اور اگر کوئی فریق اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کرے اور خریدار کی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع کو بازار میں شیئرز فروخت کرنے Sale (Out) میں اور بائع کے قبضہ نہ دینے کی صورت میں خریدار کو بازار سے شیئرز خریدنے میں جو نقصان ہو، دوسرا فریق اسکی تلافی کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں شرعی حکم یہ ہے کہ شیئرز کے خریدار کیلیئے اس وقت تک شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ ڈیلیوری نہ مل جائے۔ اگر بیچنے والے نے شارٹ سیل کی ہے، یعنی شیئرز ملک میں لائے بغیر فروخت کیئے ہیں تو یہ بیع ہی باطل ہے، اور اگر شیئرز بائع کی ملک میں تھے، اور عقد بیع کے ارکان متحقق ہوگئے ہیں تو یہ بیع درست ہے، (اسے بیع الکالئی بالکالئی اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ کمپنی کے شیئرز بائع کی ملکیت میں ہیں اور عین ہیں دین نہیں) لیکن خریدار کیلیئے آگے بیع کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب اسے باقاعدہ ڈیلیوری مل جائے، لہذا اس وقت جس طرح ڈے ٹریڈنگ ہو رہی ہے (جسمیں ڈیلیوری سے پہلے شیئرز آگے بیچ دیئے جاتے ہیں) وہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

مستقبل کے سودے (Futures)

مذکورہ بالا تفصیل حاضر سودوں کے بارے میں تھی، جنہیں (Spot Sales) یا Ready Contracts کہا جاتا ہے۔ جب حاضر سودوں میں صورتحال یہ ہے تو مستقبل کے سودوں میں جنہیں Forwerd یا Future کہا جاتا ہے۔ بطریق اولی یہ حکم ہوگا، اس لئے کہ ان سودوں میں شارٹ سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اور شارٹ سیل پر جو پابندیاں حاضر سودوں میں ہوتی ہیں، مستقبل کے سودوں میں اتنی پابندیاں نہیں ہیں۔

اسٹاک ایکسچینج کے دورے کے دوران ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ حاضر سودوں اور مستقبل کے سودوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ حاضر سودوں میں ڈیلیوری جلدی ہو جاتی ہے، اور مستقبل کے سودوں میں دیر سے ہوتی ہے، لیکن خریدے ہوئے شیئرز کے حقوق والتزامات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، لیکن ان حضرات کا یہ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ حقوق والتزامات کی منتقلی کا لفظ وہ شرعی مفہوم میں استعمال نہیں کر رہے، بلکہ اس معنی میں استعمال کر رہے ہیں کہ شیئرز کی قیمت ڈیلیوری سے پہلے بڑھے یا گھٹے، ہر صورت میں بائع طے شدہ

قیمت پر ڈیلیوری دینے اور خریدار طے شدہ قیمت ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر مستقبل کے سودوں (Forward Sale) یا Future Sale کا حکم یہ ہے کہ:

(۱) اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز نہیں ہیں اور وہ شارٹ سیل یا بلینک سیل کر رہا ہے تو یہ بیع مالا یملک ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے۔

(۲) اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز ہیں اور وہ انکی ڈیلیوری بھی لے چکا ہے، اور آئندہ کی تاریخ کیلئے آج ہی ایجاب وقبول کے ذریعے بیع کی تکمیل کر رہا ہے جسے (Forward Sale) کہا جاتا ہے یعنی بیع آج ہی مکمل ہوگئی ہے، لیکن وہ بیع آئندہ تاریخ کیلئے ہے تو یہ بیع مضاف الی المستقبل ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔

(۳) اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضہ میں شیئرز ہیں (یعنی وہ انکی ڈیلیوری لے چکا ہے) اور بیع آئندہ تاریخ کیلئے نہیں، بلکہ آج ہی کی تاریخ کیلئے ہوئی ہے، البتہ قیمت ادھار رکھی گئی ہے کہ خریدار قیمت آئندہ کسی تاریخ پر ادا کریگا، تو اس صورت میں شیئرز کی ڈیلیوری خریدار کو دینی ہوگی، اور قیمت کی وصولی کیلئے ڈیلیوری دیئے بغیر شیئرز اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع مؤجل ہے، اور بیع مؤجل میں حبس المبیع لاستیفاء الثمن جائز نہیں ہے۔

فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

قال اصحابنا رحمهم الله تعالى : للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن اذا كان حالاً كذا في المحيط، وان كان مؤجلاً ،فليس للبائع ان يحبس المبيع قبل حلول الاجل ولا بعده ، كذا في المبسوط (فتاوى عالمگيريه ج۳ ص ۱۵ باب ۴ من كتاب البيوع)

(۴) اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ آج کی تاریخ ہی کیلئے خریدار کو بیچ رہا ہے اور انکی ڈیلیوری بھی خریدار کو دیدیتا ہے، لیکن قیمت آئندہ تاریخ کیلئے ادھار رکھی گئی ہے اور خریدار کو ڈیلیوری دینے کے بعد پھر وہی شیئرز (جو خریدار کے نام منتقل ہو چکے ہیں) اپنے پاس گروی رکھ لیتا ہے تو یہ صورت جائز ہے۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ، الدرالمختار میں فرماتے ہیں:

ولو كان ذلك الشيئى الذى قال له المشترى : امسكه ،هو المبيع الذى اشتراه بعينه لو بعد قبضه ،لانه حينئذ يصلح ان يكون رهناً بثمنه ،ولو قبله لايكون رهناً ،لانه محبوس بالثمن .

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اسکے تحت فرماتے ہیں:

"قوله : لانه حينئذ يصلح الخ " اى لتعيين ملكه فيه ،حتى لو هلك يهلك على المشترى ،ولا ينفسخ العقد ط قوله " لانه محبوس بالثمن ،، اى وضمانه يخالف ضمان الرهن ،فلا يكون مضموناً بضمانين مختلفين الخ،،

(رد المحتار ،كتاب الرهن ج٦ ص ٤٩٧)

صورت نمبر۳ اور صورت نمبر۴ کا فرق بھی علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی اس عبارت میں موجود ہے۔
اسکی مزید وضاحت بندے کی کتاب ''بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ،،(ص۱۶ تا ۱۸ طبع دارالقلم دمشق) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۵) پانچویں صورت یہ ممکن ہے کہ بیچنے والے کی ملک اور قبضے میں شئیرز ہیں، اور وہ بیع ابھی نہیں کرتا، بلکہ ایک خاص قیمت پر آئندہ بیچنے کا وعدہ کرتا ہے، اور خریدار آئندہ اس قیمت پر خریدنے کا صرف وعدہ کرتا ہے ،بیع ابھی مکمل نہیں ہوتی علماء معاصرین کی ایک بڑی جماعت (جسمیں مجمع الفقہ الاسلامی جدہ بھی داخل ہے) دوطرفہ وعدملزم کو بھی عقد کے حکم میں قرار دیکر اسے ناجائز قرار دیتی ہے۔ اور جن فقہاء نے بعض معاملات (مثلاً بیع بالوفاء) میں وعدملزم کو جائز قرار دیا ہے، وہ بھی اسے حاجت عامہ سے مشروط مانتے ہیں، چنانچہ فتاوی قاضی خان میں ہے:

لان المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس

(الفتاوى الخانية ج٢ ص ١٦٥)

مذکورہ صورت میں کوئی ایسی حاجت نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے کوئی حرجِ عام لازم آئے، بلکہ اسٹاک

ایکسچینج میں سٹہ بازی کے رجحان کو روکنے کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ''وعدہ،، غیر ملزم ہی رہے، لہذا اگر دونوں فریق وعد غیر ملزم، (Non- Binding Promise) کرلیں تو یہ جائز ہے، اس صورت میں اگر کوئی فریق وعدے کو کو پورا نہ کرے تو وہ دیانۃً تو گناہ گار ہوگا، لیکن قضاءاًاسے مجبور نہ کیا جاسکے گا۔

بدلہ کے معاملات

اسٹاک ایکسچینج میں بدلہ کے معاملات اس طرح ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ایک شخص بہت سے حصص خرید لیتا ہے، مگر قیمت ادا کرنے کیلئے اس کے پاس رقم نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں وہ خریدے ہوئے حصص کسی تیسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ بیچ دیتا ہے کہ وہ ایک طے شدہ مدت کے بعد خریدار سے وہی حصص زیادہ قیمت پر خرید لیگا، مثلاً الف نے ب سے یکم اپریل کو ایک لاکھ روپے کے دس ہزار حصص خریدے لیکن اسکے پاس ایک لاکھ روپے نہیں ہیں، لہذا وہ یہ دس ہزار حصص ج کو اس شرط کے ساتھ بیچتا ہے کہ ۱۳ اپریل کو وہ یہی حصص ایک لاکھ دو ہزار روپے میں واپس خرید لیگا۔

اس طریقِ کار میں شرعی اعتبار سے دو خرابیاں ہیں، ایک یہ کہ عموماً بدلے کا یہ معاملہ ڈیلیوری سے پہلے کیا جاتا ہے جس کے بارے میں پیچھے بیان کیا جاچکا کہ وہ بیع قبل القبض ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔ دوسرے ج کو جو شیئرز بیچے جارہے ہیں وہ زیادہ قیمت پر واپس خریدنے کی شرط کے ساتھ بیچے جارہے ہیں، یہ شرط فاسد ہے جو بیع کو فاسد کردیتی ہے، اور درحقیقت اس کا مقصد ایک لاکھ روپے لیکر ایک لاکھ دو ہزار روپے واپس کرنا ہے جو سود کی ایک شکل ہے جس کیلئے اس بیع فاسد کو بہانہ بنایا گیا ہے۔ اس لئے بدلہ کے یہ معاملات بھی شرعاً ناجائز ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

(بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ)

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۱ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲ را پریل ۲۰۰۵ء

اختتامیہ

اختتامیہ:

اللہ جل شانہ کے فضل وکرم اوراس کی توفیق سے ''زر'' (Money) کے مختلف پہلوؤں سے متعلق حتی المقدور اس مقالہ میں بحث کی گئی، زمانہ کی ترقی اور معاشی دائرہ کے وسیع ہونے کی وجہ سے ''زر'' کا مفہوم بھی بہت وسیع ہوگیا، پہلے زمانہ میں زیادہ تر زر کا اطلاق صرف سونے یا چاندی یا درہم ودینار پر ہوتا تھا، اوراس کے ساتھ فلوس بھی زر کی کیٹگری میں شمار ہوتے تھے، لیکن تجارتی اور معاشی ترقی نے زر کی نئ شکلیں متعارف (Intruduced) کرائی، جن میں کریڈٹ منی کی مختلف قسمیں سامنے وجود میں آگئیں، اوران قسموں کے ساتھ لین دین ہونے لگا، جس کی تفصیل آخری باب میں گزر گئی۔

اس مقالہ کے مباحث میں سب سے زیادہ قابلِ توجہ اور حاملِ اہمیت مسائل میں سے'' زر کی حقیقت'' (The nature of money) ہے، کیونکہ موجودہ بینکنگ اور مالیاتی سسٹم میں زر ہی کو آلہ تجارت (Tradable) آلہ قرار دیا گیا ہے، زر کے اس خلافِ فطرت استعمال نے مختلف قسم کی معاشی اور شرعی مفاسد پیدا کئے، جن میں سب سے بنیادی خرابی سود کی ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

> One of the most important characteristics of Islamic financing is that it is an asset- backed financing. The conventional /capitalist concept of financing is that the banks and financial institution deal in money and monetary papers only. That is why they are forbidden, in most countries, from trading in goods and making inventories. Islam, on the other hand , does not recognize money as a subject-matter of trade.....In conventional financing,

the financier gives money to his client as an interest- bearing loan, after which he has no concern as to how the money is used by the client. (۱)

امام غزالی رحمہ اللہ نے زر کو خلافِ فطرت استعمال کرنے کو ظلم قرار دیا ہے:

اور جس نے بھی دراھم ودنانیر میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمت خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں ، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا، تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹایا، جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی:

"اذطلب النقد لغير ما وضع له ظلم"

کیونکہ زر کو ایسی چیز کے لئے لینا جس کیلئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے ظلم ہے۔"(۲)

گویا کہ زر کے ساتھ عام اشیاء سا سلوک کرنا، اور اس کو محلِ تجارت (Tradable) بنا دینا ظلم ہے، زر کے معاملہ میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اسکی تخلیق ہوئی ہے، اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

اسی طرح اہم مسائل میں سے "نوٹ کی شرعی حیثیت" ہے، جس میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن راجح قول یہی ہے کہ یہ بذاتِ خود ثمن عرفی (Comstomary Price) ہے۔

نیز اہم مسائل میں سے زر کا باہمی تبادلہ، اور زرِ اعتباری کے چند قسمیں مثلاً چیک، بل آف ایکس چینج

(۱) An Introduction to Islamic Finance P:20

(۲) احیاء علوم الدین ،الغزالی (الامام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی م۵۰۵ھج)،بیروت لبنان ، دارالمعرفة ، (۹۱/۴)

بانڈز، اور مختلف قسم کے سرٹیفکیٹس ہیں، جن پر آٹھواں باب میں الحمدللہ سیر حاصل بحث کی گئی، اگرچہ ان آلات میں سے ہر آلہ ایسا ہے، جس کی مختلف اقسام، ان کی تعریفات، حقائق، شرائط اور احکام پر مستقل مقالہ تیار ہو سکتا ہے، مثلاً بانڈز کی بے شمار قسمیں ہیں، اور ان کے بے شمار متعلقات ہیں، اسی طرح شیئر سرٹیفکیٹ پر مستقل اور ضخیم مقالہ تیار ہو سکتا ہے، چنانچہ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے مجلّات (جن میں سے بعض کا حوالہ گزشتہ مباحث میں دیا گیا ہے) سندات اور اسہم (Shares) پر باقاعدہ مقالے لکھے گئے ہیں۔

نیز مقالہ کے اصول کے مطابق ہم نے اصل باب میں ذکر کردہ عنوانات سے متعلق موقوف علیہ مباحث بھی اختصاراً ذکر کئے ہیں، مثلاً بیع صرف، بیع الدین، اور حوالہ وغیرہ کے مسائل، کیونکہ ان پر زر کے بہت سارے مسائل موقوف ہیں۔

اور آخر میں اور اسی طرح درمیان میں بعض جگہ ضمائم (Appendices) اور مختلف فوائد بھی ذکر کئے ہیں، کیونکہ ان کی وہاں پر ضرورت محسوس کی گئی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں، اور ہر کام اور عمل میں خلوص عطا فرمائیں، آمین۔

مراجع ومصادر(Biblography)

مراجع ومصادر(Biblography)

ا

احكام الاوراق النقدية الجديد(ستر بن ثواب الجعيد ،) الطائف ،مكتبة الصديق ، ،طبع اول ،

اسلام اور جديد معيشت وتجارت ، ادارة المعارف كراجى ١٤طبع اول ١٤١٩ هج

اعلام الموقعين عن رب العالمين'ابن الجوزيه(علامه شمس الدين ابو عبدالله محمد بن ابى بكر المعروف بابن الجوزيه المتوفى ٧٥١هج)مصر، ادارة الطباعة المنيرية ،

احياء علوم الدين 'الغزالى (الامام ابوحامد محمد بن محمد الغزالى م٥٠٥هج)'بيروت لبنان 'دارالمعرفة ،

اقتصاديات النقود، متولى '(الدكتور ابوبكر الصديق عمر متولى)، قاهره، مكتبه وهبه ، طبع اول ١٤٠٣هج

اقتصاديات النقود، متولى '(الدكتور ابوبكر الصديق عمر متولى)، قاهره، مكتبه وهبه ، طبع اول ١٤٠٣هج (ص١٣)

احكام القرآن , ابن العربى '(ابو بكر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربى متوفى ٥٤٣،) بيروت, دارالمعرفة

احكام القرآن' ابن العربى (محمدبن عبدا لله م ٥٤٣هج)بيروت' دارالمعرفة ،، طبع سوم ١٣٩٢ هج

ابن ماجه والحاكم

امداد الفتاوی، تھانوی (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

ابحاث ھیئۃ کبار العلماء بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع اول ۱۴۰۹ھج

اقرب الموارد، الشرتونی (علامہ سعید الخوری الشرتونی) لبنان، دارالاسوۃ للطباعۃ النشر، طبع اول ۱۳۷۴ھج

ابوداؤد فی کتاب البیوع باب ۱۲، ۱۷، الترمذی فی کتاب البیوع باب ۴۳-۴۴

اعلاء السنن، العثمانی، (علامہ ظفر احمد العثمانی) کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

احسن الفتاوی، لدھیانوی (مفتی رشید احمد صاحب) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک، طبع اول ۱۴۱۵ھج

البلاغ شمارہ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھج دارالعلوم کراچی ۱۴

ایضاح المسالک، الونشریسی (ابو العباس احمد بن یحیی) متحدہ عرب امارات، رباط، التراث الاسلامی، طبع اول ۱۹۸۰ء

الانصاف، المرداوی (علاء الدین ابی الحسن علی بن سلیمان طبع اول ۱۳۷۶ھج

اوجز المسالک، الکاندھلوی (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ

ب

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع الکاسانی (العلامۃ علاء الدین ابوبکر

الکاسانی)،کراچی، ایچ ایم سعید ،، طبع اول ۱۳۲۸ھج

بخاری کتاب الطلاق

البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ابن نجیم (الشیخ العلامة زین الدین بن ابراھیم متوفی ۹۷۰ ھج) بیروت، دارالکتب العلمیة، طبع اول ۴۱۸ ھج

بلوغ الامانی علی الفتح الربانی، الساعاتی (احمد عبد الرحمن البنا) مصر، مطبعة الفتح الربانی، طبع اول، ۱۳۵٦ ھج

بھجة المشتاق بحواله احکام الاوراق النقدیة للجعید -

بہشتی زیور التھانوی(مولانا اشرف علی)کراچی، دارالاشاعت آرام باغ،

البنك اللاربوی فی الاسلام، السید محمد باقر الصدر، بیروت، دارالتعارف، طبع ششم ۱۴۰۰ھج

البلاغ شماره جمادی الاولی ۱۴۲۲ھج دارالعلوم کراچی ۱۴

بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثمانی(محمد تقی العثمانی) کراتشی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، طبع جدید۱۴۲٦ھ

بحوث فی الربا، الامام ابو زھرہ، بیروت، دارالفکر العربی،

ت

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق الزیلعی(الامام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی) ، بیروت دارالکتب العلمیة، طبع اول ۲۰۰۰ء:"یعنی اذا وجد معدن ذھب او فضة وھو المراد بالنقد او حدید الخ"

تحفة المحتاج الھیتمی ،(العلامة ابن الحجر الھیتمی الشافعی)

تحریر الفاظ التنبیہ النووی، (محی الدین یحی بن شرف النووی)
دمشق، دارالقلم ، طبع اول ۱۴۰۸ھج ---

تعارف زروبنکاری، شیخ مبارک علی ، ریسرچ سکالر اوسلو یونیورسٹی
ناروے زھبر پبلشرز کراچی طبع اول ۱۹۹۱ء

تطور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیة ، الحسنی (الدکتور احمد حسن
احمد الحسنی)، جدہ " دارالمدنی ، طبع اول ، ۱۴۱۰ھج

تکملہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم(جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی)
کراچی ،مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴ طبع اول ۱۴۰۵ ھ

تلخیص الحبیر،العسقلانی (علامہ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲)الریاض،
مکتبہ نزار مصطفی الباز ، طبع اول ۱۴۱۷ھج

تہذیب الاسماء واللغات ، النووی (ابوزکریا محی الدین بن شرف
النووی المتوفی ۶۷۶ھج) مصر، ادارة الطباعة المنیریة

تنویر الابصار متن الدرالمختار ، التمرتاشی (محمد بن عبد الله بن احمد
الخطیب التمرتاشی الغزی المتوفی ۹۳۹) بیروت ، داراحیاء التراث العربی ، طبع
اول ۱۴۱۹ھج

تحفة الفقہاء ، السمرقندی ، (علامہ علاء الدین المتوفی ۵۳۹ھج) ، دمشق
، مطبعة جامعہ دمشق ، طبع اول ، ۱۳۷۷ ھج

تنبیہ الرقود علی مسائل النقود ، ضمن رسائل ابن عابدین ،
لاھور،پاکستان، سہیل اکیڈمی ۱۹۷۶ء

تحفة المحتاج مع حاشیة الشروانی ، الہیتمی (علامہ احمد بن حجر

الہیتمی الشافعی)

تدریب الراوی للسیوطی ص۲۵، طبع المدینة المنورة

ج

جدید فقہی مباحث ،قاسمی(مولانا مجاهد الاسلام قاسمی)،کراچی ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه، جلددوم،

جهاد فی رفع بلو الربا الشیخ(محمد خاطر محمد الشیخ)، مصر، مطابع الاهرام التجاریة ، القاهرة

جریدة البلاد السعودیة العدد ۲۹۱۷(۱۳۷۸/۶/۲۲هج)

جامع الاصول ، ابن الاثیر الجزری(الامام مجد الدین ابی السعادات المبارك بن محمد)المتوفی ۶۰۶هج ، حلوان، مکتبة الحلوانی ، طبع ۱۳۸۹هج

ح

حواشی الشروانی بن قاسم العبادی

الحاوی للفتاوی ، السیوطی (علامه جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ هج) بیروت ، المکتبة العصریة ، طبع اول ۱۴۱۱هج

حاشیة الدسوقی

حاشیة جامع الاسرار فی المنار للنسفی للکاکی ، الافغانی (فضل الرحمن عبد الغفور الافغانی)

حکمة التشریع الاسلامی فی تحریم الربا،ڈاکٹر یوسف حامد العالم ، دارجامعه ام درمان الاسلامیه ، طبع اول ۱۴۰۳ هج

خ

الخرشی علی سیدی خلیل ' الخرشی (محمد الخرشی المالکی) بیروت' دار الصادر

) الخیار واثرہ فی العقود ' ابو غدہ (الدکتور عبد الستار ابو غدہ) ' الکویت ' مطبعة مقہوی ' طبع دوم ١٤٠٥)

د

الدر المختار للحصکفی شرح تنویر الابصار للتمرتاشی ومتن رد المحتار لابن عابدین المعروف بالشامی

دائرة معارف القرآن ' وجدی ' (محمد فرید وجدی) مطبعة دائرة معارف القرآن ١٣٥٧ ھج

الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایة ' العسقلانی (العلامة ابن حجر العسقلانی المتوفی ٨٥٢ ھج) پنجاب ' شیخوپورہ ' المکتبة الاثریہ پاکستان

ر

الربا خطرہ وسبل الخلاص منہ ۔ الحماد ' (الدکتور حمد بن عبد العزیز الحماد) مصر ' مطبعة المدنی ' طبع اول ١٤٠٤ھج

ردالمحتار الشامی (محمد امین بن عابدین الشامی م ١٢٥٢ھج) مطبع مذکورہ ' طبع اول ١٤١٩ھج

روضة الطالبین ' النووی (علامہ محی الدین بن شرف النووی) بیروت ' المکتب الاسلامی ' طبع دوم ١٤٠٥ھج

رسالہ بحث ونظر ص١١٥' شمارہ اپریل ' مئی ' جون' ١٩٩٠ء

ز

زر اور بنکداری، شیخ عطاء اللہ، لاھور، کشمیر بازار طبع اول ١٩٥٤ء

زاد المحتاج شرح المنهاج، الکوهجی (الشیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الحسن الکوهجی) قطر، طبع اول ١٤٠٢ھج

س

السیاسیة النقدیة والمصرفیة فی الاسلام الترکمانی (الدکتور عدنان خالد الترکمانی) بیروت، مؤسسة الرسالة طبع اول ١٤٠٩ھج

سود کی متبادل اساس - شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاھور، طبع اول ١٩٨٦ء

سورۃ البقرۃ آیت ٢٧٦

سنن ابی داؤد

سورۃ الشعراء آیت ١٨١

(١) سورۃ ھود آیت ٨٥

(٢) سورۃ التطفیف-

سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام مولفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد "سے لئے گئے ھیں، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ لاھور پاکستان

سنن ابی داؤد السجستانی (سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی)، البیوع

ش

شرح الصاوی للشیخ محمد ابراهیم المبارک ، بحواله احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجعید

شرح الحافظ ابن القیم علی سنن ابی داود مع عون المعبود ، بیروت ، دار الکتب العلمیة۔

شرح منح الجلیل (علامه محمد علیش)

الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذهب الامام مالک ، الدردیر (العلامة ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر) مصر ، دار المعارف

شرح المجلة ، الاتاسی (العلامه محمد خالد الاتاسی)پاکستان ، کوئٹه ، مکتبه اسلامیه

ص

(۲) صحیح مسلم، القشیری (ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری) باب المساقاة

صحیح البخاری، البخاری (ابو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاری) باب المساقاة

ط

(۲) الطبرانی الکبیر، الطبرانی (سلیمان بن احمد م۳۶۰ھ)

ع

عقد الجواهر الثمنیة ، ابن شاس (جلال الدین عبد الله بن نجم ابن شاس المتوفی ٦١٦ھج) دار الغرب الاسلامی ، طبع اول ١٤١٥ھج

عزیز الفتاوی ، مفتی عزیز الرحمن صاحب ، کراچی ، دارالاشاعت کراچی ، طبع اول (ص٦٣٦)

عطر الہدایة ، لکہنوی (بحرالعلوم مولانا فتح محمد صاحب لکہنوی) مکتبہ نشرالقرآن دیوبند ، یوپی ھندوستان-

عقود التورید والمناقصة ، مخطوطه، جامعه دارالعلوم کراچی

العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة ،شامی (علامه محمد امین المعروف بابن عابدینؒ) بیروت ، دارالمعرفة ، طبع دوم

ف

فتاوی رشیدیه ، مولانا مفتی رشید احمد گنگوھی

فتاوی رضویه ، بریلوی (مولوی احمد رضاخان بریلوی) کراچی ، مدینه پبلشنگ کمپنی ، ایم اے جناح روڈ کراچی

فتح القدیر شرح الہدایة، ابن الہمام ،(الامام محمد بن عبد الواحد بن الہمام) کوئٹه مکتبه رشیدیه

فتوح البلدان ، البلاذری، احمدبن یحی البلاذری ، القاهرة ، مکتبة النہضة المصریة

الفقه الاسلامی وادلته الزحیلی (الدکتور وهبه الزحیلی) بیروت دارالفکر

الفتاوی السعدیة ، السعدی (الشیخ عبد الرحمن الناصر السعدی) السعودیه ، الریاض ، مکتبة المعارف ، طبع دوم ، ١٩٨٢ء

الفتاوی العالمگیریة ، جماعة من العلماء الکبار ، کوئٹه ، مکتبه رشیدیه ، طبع

دوم،

١٤٠٢ھج

الفتاوی الخانیه علی هامش العالمگریه

الفروع لابن مفلح

فہقی مقالات، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، میمن اسلامک پبلشرز کراچی ١٩٩٤ء

ق

۔القاموس الفقہی لغة واصطلاحا، سعدی ابو حبیب

القوانین الفقہیة، الجزی (ابو القاسم محمد بن محمد احمد الجزی المالکی متوفی ٧٤١ ھ، بیروت، دارالقلم، طبع اول ١٩٧٧ء

قرارات، قرار ٤١/٤ جده، السعودیه العربیه

القاموس الاقتصادی، النجفی (حسن النجفی) بغداد، مدیریة مطبعة الادارة المحلیة ١٩٧٧م

ک

کشف الخفاء، الجراحی (اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ١١٦٣ھج) بیروت، مؤسسة الرسالة " طبع سوم ١٤٠٣ھج (١٦٤/٢)

کنز الدقائق مع البحر، النسفی (الامام ابو البرکات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدین النسفی المتوفی ٧١٠ ھج) بیروت، دار الکتب العلمیة، طبع اول ١٤١٨ھج

کتاب معاشیات پروفیسر محمد منظور علی طبع ۱۹۸۲ء علی کتاب خانه

کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم 'عثمانی(جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی 'میمن اسلامک پبلشرز طبع اول ۱۹۹۳ء

کتاب سود کی متبادل اساس -شیخ محمود احمد ' اداره ثقافت اسلامیه لاهور 'طبع اول ۱۹۸٦ء

کنز العمال 'المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث٤٦٦٩-

کفل الفقیه الفاهم فی احکام القرطاس والدراهم' بریلوی (مولوی احمد رضاخان بریلوی) لاهور' شبیر بردرز ' اردو بازار لاهور

کتاب الروایتین والوجهین لابی یعلی

کشاف القناع ' البهوتی ' (العلامة منصور بن یونس المتوفی ۱۰۵۱ ھ) ' السعودیه العربیه ' مطبعة الحکومة بمکة ۱۳۹٤ ھج -

کتاب الکافی فی فقه اهل المدینة المالکی ' القرطبی (ابو عمر یوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر النمر القرطبی) السعودیة ' الریاض ' مکتبة الریاض الحدیثیة ' طبع دوم ۱٤۰۰ ھج

الکافی ' ابن قدامه المقدسی ' بیروت ' المکتب الاسلامی ' طبع سوم ۱٤۰۲ھج (۱۳۵/۲)

کشف القناع عن متن الاقناع' البهوتی(منصور بن یونس البهوتی المتوفی ۱۰٤٦ھج ' مکة المکرمة ' مکتبة الحکومة ۱۳۹٤ھج

ل

لسان العرب ' ابن المنظور متوفی ۷۱۱ ھج ' بیروت 'داراحیاء التراث

العربی ، طبع اول ۱۴۰۸ھج

م

مجمع الزوائد، الہیثمی(الحافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی م۸۰۷ھج) بیروت ، لبنان ،دارالکتاب طبع دوم ۱۹۶۷ء

مجلة مجمع الفقه الاسلامی ، العدد السابع ۲/۲۱۷، قرار رقم ۶۶/۲/۷فقرہ۳، بحوالہ "بحوث"فی قضایافقہیة معاصرة المجلد الثانی۔

مجلة مجمع الفقه الاسلامی الدورة السادسة العدد السادس الجزء الثانی ص۱۷۳۵قرار رقم ۷۶۲/۱۱/۶

۔المغنی والشرح الکبیر، ابن القدامة، (عبدا لله بن قدامة) السعودیة ، مکتبة الریاض ، ۱۴۰۳ھج

مجموع الفتاوی ابن تیمیه، (شیخ الاسلام احمد بن تیمیه)،السعودیه، مطابع الریاض ،طبع اول ، ۱۳۸۳ھج

مقدمة فی النقود والبنوك،الدکتور محمد زکی شافعی ، بیروت، دارالنہضة العربیة ، طبع ھفتم۔

الموطاء للامام محمد رحمه الله باب الرجل یکون له العطایا او الدین علی الرجل فیبیعه

المعاییر الشرعیة ص۱۱۵، ۱۴۲۱ھج ، ھیئة المحاسبة والمراجعة ، بحرین

مجموعة الفتاوی ابن تیمیه(شیخ الاسلام احمد بن تیمیه)،السعودیة ، مطابع الریاض ، طبع اول ۱۳۸۳ ھج

مغنی المحتاج، الشربینی (الشیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت ،

داراحیاء التراث العربی

المدونة الکبری ، الاصبحی (الامام مالک بن انس الاصبحی المتوفی ۱۷۹، بیروت ، دارالکتب العلمیة ، طبع اول ١٤١٥ھج

المجموع شرح المہذب ، النووی(الامام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی ، بیروت ، دارالفکر۔

المعیار المعرب ، الونشریسی (احمد بن یحی المتوفی ۹۱٤ھج) بیروت ، دارالغرب الاسلامی ١٤٠١ھج

ومجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ،الشیخی زاده ، (العلامة عبدالرحمن بن محمد بن سلمان المتوفی ۱۰۷۸ھج) بیروت ، دارالکتب العلمیة ، طبع اول ١٤١٩ھج (۱٦١/٣)

مجلة مجمع الفقه الاسلامی ، الدورة الخامسة ، العدد الخامس ، الجزء الثالث ١٤٠٩ھج

المتطلبات الشرعیة لصیغة المرابحة للآمر بالشراء، بحرین (١٦)

معاشیات ، حبیب الرحمن مکتبہ فریدی اردو کالج اسپتال روڈ طبع اول ۱۹۵۳ء---

معاشیات " پروفیسر محمد منظور علی لاھور، علمی کتب خانہ ،حصہ دوم ص١٢٧---

معاشیات کے ابتدائی اصول، لاھور قومی کتب خانہ، طبع سوم ۱۹٥٤،ص٢٦٤

المعاملات المالیة المعاصرة فی الفقه الاسلامی، الدکتور محمد عثمان شبیر،اردن ، دارالنفائس ، طبع سوم ١٤١٩ھج

مسلم ، کتاب المساقاۃ

مصنف عبدالرزاق

المبسوط ،السرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت،دارالمعرفۃ ، ١٤١٤ھج

مجموعۃ الفتاوی، لکھنوی (مولانا عبد الحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک

مجلۃ البحوث الاسلامیۃ ، العدد الاول من المجلد الاول

مسئلہ سود (ص١٥)، ادارۃ المعارف کراچی طبع جدید ، ١٣٩٩ھج

مستدرک حاکم، الحاکم (محمد بن عبداللہ الحاکم م٤٠٥ھ) ،بیروت ، دارالکتب العلمیۃ ، ١٤١١ھج

مسند احمد بن حنبل

،مباحث العلۃ فی القیاس عند الاصولیین ، الرہیتی(عبدالحکیم عبد الرحمن السعد السعدی الرہیتی العراقی، بیروت، لبنان، دارالبشائر الاسلامیۃ طبع اول ١٤٠٦ھج

المقدمات الممہدات! ابن رشد المالکی(ابوالولید محمد بن احمد القرطبی م ٥٢٠ھج)

المحلی ابن حزم (ابومحمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم م ٤٥٦ھج) (٤٦٨/٨) ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ، طبع اول ١٣٥٠ھج

المغرب فی ترتیب المعرب،المطرزی (ابو الفتح ناصر الدین عبد السید بن علی المطرزی المتوفی ٦١٦ ھج)، بیروت، دارالکتب العربی -

موسوعۃ المصطلحات الاقتصادیۃ والاحصائیۃ ، ھیکل(الدکتور عبدالعزیز

فہمی ھیکل) بیروت، دار النہضة العربیة ١٩٨٠م

ن

نصب الرأیة ، الزیلعی (العلامة جمال الدین ابو محمد عبد الله الزیلعی الحنفی المتوفی ٧٦٢ ھج)لبنان ، مؤسسة الریان ، طبع اول ١٤١٨ھج

النقود الاثتمانیة، العمر (ابراھیم بن صالح العمر) بیروت ، دار العاصمة ١٤١٤ھج ،

نسمات الاسحار علی المنار، الشامی (علامہ ابن عابدین الشامی) کراچی ، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ طبع سوم ١٤١٨ھج

نیل الاوطار ، الشوکانی (محمد بن علی بن محمد الشوکانی م ١٢٥٥ھج)

نہایة المحتاج الی شرح المنہاج ، الرملی (شمس الدین محمد بن ابی العباس الرملی المتوفی ١٠٠٤ھج)بیروت ، احیاء التراث العربی

ھ

الہدایة مع الفتح ، المرغینانی (شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن ابوبکر المرغینانی المتوفی ٥٩٣ھج) کوئٹہ، پاکستان، مکتبہ رشیدیہ

English Books

A

An Introduction to Islamic Finance

E

Encyclopaedia ofBritannica V:3,P: 722

F

Footnotes on Introduction to Economics principles

G

Glossary;Banking and Finance,English-English-Urdu,Shakil Faruqi Student Edition , State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

H

The Historic Judgment on Interest,Usmani, (,Justice Muhammed Taqi Usmani,)Karachi, Idaratul_Ma,araf ,1st edition,2000 A.D

I

Introducion to Economic Principles, Dr.A.N Agarawala,,Katab Mahal 1983.

M

Modren Economic Theory. Dewett. .Kewal Krishan
India Delhi ,Eighteen revised edition , 1983 P:409

N

The New Encyclopaedia Britannica v:10,P:595

S

Shari,A Standards 1423 AH ,2002 Accounting and Auditing organization for Islamic Financial Institutions

T

The Theory of Money and Credit.Mises, ,Ludwig Von Mises

Modren Economic Theory. Dewett. .Kewal Krishan India Delhi ,Eighteen revised edition , 1983 P:409

N

The New Encyclopaedia Britannica v:10,P:595

S

Shari,A Standards 1423 AH ,2002 Accounting and Auditing organization for Islamic Financial Institutions

T

The Theory of Money and Credit.Mises, ,Ludwig Von Mises

فہرست مضامین

فہرست مضامین